ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی

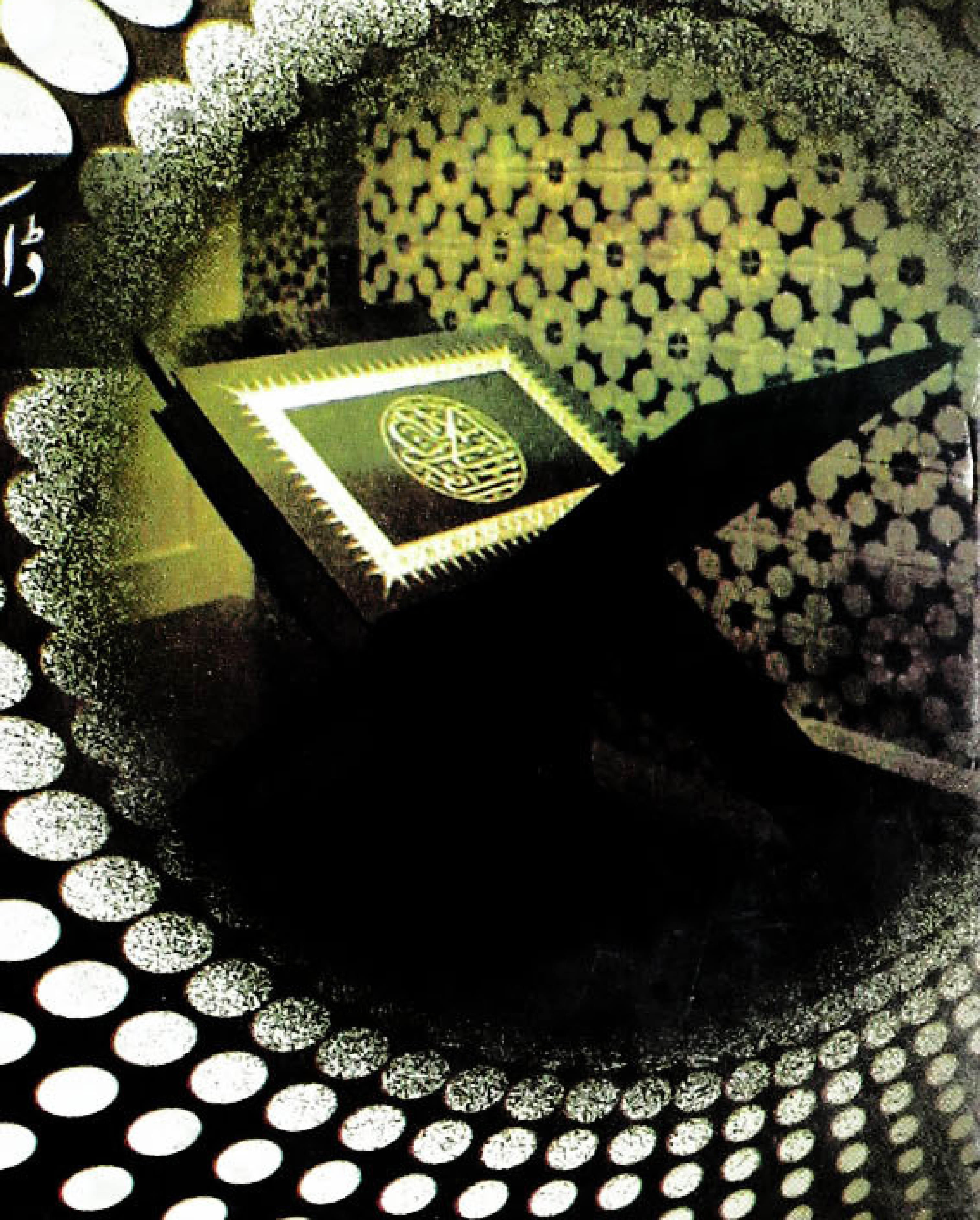

عقوباتِ قرآن
اور
مفکرِ قرآن

جناب غلام احمد پرویز

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۲۹ھ ۲۰۰۸ء

نام کتاب : عقوباتِ قرآن اور مفکر قرآن

مصنف : ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی

اہتمام : بیت الحکمت، لاہور

مطبع : اُحد پرنٹنگ پریس، لاہور

قیمت : ۱۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک

فضلی بک سپر مارکیٹ

اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون:2212991-2629724

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اُردو بازار، لاہور فون: 7320318 فیکس: 7239884

ای میل: hikmat100@hotmail.com

Marfat.com

فہرستِ ابواب

باب نمبر	عنوانِ باب	صفحہ نمبر
	حرفے چند (ڈاکٹر پروفیسر خالد ظفر اللہ)	۹- ۱۲
	کتاب وسنت میں تفریق وتحریف (ڈاکٹر عبدالرشید اظہر)	۱۳- ۲۲
	حرفِ اوّل (مصنف کتاب)	۲۳ - ۲۶
باب اول:	قتل اور قصاص	۲۷ - ۵۶
باب دوم:	سرقہ اور حدّ سرقہ	۵۷ - ۷۳
باب سوم:	حدِ حرابہ ومحاربہ	۷۴ - ۸۳
باب چہارم:	مرتد کی سزا	۸۴ - ۱۵۹
باب پنجم:	حدِ زنا	۱۶۰ - ۲۴۷
باب ششم:	حدِ قذف	۲۴۳- ۲۴۵

Marfat.com

ترتیب

حرف اول

باب اوّل ----- قتل اور قصاص ۲۷ تا ۵۶

لغوی تحقیق یا لغوی تحریف؟ ۲۹

مفہومِ قصاص - آج اور کل ۳۱

مسودۂ قانونِ قصاص کا "دوسرا سقم" اور بے جا بدگمانی ۳۱

والجروح قصاص کی بھونڈی تاویل ۳۲

سورۃ البقرہ کی آیتِ قصاص اور اولیاءِ مقتول کے سہ گونہ اختیارات ۳۵

جرم قتل - افراد کے خلاف؟ یا ریاست کے خلاف؟ ۴۲

ایں گل دیگر شگفت ۴۴

ایک اور تضاد ۴۵

اختیاراتِ ولیِ مقتول - ایک اور آیت میں بھی ۴۶

تاویلِ آیت یا تحریفِ آیت؟ ۴۷

قتلِ عمد میں "مفکر قرآن" کے تین انحرافات ۴۹

پہلا انحراف ۴۹

دوسرا انحراف ۵۲

تیسرا انحراف ۵۳

قتلِ عمد میں قبولِ دیت - عہدِ نبوی میں ۵۴

باب دوم ------ سرقہ اور حدِّ سرقہ ۵۷ تا ۷۳

قطع ید اور "مفکر قرآن" کی رکیک تاویلات میں سے پہلی تاویل ۵۸

قطع ید کی دوسری تاویل ۶۱

قطع لسان کے محاورہ سے مطلب برآری ۶۳

Marfat.com

ایک اور رخ سازی	۶۵
قطع ید کی تیسری تاویل	۶۵
قطع ید کی چوتھی تاویل	۶۸
قطع ید کی پانچویں تاویل	۶۸
قطع ید کی سزاء، عہدِ نبوی میں	۷۰
اور مسخِ حقیقت کی یہ جسارت بھی دیکھئے	۷۱
قطع ید کی سزا، خلافتِ راشدہ میں	۷۲
واقعہ حالب بن ابی بلتعہ کی مسخ و تحریف	۷۳

باب سوم ----- حدِّ حرابہ ومحاربہ ۷۴ تا ۸۳

مفہومِ بغافت کی وسعت	۷۶
تقطیع اید وارجل	۷۸
الٹی کے بعد، اب سیدھی ہتھکڑیاں بھی	۷۹
اور صحیح مفہوم بھی	۸۰
سزائے بغاوت سے ایک غلط استدلال	۸۱
حدِ بغاوت سے متعلق، ایک استفسار	۸۲
کتنی بار جرم - اور - پھر عادی مجرم	۸۳

باب چہارم ----- مرتد کی سزا ۸۴ تا ۱۵۹

مرتد کی سزا میں موقفِ پرویز	۸۵
موقفِ پرویز کا تفصیلی جائزہ	۸۹
۱- تدریجی نزولِ قرآن اور حکمتِ نفاذِ احکام	۸۹
۲- سزائے ارتداد، مکمل اقتدار کے بغیر، ممکن ہی نہیں	۹۰
۳- مکمل اقتدار سے پہلے کی نازل شدہ آیات	۹۰
۴- قتلِ مرتد - آیات کا سکوت یا سزا کی نفی	۹۳

Marfat.com

''مفکر قرآن'' کا خاصۂ مزاج ۹۴
قتلِ مرتد میں ''مفکر قرآن'' کی محض لفظی جنگ ۹۴
مرتد کیا، بلکہ مرتد بنانے کی کوشش کرنے والا بھی واجب القتل ہے ۹۶
مسخِ حقائق کی کوشش ۹۸
غلام کا مفہوم ۱۰۰
تحریفِ واقعہ کی مزید کاوشِ پرویز ۱۰۲
واقعہ اور سزائے قتلِ مرتد ۱۰۴
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۱۰۵
اسوۂ رسولؐ اور قتلِ مرتد ۱۰۶
عہدِ ابی بکر اور قتلِ مرتدین ۱۱۵
وجوہِ بطلانِ موقفِ پرویز ۱۱۵
''مطابق قرآن'' تاریخ سازی کا ڈھونگ ۱۱۷
''مطابق قرآن'' بنانے کی آڑ میں، تاریخی حقائق کی مسخ وتحریف ۱۲۰
طلوعِ اسلام کی صحافتی خیانت یا دیانت؟ ۱۲۵
''قرآنی صحافت'' اور روزمرہ کی صحافت ۱۲۹
عہدِ ابی بکر میں قتلِ مرتد کا ایک اور واقعہ ۱۳۱
قتلِ مرتد اور دورِ فاروقی - پہلی نظیر ۱۳۳
دوسری نظیر ۱۳۴
تیسری نظیر ۱۳۹
قتلِ مرتد در عہدِ عثمانؓ ۱۴۱
قتلِ مرتد بحکم عثمانؓ ۱۴۳
قتلِ مرتد بدست عثمانؓ ۱۴۳
قتلِ مرتد اور عہدِ علیؓ - پہلی نظیر ۱۴۵
دوسری نظیر ۱۴۶

تیسری نظیر ۱۴۷

چوتھی نظیر ۱۴۷

طلوع اسلام کی مغالطہ آفرینی ۱۵۰

قتلِ مرتد کی مخالفت کا پس منظر ۱۵۲

پرویز کا محمد رسول اللہ ﷺ سے معارضہ و مقابلہ ۱۵۵

باب پنجم ----- حدِّ زنا ۱۶۰ تا ۲۴۲

عفت و عصمت کی حیثیت، اسلام میں ۱۶۰

جرمِ زنا اور حدِّ زنا ۱۶۲

آیت (۴/۲۵) پر بحث ۱۶۲

موقفِ پرویز کا جائزہ ۱۶۴

طلوع اسلام کے مزید دلائل ۱۶۶

پہلی دلیل اور اس کا جائزہ ۱۶۷

دوسری دلیل اور اس کا جائزہ ۱۶۷

تیسری دلیل اور اس کا جائزہ ۱۶۹

الفاحشہ سے مراد، زنا ہی ہے ۱۷۲

جرمِ زنا میں چار گواہوں کی شرط ۱۷۵

زنا میں چار گواہوں کا انکار بھی اور اقرار بھی ۱۷۸

جملہ معترضہ - تضادِ پرویز ۱۷۸

سزائے تازیانہ اور سزائے رجم ۱۷۹

کیا سنت، قرآنی حکم کی تبیین اور تخصیص و تقیید کر سکتی ہے؟ ۱۸۰

پیغمبرؑ، شارح کے علاوہ، شارع بھی ہے ۱۸۲

غلط توجیۂ آیات - علماء کے کھاتے میں ۱۸۳

کیا آیت (۲۴/۲) مطلق زناۃ کے لیے ہے؟ ۱۸۳

Marfat.com

''مفکرِ قرآن'' کا رسولِ رحمان سے معارضہ و مقابلہ	۱۸۵
پہلی مثال	۱۸۵
دوسری مثال	۱۸۶
''مفکرِ قرآن'' بمقابلہ رسولِ قرآن	۱۸۸
ذاتِ رسول پر، ذاتِ پرویز کا تقدم	۱۹۰
سزائے رجم کے راوی صحابہؓ	۱۹۹
روایاتِ رجم	۱۹۹
حدیثِ ابن ابی اوفیٰ سے، عثمانی صاحب کا استدلال	۲۱۲
واقعاتِ رجم، سورہ نور سے قبل یا بعد؟	۲۱۲
کیا سورہ نور ۹ھ میں نازل ہوئی؟	۲۱۴
مکی، مدنی اور مختلف فیہ سورتیں	۲۱۶
مختلف فیہ سورتوں کا فیصلہ	۲۲۰
بحکم رسول، نفاذِ سزائے رجم	۲۲۲
سزائے رجم، خلافتِ راشدہ میں بھی	۲۲۶
رجم - خلافِ قرآن، یا زائد از قرآن، یا مطابقِ قرآن؟	۲۲۷
آیت (۴/۲۵) سے غلط استدلال اور اس کا جائزہ	۲۳۱
رجم کا ثبوت، کتبِ پرویز سے	۲۳۵
دو قابلِ غور امور	۲۳۷
جوازِ رجم -- ایک اور پہلو	۲۳۸

بابِ ششم ----- حدِّ قذف ۲۴۳ تا ۲۴۵

خلاصۂ بحث	۲۴۴

☆..........☆..........☆

Marfat.com

حرفِ چند

مغلوب اور مفتوح اقوام جب کارزار حیات اور عسکری فیلڈ میں مات کھا جاتی ہیں تو زندگی کے ہر میدان میں حتیٰ کہ فکری و نظریاتی دائرے میں بھی شکست خوردہ ذہنیت کا اظہار کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس پر مستزاد غالب اور فاتح اقوام کی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ مغلوب قوم میں سے کچھ افرادان کی فکر کا بطور ناصح اور رائج راگ الاپنے والے ہوں۔ یہ دستیاب افراد اپنے آقاؤں کے اُگلے ہوئے نوالوں کو لقمۂ تر سمجھ کر نگلتے ہیں اور پھر جگہ جگہ اس کی جگالی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ بھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ ایک طرف یہ انگریز فوجی طاقت کے ہاتھوں مار کھا کر تباہ و برباد ہوئے اور دوسری طرف فکری میدان میں اپنی ہی جڑیں کاٹنے بیٹھ گئے۔ برطانوی اور یورپی استعمار نے ان کی بنیان مرصوص پر قائم فکری اساس کو کھوکھلا کرنے کے لیے شوشہ چھوڑا کہ قرآن مبین ہے۔ اس کے ساتھ حدیث پر ایمان لازم نہیں۔ یہ تو دو تین سو سال بعد کی پیداوار ہے۔ علمی دنیا میں بھی جھوٹ رواج پاتے ہیں۔ انہی میں ایک یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے جس نے مسلمانان برصغیر کے حدیث نبوی پر ایمان کو متزلزل کر دیا، حالانکہ دوسری تیسری صدی ہجری میں حدیث نبوی کی تدوین عمل میں آتی ہے۔ جب کہ کتابت حدیث کا سلسلہ تو عہد نبوی میں باون صحابہ کرام کے ہاتھوں جاری رہا۔ جیسا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنے مقالے (Studies (Cambridge in Early Hadith Literature اور بعد ازاں، اس کے عربی ترجمہ "دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ" (المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲) میں تاریخی طور پر ثابت کیا ہے۔

کتابتِ حدیث کا تدوین حدیث کے نام پر انکار کر کے، حجیت و اہمیتِ حدیث سے انکار کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر حجیت حدیث کے لیے کتابت حدیث ہی لازم ہے تو تاریخی طور پر اس کا اثبات بہت آسان ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے شاگردان ذی

Marfat.com

شان میں حضرت ابو ہریرہ (۵۸ھ) سے ان کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ (۱۰۱ھ) نے اپنا صحیفہ تیار کیا جو ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کے نام سے مطبوع ہے۔ ان کے شاگرد حضرت معمر بن راشد (۱۵۲ھ) نے اپنی جامع تیار کی جو کہ ''جامع معمر بن راشد'' کے نام سے موجود ہے۔ ان کے شاگرد محدث عبدالرزاق (۲۱۱ھ) نے اپنی ''مصنف عبدالرزاق'' تیار کی جو کہ مطبوع عام ہے۔ ان کے بعد امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے مسند احمد تیار کی جس کے کئی ایک ایڈیشن مارکیٹ میں موجود ہیں۔ بعد ازاں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری (۲۵۶ھ) نے ''صحیح بخاری'' تیار کی جس کی صحت پر امت کے تمام اہل علم متفق ہیں۔ کتابت وتدوین حدیث کے تاریخی تسلسل کے ساتھ سلسلۃ الذہب کی یہ تفصیل ایسے کور چشموں کے لیے واضح دلیل ہے جو صرف تدوینِ حدیث کے دوصدی بعد کے عمل کی بناء پر، کتابتِ حدیث ہی کے منکر ہیں۔

اگر یہ مشہور عام تاریخی مغالطہ دور ہو جائے اور اس کے ساتھ قلب سلیم میں عظمت رسول بیٹھ جائے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت تو لیلھا کنھارھا کے عالی وصف کی حامل ہے تو پھر اغیار کے مقابل، ذہنی مرعوبیت سے نجات مل جاتی ہے جو کہ اس گروہ ''اہل قرآن'' کا بنیادی مسئلہ ہے۔

فکری مرعوبیت کے مارے ہوئے یہ افراد ''ہمارے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے'' کے نعرے کے ساتھ ایمان کے نام پر بے ایمانی کی بات، دین کے نام پر بے دینی کی سُر، عقل کے نام پر بے عقلی کا راگ الاپتے اور تحقیق کے نام پر غیر تحقیقی شوشے چھوڑتے رہتے ہیں۔ حتی کہ قرآن کے نام پر غیر قرآنی افکار کے ساتھ، میدانِ علم وتحقیق میں کھڑے ہونے کی جسارت کرتے ہیں۔

قرآنی فکر کے پرچارک، بزعم خویش ''مفکر قرآن''، قبیل کے دانشور، قران کے اس وصف پر کبھی غور نہیں کرتے ﴿ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا ﴾ قرآن سراسر ہدایت ہونے کے باوصف بعض لوگوں کے ظرف کے باعث ان کے لیے ذریعہ ہدایت نہیں رہتا۔ لیکن اس قران مجید سے ہمیشہ ہدایت پانے کا واحد راستہ ''وان تطیعوہ تھتدوا'' یعنی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی اطاعت سے مشروط ہے'' اہل قرآن'' ہونے کے دعوے داروں کی بدنصیبی یہ ہے کہ قرآن نے جو ہدایت کی راہ دکھائی ہے، جس میں صاحب قرآن

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کی اتباع لازم ہے، یہ اس قرآنی فکر سے بالا ہو کر راہ ہدایت پانے نکلے ہیں۔ ﴿ فماذا بعد الحق الا الضلال ﴾ حق کے بعد تو سراسر گمراہی ہے۔

''القرآنیون'' کا یہ گروہ عقل کے ہاتھوں بھی گمراہی کا شکار ہے۔ اگر صرف ''عقل انسانی'' مشعل راہ ہوسکتی ہے تو پھر خالق عقل کو قرآن، پیغمبر قران علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر دفتروں میں چھوٹے بڑے عہدوں پر کلرکی کرتے کرتے ڈکشنریوں کی مدد سے ''متفکر قرآن'' بن جانا ممکن تھا تو پھر معلم انسانیت کی بعثت کارِ عبث تھی۔ حالانکہ مدبر کائنات حکیم بھی ہے اور ''فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ'' حکیم کا کوئی کام حکمت سے عاری نہیں ہوتا۔

یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جہاں عصر حاضر کے قرآنی فکر کے حامل ہونے کے دعوے دار عقل پرستوں نے ٹھوکر کھائی ہے کہ فکری اور علمی سفر کا آغاز کہاں سے ہوگا؟ اپنی عقل عیار سے، افکار مستعار سے، علم ادھار سے یا نطق نبوت سے تشریح وتوضیح کردہ قرآنی لعل و گوہر سے ﴿ ومایںطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی ﴾ معلم قرآن سے جو کچھ ملے اپنے دل و دماغ میں اسے جگہ دینی چاہئے۔ الہامی افکار کو، دماغِ خانہ خرابہ میں سمو کر، نبوی علم کو دلِ داغدار میں بسا کر، پھر حیاتِ کارساز میں نکلیں ...... تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ کتنا بلند فکرِ سفر آپ طے کر رہے ہیں۔ پھر قتل اور قصاص، سرقہ اور حد سرقہ، حد حرابہ و محاربہ، مرتد کی سزا، حد زنا اور حد قذف جیسی عقوبات قرآنی کے بارے میں، آپ کو خواہ مخواہ عقلی گھوڑے دوڑانے اور علمی طور پر ٹھوکریں کھانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ آپ کا سینہ تصلب کے احساس پر تفاخر و تمکیت سے لبریز ہوگا۔ اپنے دامن میں نبوی جواہرات کی بدولت آپ اغیار کے بالمقابل احساس کمتری کا شکار نہیں ہوگے۔ جو چکھتا ہے مزا وہی پاتا ہے۔ مضبوط ایمان اور مستحکم یقین کے ساتھ، صحیح فکر اور راہ راست پر ہونے کی بدولت، اسلاف کو کبھی بھی ایسے مرعوبیت زدہ ذہن کے ساتھ، اسلام کو پیش کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ جس کے لیے یہ آج کے فکری طور پر مرعوب، علمی طور پر یتیم، مادی طور پر خواہشات کے پجاری مگر قرآنی فکر کے بھکاری کہلانے والے لوگ کر رہے ہیں۔

مکرمی بزرگوارم پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی حفظہ اللہ کو باری تعالیٰ نے خاص اوصاف سے

نوازا ہے۔آپ زرعی گرایجوایٹ ہونے کے بعد، علوم اسلامیہ کے میدان میں آئے ہیں اور خوب میدان مارا ہے۔آپ انتہائی راسخ فی العلم والعمل ہیں۔تحقیق کے ایسے جویا ہیں کہ ''طلوعِ اسلام'' کی مکمل فائل اور بزم وقبیل طلوع اسلام کے مکمل لٹریچر کا مستحضر مطالعہ آپ کی تحریر میں خوب عیاں ہے۔کوئی بات بلا حوالہ نہیں کرتے۔کوئی گرفت بلا دلیل نہیں۔ ملازمت سے فراغت پانے کے بعد جولانیٔ علم تیز تر ہے۔جسمانی طور پر دبلے پتلے ہونے کے باوجود الفاظ وتراکیب کے ایسے دھنی ہیں کہ فریق مخالف کو خوب لتاڑتے اور اس کے تمام ترکس بل نکال کر دم لیتے ہیں۔قابلِ تنقید عبارات وامور میں مخالفین کی تحریف وتلبیس کی بال کی کھال اتارتے ہیں۔یوں احقاق حق اور ابطال باطل کرتے چلے جاتے ہیں۔یہ حق ادا کرنے کی خاطر، آپ نے بزم'' طلوع اسلام'' کی شخصیات کے فکر کا پوسٹ مارٹم کرنے کا فریضہ اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔سرکاری ذمہ داریوں کو خیر باد کہنے کے بعد جناب قاسمی صاحب ہمہ وقتی پروفیسر ثابت ہو رہے ہیں۔ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری کتاب، عین تحقیقی معیار کے مطابق تصنیف فرما رہے ہیں۔(الھم زدفزد)
تحقیقی معیار کے ساتھ گمراہ افراد کی ہدایت کی تڑپ، آپ کی تحریروں میں خوب جھلکتی ہے۔دلی ہمدردی اور خیر خواہی سے لبریز تحریر میں اگر کہیں قلم میں شدت در آتی ہے تو یہ بھی درحقیقت انسانیت کی نجات کی بے قراری کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت ڈالے اور قلم کی جولانیاں برقرار رکھے۔(آمین ثم آمین)

زیرِ نظر کتاب میں، جناب غلام احمد پرویز نے، عقوباتِ قرآنیہ میں، جو انحرافات اختیار کیے ہیں ان کا مصنف کتاب نے خوب جائزہ لیا ہے، طلوعِ اسلام کے برسوں پر پھیلے ہوئے ہزاروں صفحات پر، اور پرویز صاحب کی جملہ کتب پر، ان کی عقابی نگاہ جس قدر حاوی ہے، اس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔محترم جناب ملک نواز احمد اعوان نے، ان کی کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا ارشاد فرمایا ہے کہ ''قاسمی صاحب، دورِ حاضر میں، سب سے بڑے ''ماہر پرویزیات'' ہیں۔کتاب زیرِ نظر میں، انہوں نے بعض مقامات پر، الزامی جوابات کے ذریعہ ''مفکر قرآن'' کی تحریفات کو مسترد کیا ہے اور بعض مقامات پر تحقیقی جوابات کے ذریعہ، خوب اتمامِ حجت کیا ہے۔

Marfat.com

کتاب وسنت میں تفریق وتحریف

''منکرین حدیث وسنت کے انحراف کا بنیادی سبب''

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم أما بعد :

فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم

﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴾ (الانعام : ۳۳)

''ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ کیے دیتی ہیں تو یقیناً یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ وَ مَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ (الانعام : ۳۹)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں (اس کے علاوہ) اندھیرے میں (پڑے ہوئے ہیں) اللہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے راستے پر چلا دے۔''

اللہ تعالیٰ پر ایمان، رسول اللہ ﷺ پر ایمان کو مستلزم ہے، اس لیے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ باہم لازم وملزوم ہیں، اسی طرح قرآن کریم پر ایمان، حدیثِ رسول ﷺ پر ایمان کو مستلزم ہے۔ چنانچہ ایک کے انکار سے دوسرے کا انکار لازم آتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ ایک شخص سنت کا انکار کرے اور قرآن کے انکار سے محفوظ رہ سکے۔

(اعاذنا الله منه) بنا بریں مذکورہ بالا آیتِ مبارک میں نبی ﷺ کی تکذیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا انکار قرار دیا ہے۔ اور مشاہدہ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سنت کے منکر

Marfat.com

قران کے بھی منکر ہوتے ہیں، خواہ اسے تسلیم کریں یا انکار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس شخص نے رسولؐ کی فرمانبرداری کی بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو روگردانی کرے تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔''

فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (آل عمران: ۳۱)

'' (اے پیغمبرؐ! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور اپنے رسول کی اطاعت کو عظیم کامیابی قرار دیا ہے

﴿ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب: ۷۱)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بیشک بڑی کامیابی پائے گا۔''

اللہ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اس مشترک اور باہم مربوط اطاعت کو انسانوں کی تمام چیدہ و برگزیدہ ہستیوں کی رفاقت و محبت کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (النساء: ۶۹)

Marfat.com

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔''

ایک مقام پر واضح الفاظ میں صراحت کر دی کہ رسول معبوث ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ فرمایا

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (النساء: ٦٤)

''اور ہم نے جو پیغمبر بھی بھیجا وہ اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

ایمان لانے اور بجانے لانے میں اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق کرنے کو عین کفر اور رسوا کن عذاب کا باعث قرار دیا۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ﴾ (النساء: ۱۵۰ تا ۱۵۱)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں۔ یقیناً یہی لوگ حقیقتاً کافر ہیں۔ اور اللہ نے کفار کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

کافروں نے اپنے دین اور اپنی شریعت کی بنیاد صرف کتاب اللہ پر نہیں رکھی بلکہ وسیع تر معنی میں اپنی وحی پر رکھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ

Marfat.com

اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو شریعت قرار دیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو تیری طرف وحی کیا ہے۔ اور جس کا مؤکدہ حکم ہم نے ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں فرقے نہ بننا۔''

اور یہ وحی الٰہی، صرف کتاب اللہ تک محدود نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی انبیاء کرام پر نازل کی جاتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء و رسل کے ساتھ اپنے کلام کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾

(شوریٰ: ۵۱)

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس کے ساتھ (براہ راست) کلام کرے مگر وحی کے ذریعے، یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی (فرشتہ) پیامبر بھیجے تو وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو (اللہ) چاہے یقیناً اللہ بلند و بالا، حکمت والا ہے۔''

اس کے متصل بعد اور ان صورتوں کی طرف اشارہ کر کے صراحت کر دی اور فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے تیری طرف بھی اپنے حکم سے ایک روح وحی کی ہے۔''

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کو جو دین دے کر بھیجا گیا وہ وحی الٰہی ہے اور وہ ان تینوں طریقوں پر مشتمل ہے اور قرآن کریم ان میں سے صرف ایک صورت میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا یعنی اسے جبریل علیہ السلام لاتے تھے جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ٥ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴾ (الشعرا: ۱۹۲)

''اور یہ یقیناً یہ کتاب رب العالمین کی نازل کی ہوئی ہے، روح الامین اسے لے کر اترے ہیں، آپ ﷺ کے قلب (اطہر) پر تا کہ آپ ﷺ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔''

اس ایک صورت کے علاوہ وحی الٰہی کی باقی دو صورتیں ان تعلیماتِ الٰہیہ میں پائی جاتی ہیں جو نبی ﷺ کے اقوال و اعمال میں جلوہ گر ہوئی ہیں، عہد نبوی کا مثالی معاشرہ جو خود رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں قائم کیا گیا۔ اس کی بنیادی وحی الٰہی تھی جس کی مختلف صورتیں قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ ﷺ کی ذات گرامی کو اسوۂ حسنہ یعنی مثالی نمونۂ عمل قرار دیا، وہاں اس مثالی معاشرے کے افراد کے ایمان کو بطورِ مثال پیش کیا۔ فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب: ۱۲)

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ (البقرة: ۱۳۷)

''تو اگر وہ بھی ویسے ہی ایمان لائیں جیسے تم (اللہ پر) ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا جائیں۔''

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ اگر ایک طرف یہ حکم دیتا ہے کہ

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ (الاعراف: ۳)

''جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو، اس کے سواء اور رفیقوں کی پیروی مت کرو۔''

تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ یہ حکم بھی دیتا ہے کہ ﴿ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (النور:٦٥)

اگر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ کی اطاعت نہ ہوتی، تو اللہ ہرگز ہرگز آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم نہ دیتا۔ مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ کی اطاعت اور پیروی کا حکم دینے کے بعد ، اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دینا، بجائے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت ، دراصل وحی الٰہی (مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ) ہی کی اطاعت ہے۔ اور رسول ﷺ کے آگے تسلیم وانقیاد کا رویہ اختیار کرنا ہی رحمت الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ پس اطاعتِ رسول (یا سنت و حدیثِ رسول) سے گریز دراصل قرآن اور منزل القرآن (اللہ تعالیٰ) کی اطاعت سے گریز ہے۔ مگر برا ہو حسد، بغض اور جحود عناد کا کہ وہ اپنے جیسے بنی نوع بشر کو رسل اللہ ماننے اور مہبط وحی تسلیم کرنے کی راہ میں ہمیشہ سدراہ رہا۔ اور انسانوں کی ضلالت و ہلاکت کا باعث بنتا رہا۔ کفر نے کئی بھیس بدلے مگر رسل اللہ کا انکار اس میں سرفہرست رہا اور ہے۔

﴿ فَلَمَّا جَائَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُنَ ﴾ (المومن:٨٣)

مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی حیثیت اور بشریت پر بھی اعتراض تھا۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَائَنَا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴾ (الفرقان:٢١)

''اور وہ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے، یقیناً یہ لوگ اپنے بارے میں تکبر کا شکار ہیں اور انہوں نے بڑی سرکشی کی ہے۔''

اور ایسے ہی ان کی ذاتی شخصیت اور معاشرتی مقام پر بھی اعتراض تھا۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴾ (الزخرف:٣١)

Marfat.com

''اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔''

اور مدینہ کے اہل نفاق کے لیے بھی آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ اور منصب نبوت و رسالت ہی ناقابل قبول تھا۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ (النساء: ٦١)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے خود بھی اعراض کرتے (اور دوسروں کو بھی روکتے) ہیں۔''

عصر قدیم میں ابتداءِ اسلام کے بدعتی فرقے قدریہ، خوارج، روافض، نواصب، جہمیہ، معتزلہ اور کرامیہ بھی اسی زعمِ باطل اور پندار علم کا شکار تھے۔ اور فہمِ کتاب اللہ کے لیے لغتِ عرب اور اپنی عقل اور علمی استعداد کو کافی سمجھتے تھے۔ اس طرح وہ لوگ فیضانِ نبوت و رسالت سے محروم رہے بلکہ اس کی تحقیر کے بھی مجرم ٹھہرے۔ اور شقاوت و تیرہ بختی ان کا نصیب ٹھہری اور وہ بالواسطہ قران کی بے شمار صریح آیات کے انکار کے بھی مرتکب ہوئے۔

﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ (الواقعہ: ۸۲)

''اور تمہارا یہی نصیب ہے کہ تم قرآن کو جھٹلاتے ہو۔''

اور عصرِ جدید کے مستشرقین اور ان کی لکیر کے فقیر، منکرین حدیث و سنت اور ان سے متاثر جدت پسند مفکرین بھی اسی غرور میں مبتلا ہیں۔ بنا بریں ہمارے عہد کے بدنام زمانہ، فتنۂ انکارِ حدیث کے علم بردار، فکرِ قران کے دعویدار، مولوی عبداللہ چکڑالوی اور منشی اسلم جیرا جپوری کی گمراہیوں کا تسلسل، مسٹر غلام احمد پرویز کے دماغ میں بھی ان تمام قدیم و جدید بد ترین عقائد و افکار کا ایک بدبودار جوہڑ ابل رہا تھا جس میں ہمیشہ تلاطم برپا رہتا تھا۔ جسے نشر کرنے کے لیے وہ علامہ اقبالؔ کے افکار و تعبیرات کو غلط معنی پہنا کر اور توڑ مروڑ کر کام میں

لاتے اور پاکستان کی ایلیٹ کلاس، جو ایک طرف علامہ مرحوم کے افکار کو اہمیت دیتی اور دوسری طرف مراعات یافتہ ہونے کے ناطے بے عملی، ذہنی آوارگی اور بے راہ روی کا شکار تھی، اس طبقہ میں ان کے افکار کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی اور انہیں اپنی نامبارک تحریک کے لیے ایک معقول سٹیج مل گیا۔ اور اس کے حلقۂ احباب کو اپنی ذہنی آسودگی اور بدعملی کے جواز کے لیے ایک من پسند مفتی اور حل مل گیا۔ اس طرح ان دونوں کی دنیا تو خوب گزری۔ جہاں تک آخرت اور اس پر ایمان کا تعلق ہے، تو یہ ان کے ہاں نقد آور فصل نہیں اور نہ ہی انہیں قریب نظر آتی ہے۔

﴿ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا ۝ ﴾ (المعارج:۶،۷)

"بے شک یہ لوگ عذابِ آخرت کو دور سمجھ رہے ہیں، اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔"

مگر ان لوگوں نے پاکستان کے علمی حلقوں میں خاصے مسائل پیدا کئے۔ اسلامی سزائیں جو مادر و پدر آزادی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، ہمیشہ اس گروہ کا تختۂ مشق رہیں۔

حیرانی ہوتی ہے کہ ان لوگوں کو ہر جگہ اور ہر دور میں ایک ہی مسئلہ درپیش رہا ہے، جو انہیں کسی کروٹ آرام نہیں کرنے دیتا کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، جبکہ خود قرآن کریم نے متعدد ایسے امور پر عمل کی تصدیق و توثیق فرمائی جن کا قرآن میں کہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ خود ان "قرآنیوں" کا بھی قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان کے علمی، عملی، فکری، نظری اور نسلی کسی نسب نامے کا قرآن کریم میں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ معلوم نہیں اس بارے میں ان کا کیا فتوی ہے؟

اگر کوئی امر قرآن میں مذکور ہو مگر ان کی کثیف طبیعت اسے قبول کرنے سے ابا کرتی ہو تو وہ کی من مانی، بے دلیل تاویل میں ذرہ باک محسوس نہیں کرتے۔ دجل و فریب اور تحریف و تاویل کی یہی جنگ تگ و تاز ان کی علمی و فکری معراج ہے۔ اور ان کی تحقیقی کاوشوں کا طرۂ امتیاز۔ اور اسلوب و بیان اور الفاظ و تعبیرات کی جادوگری ان کا سحر سامری ہے۔

اسی لئے ان کا علمی وفکری سلسلہ بھی یہود ونصاریٰ سے ملتا ہے اور انہیں اس پر بجا طور پر فخر بھی ہے۔جس کا انہوں نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر ذکر بھی کیا ہے۔انبیاء ورسل اور ان کے فرامین کی توہین اور کتب سماویہ میں دجل وتحریف، ان کے مابین قدر مشترک ہے۔اور دنیا عقبیٰ میں ان کا انجام بھی ایک ہی ہوگا۔

اللہ بھلا کرے اور جزائے خیر عطا فرمائے محترم پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد ین قاسمی حفظہ اللہ کو کہ انہوں نے اس موضوع کا بڑی سنجیدگی سے مطالعہ کیا، اور خوب کیا، اور کتاب وسنت کی وکالت کا بہترین فریضہ نہایت عمدہ اسلوب میں سرانجام دیا۔اور اس مریضِ فکر و دانش کی علمی وفکری جہالت کو طشت از بام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔اور اہلِ علم و ایمان، مفسرین ومحدثین کے خلاف نشتر زنی کے اس ماہر کی دانستہ خیانتوں کی قلعی کھولی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ یہود ونصاریٰ کے علم کا خوشہ چین، مستشرقین کے دستر خوان کا ذلہ خوار اور اسلام کے خلاف باطنی تحریک کے روح رواں اخوان الصفاء کے افکار کی جوگالی کرنے والا مدعیِ اصلاح، کس قدر اس آیت مبارکہ کا صحیح مصداق ہے۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الانعام:۳۹)

''اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ ظلمتوں میں بہرے گونگے ہو رہے ہیں۔اللہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر چلا دے۔''

''ہر فرعونے راموسیٰ'' کے مصداق، ہر عہد میں انہیں کوئی ''قاسمی'' ملتا ہی رہا ہے۔

مؤلف موصوف نے اپنے آنجہانی مد مقابل کو وہی آئینہ دکھایا ہے جسے دیکھنے کا وہ عادی تھا۔اس کے ساتھ اسی زبان میں بات کی ہے جسے اس کے بے بصیرت ناخلف سمجھتے ہیں۔کاش کہ آج آنجہانی بقیدِ حیات ہوتے اور تخریبِ معاشرہ کے لیے تحریفِ قرآن کی اپنی سعی نامشکور کو ھباءً امنثورا ہوئے دیکھ پاتے۔

مجھے یقین ہے کہ قاسمی صاحب کی یہ قابل قدر مخلصانہ محنت، ایک طرف اہل ایمان کے

Marfat.com

سینوں کو ٹھنڈک مہیا کرے گی۔

﴿ وَ یَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴾ (التوبہ:۱۴)

دوسری طرف تذبذب کا شکار پڑھے لکھے نوجوان طبقے کو نور بصیرت فراہم کرے گی۔ موصوف نے بڑے علمی اور متین اسلوب میں قرآنی حقائق پیش کیے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ

﴿ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴾ (البقرۃ:۱۴۸)

''یہ تیرے رب کی طرف سے حق سچ ہے سو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔''

اور مولیٰ کریم رحمتِ فراواں سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اسے اہل زیغ وضلال کے لیے ذریعہ رشد وہدایت بنا دے۔

﴿ وَ مَنۡ یَّشَاۡ یَجۡعَلۡهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴾ (الانعام:۳۹)

''وہ جسے چاہے سیدھی راہ پر چلا دے۔''

موصوف کا یہ علمی و تحقیقی کارنامہ نہایت وقیع اور جدیت و اخلاص کا مظہر اور ثقہ وامین اہلِ علم کی فاضلانہ ترجمانی ہے۔ اور قرآنِ کریم کی مخلصانہ خدمت۔ جن کے ذریعے مؤلف نے بدنام زمانہ تحریکِ طلوع اسلام کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اور بجا طور پر اہلِ علم کے دماغ میں ایک باوقار مقام پا لیا ہے۔ اور اللہ کے ہاں اجرِ جزیل اس محنت کا اصل حصیلہ وثمرہ ہے۔ ان شاء اللہ۔

بارک اللہ فی علمہ و عملہ و جهده و تقبله منه قبولاً حسنا

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴾

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر

اسلام آباد، نومبر ۲۰۰۷ء

77068

Marfat.com

حرفِ اوّل

عہدِ حاضر کی بدبختی یہ ہے کہ مغرب کی مادی تہذیب کی یلغار، پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ غلامانہ ذہنیتیں تمدنِ غالب کے سانچے میں ڈھل رہی ہیں۔ لوگ مادہ پرستی کی اس یلغار کے سامنے ذہناً مسخر اور عملاً مفتوح ہو چکے ہیں۔ مغرب کی ہر چیز عالی مرتبت قرار پا چکی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں اپنی ہر چیز حقیر و صغیر نظر آتی ہے۔ آسمانِ مغرب سے اترنے والی ہر چیز، وحیِ خداوندی کی طرح حق دکھائی دیتی ہے اور خود اپنی تہذیب کے اصول و مبادی، جن کی بدولت، عرب کے گلہ بان، جہانگیر و جہاندار اور جہاں بان و جہاں آراء بن گئے تھے، گھٹیا اور ادنیٰ نظر آتے ہیں۔ آج احترامِ آدمیت اور تعظیمِ انسانیت کے علمبردار، جو خود اپنی معاشرت میں اس حد تک لونی تعصبات کا شکار ہیں کہ سارے فرائض سیاہ فام افراد کے نام ہیں، اور سارے حقوق سفید فام لوگوں کے لیے ہیں، اپنے رنگ کے سوا کسی اور رنگ کے انسان کو مچھروں اور مکھیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ مادہ پرستی میں ڈوبا ہوا آج ہر انسان، انفرادی سطح پر اور ہر قوم اجتماعی سطح پر، ایسی خود غرضی اور مفاد پرستی کا شکار ہے کہ اسے اپنے سوا کسی اور کا مفاد نظر ہی نہیں آتا، اور یہ خود غرضی اور مفاد پرستی ہر فرد اور ہر قوم کو دوسروں کے خلاف، جارحانہ اقدام پر مجبور کرتی ہے جس کے نتیجہ میں انسانوں کی دنیا، درندوں کے اُس جنگل میں بدل چکی ہے، جس میں ہر طاقتور کمزور کو ہڑپ کر رہا ہے۔ ہر بڑی مچھلی، چھوٹی مچھلی کو نگلے جا رہی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر ستم ظریفی یہ ہے کہ بین الاقوامی معاشرے میں ہمدردی، اُن ضعفاء کے لیے محسوس نہیں کی جاتی جن پر اقویاء کے ہاتھوں بجلیاں گرتی ہیں، بلکہ اُن چیرہ دستوں کے لیے محسوس کی جاتی ہے، جو اپنی قوت کے بل پر اپنے خود غرضانہ عزائم کے تحت ظلم و ستم، سلب و نہب اور جور و جفا کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اگر مجرم، جرمِ قتل کا مرتکب

ہوتا ہے تو اس کی حمایت میں یہ کہا جاتا ہے کہ ’’اس کے قتل سے مقتول تو زندہ نہیں ہوسکتا، لٰہذا مجرم کو قصاص میں قتل کر کے آخر کیوں معاشرے کا ایک اور فرد ضائع کیا جائے، بہتر ہے کہ اسے قتل کی بجائے قید و بند کی سزا دیدی جائے‘‘۔ اگر کوئی مجرم، سرقہ اور ڈکیتی کی وارداتوں کے باعث، پورے معاشرے کا امن تباہ کر ڈالتا ہے اور لوگوں کے مال پر دست درازی کرتا ہے تو تہذیب کے یہ علمبردار، چور ہی کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’وہ تو نفسیاتی مریض ہے، فلہٰذا وہ سزا کا نہیں، بلکہ ہمدردی کا مستحق ہے‘‘۔ رہازنا، تو وہ خیر سے ان کی نگاہ میں کوئی جرم ہی نہیں، بلکہ محض ذریعۂ خوش وقتی (Having A Good Time) ہے، اس پر سزا کیسی؟ یہی وہ تصور ہے جو ہمارے ہاں کے اُن دانشوروں میں شرفِ پذیرائی پا چکا ہے، جن کے وجود تو ہماری قوم میں پیدا ہوئے ہیں، مگر ذہناً وہ فکرِ مغرب کے اسیر ہیں۔ ان کی زبانِ قال اور لسانِ حال، اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ان پر مغرب کی تہذیب، مغرب کے افکار اور مغرب ہی کے طور طریقے حکمران ہیں۔ وہ مغرب ہی کے دماغ سے سوچتے ہیں۔ اس کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی راہوں پر چلتے ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر، یہ مفروضہ ان کے دماغوں پر مسلط ہے کہ حق وہ ہے، جسے مغرب حق سمجھتا ہے اور باطل وہ ہے، جو اس کی نگاہ میں باطل ہے۔ چنانچہ ان کی زبانِ قال اور لسانِ قلم میں سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے، وہ خود اپنی تہذیب کی ناقدری اور مغربی معاشرت کی قدر افزائی پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ اسی قسم کی ذہنیت کے متعلق، اکبر الہ آبادی نے یہ فرمایا ہے کہ

مال وہ ہے جو آئے لندن سے
بات وہ ہے جو ’’پائنیر‘‘ میں چھپے

یہ ممکن ہی نہیں کہ مغرب، اسلام کی جس چیز پر اعتراض کرے، ہمارے یہ دانشور اس اعتراض کی صحت پر ایمان نہ لائیں اور اس کی روشنی میں اسلام کی صالح مدنیت کو چھیل چھال کر، مغرب کی مدنیتِ فاسدہ کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کریں۔ مغرب نے واویلا مچایا کہ

اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں۔اس پر ہمارے غلام فطرت دانشوروں نے کوشش کی کہ اسلامی حدود وتعزیرات کو تاویلات کے خراد پر چڑھا کر اس طرح چھیل چھال کر پیش کیا جائے کہ مغرب کا یہ اعتراض دور ہوجائے۔ پاکستان کے جناب غلام احمد پرویز صاحب، ایسے ہی دانشوروں میں ہیں، جو مغرب کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہوکر، اسلامی تعزیرات کو تختۂ مشق بنا چکے ہیں، چنانچہ اس ضمن میں مغرب کی فکری اسیری کے زیرِ اثر، انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلامی روح سے گریز کیا ہے، بلکہ قرآنی احکام وہدایات کو مسخ وتحریف کا نشانہ بھی بنایا ہے اور رکیک تاویلات کے ذریعہ، خدع وفریب اور قطع وبرید کے اسلحہ سے لیس ہوکر، نظامِ عقوبات کو تہذیبِ مغرب کے لیے قابلِ قبول بنانے کی کوشش کی ہے، اور یہ دُھن ان کے قلب وذہن اور حواس ومشاعر پر اس قدر سوار رہی ہے کہ تحریفِ آیات کے دوران، انہیں یہ مطلق یاد نہ رہا کہ ان کا بدلتا ہوا موقف، ان کے سابقہ نظریات سے ہر آن متصادم اور متضاد واقع ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص، خارجی نظریات اور بیرونی تمدن سے متاثر ہی نہیں، بلکہ مرعوب بھی ہو چکا ہو، اور اپنی بعض مجبوریوں کی بناء پر، قرآن کریم کو کھلے عام چھوڑ دینے کی اخلاقی جرأت سے بھی محروم ہو، تو پھر وہ اپنے ذہنی معتقدات اور قرآنی افکار میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کاوشوں میں طرح طرح کی سخن سازی اور لفظی بازیگری میں جت جایا کرتا ہے۔ٹھیک یہی وہ کیفیت ہے جس میں، ہم نے ''مفکرِ قرآن'' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کو پایا ہے۔تہذیبِ مغرب کی ذہنی غلامی اور نظامِ اشتراکیت کی فکری اسیری میں، مبتلا ہو کر، انہوں نے جس طرح، قرآنِ کریم کو، اپنی رکیک تاویلات کا نشانہ بنایا ہے، وہ ہر اس شخص پر بے نقاب ہے، جس نے ان کے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے۔مغرب کے مقابلہ میں، مرعوبانہ ذہنیت کے ساتھ، جو کچھ انہوں نے قرآنِ کریم سے کشید کر ڈالا ہے، وہ سب کا سب، بغیر کسی قرآن کے، مغرب کی فاسد معاشرت میں پہلے ہی سے موجود ہے۔اور یہی، نقالیٔ مغرب کا طرزِ عمل، ''مفکرِ قرآن'' اور اس قماش کے دوسرے ''دانشوروں'' کی ذہنی غلامی کا ٹھوس اور منہ بولتا ثبوت ہے۔فرنگی معاشرتِ

Marfat.com

فاسدہ کے جملہ اجزاء کے ساتھ، کارل مارکس کی اشتراکیت، اور ڈارون کے غیر ثابت شدہ بلکہ ناقابلِ اثبات نظریۂ ارتقاء کو، قرآن کریم کے متفرق مقامات کی آیات کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ جاڑ کر، کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ لے کر، بھان متی کا جو کنبہ، جس طرح تشکیل دیا گیا ہے، اس طرح، آخر وہ کون سا باطل نظریہ ہے، جسے قرآن سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ غلام فطرت لوگوں کا ہمیشہ یہی رویہ رہا ہے کہ وقت کی غالب تہذیب سے مفتوح و مسخر ہوتے ہوئے، ہر باطل کو، حق کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ محض اتفاق ہے کہ آج کے دور میں سفید فام لوگوں کی تہذیب کو استیلاء و غلبہ حاصل ہے، اور جلد کی سفیدی معیارِ حسن قرار پا گئی ہے۔ اگر افریقہ کے حبشی، کل، برسرِ عروج و ارتقاء ہو جائیں، تو ہمارے یہ غلام طینت، ''مفکر'' اور ''دانشور'' ان کی زلفِ گرہ کے اسیر بن جائیں گے۔ اپنے چہروں کو سیاہ کرنے کے لیے کالک ملیں گے۔ بالوں کو گھنگھریالے بنائیں گے، ہونٹ موٹے کریں گے، اس وقت یہی خدوخال، ''معیارِ حسن'' قرار پائیں گے۔ اور ان کی تہذیب کی نقالی، پر یہ فخر کریں گے۔ اور اپنی ہر قدر کو بدل کر حبشی تہذیب کے مطابق بنانے میں جت جائیں گے اور حبشی معاشرت کے جملہ لوازمات کو اسی طرح قرآن کے جعلی پرمٹ پر، درآمد کریں گے، جس طرح آج ''مفکرِ قرآن'' نے فرنگی معاشرت، کارل مارکس جیسے یہودی کی ساختہ و پرداختہ اشتراکیت کو درآمد، کر ڈالا ہے۔

اگرچہ میں نے، پرویز صاحب کے پورے فکری سرمائے کا جائزہ لے کر، اس کے کھوٹ کو، اپنے لٹریچر میں واضح کر دیا ہے، تاہم زیرِ نظر کتاب میں، میں نے ''عقوباتِ قرآن'' کی حد تک محدود رہ کر ہی کام کیا ہے۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ ''مفکرِ قرآن'' صاحب، قصاص، سرقہ، حرابہ، ارتداد، زنا اور قذف کی حدود پر بحث کرتے ہوئے، تصریفِ آیات کی آڑ میں، تحریفِ آیات کے کیا کرشمے دکھاتے رہے ہیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب اوّل

قتل اور قصاص

عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ سے لے کر اب تک، جرمِ قتل میں قصاص کا متفق علیہ معنی ومفہوم یہ رہا ہے کہ مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے، جو خود اس نے ارتکابِ جرم کرتے ہوئے اختیار کیا تھا، یعنی اگر مجرم نے قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں، خود اسے قتل کر دیا جائے۔ اگر اس نے دانت توڑا ہے، تو خود اس کا دانت توڑ دیا جائے۔ اگر اس نے زخم لگایا ہے، تو زخم کے برابر خود اسے زخم لگایا جائے۔ البتہ اگر یہ ناممکن ہو کہ مجرم کو بقدرِ جرم ویسی ہی سزا دی جا سکے تو پھر خوں بہا (دیت) کا معاملہ طے کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ الغرض، مجرم کے جرم کی مثل سزا دینا، قصاص کہلاتا ہے، لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' نے قصاص کا مفہوم یکسر بدل ڈالا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> قصاص: اس کے معنی جرم کی سزا دینا نہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ وہ بلا گرفت نہ رہ جائے یعنی قرآنی نظام میں کسی جرم کو (Untraced) نہیں رہنا چاہیے۔ وہ اس قسم کے محکم نظامِ تفتیش میں، حیات اجتماعیہ کا راز بتاتا ہے ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب (۲/۱۷۸) [1]

صدر ضیاء الحق مرحوم کے عہد حکومت کے ''مسودۂ قوانین متعلقہ قصاص پر تبصرہ'' کے زیر عنوان، لفظ قصاص کے تحت یہ عبارت لکھی گئی ہے۔

> قصاص: ان قوانین کا بنیادی نکتہ لفظ قصاص ہے مسودہ میں قصاص کا مفہوم ان الفاظ میں دیا گیا ہے ---قصاص سے مراد ہے مجرم کے جسم پر اس جگہ اس قسم کی ضرب لگا کر سزا دینا جیسی ضرب اس نے مضروب کے جسم کے اس حصے پر لگائی تھی

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ [illegible]

Marfat.com

یا اگر مجرم نے قتلِ عمد کا ارتکاب کیا تھا تو ولی یا اولیاء کا حق، استعمال کرتے ہوئے، مجرم کو بطورِ سزا ہلاک کرنا --- اس مفہوم میں کئی ایک اسقام ہیں۔ [۱]

چنانچہ اس کے بعد ان اسقام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ''پہلا سقم'' یوں بیان کیا گیا ہے۔

قصاص کسی سزا کا نام نہیں، اس لفظ کے بنیادی معنی ''کسی کا پیچھا کرنے'' کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ ملزم کا اس طرح پیچھا کیا جائے کہ وہ مؤاخذہ سے بچ نہ سکے۔ مؤاخذہ کے بعد اگر وہ مجرم ثابت ہو تو اسے جرم کے مطابق سزا دی جائے، اگر جرم ثابت نہ ہو تو اسے بری قرار دے دیا جائے۔ [۲]

حقیقت یہ ہے کہ قصاص کا جو مفہوم خود ''مفکر قرآن'' نے بیان کیا ہے وہ بجائے خود سراپا سقم ہے۔ قصاص کا اصل مفہوم وہی ہے جو مسودۂ قوانینِ قصاص میں مذکور ہے، علامہ ابن منظور، لسان العرب، میں قصاص کی وضاحت یوں فرماتے ہیں

والقِصاص والقِصاصآء والقُصاصآء: القود وهو القتل بالقتل او الجرح بالجرح [۳]

قِصاص، قِصَاصَآءُ اور قُصَاصَاء، سب کا مفہوم بدلہ ہے یعنی قتل کا بدلہ قتل اور زخم کا بدلہ زخم۔

ایک اور کتابِ لغت میں، قصاص، کا مفہوم بایں الفاظ درج کیا گیا ہے۔

(القصاص) ان یوقع علی الجانی مثل ماجنیٰ، النفس بالنفس والجرح بالجرح [۴]

قصاص یہ ہے کہ مجرم پر وہی اور اتنی ہی چیز کو واقع کیا جائے جیسی اور جتنی اس کی جنایت تھی، جان کے بدلہ جان اور چوٹ کے بدلہ چوٹ۔

---

۱ + ۲ طلوع اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ٦
۳ لسان العرب، جلد ۷، صفحہ ۷٦
۴ المعجم الوسیط، جلد ۲، صفحہ ۷۴۰

جملہ کتبِ لغات میں، قصاص ،کا یہی مفہوم مذکور ہے ۔اثباتِ مدعا اور توضیحِ مقصد کے لیے صرف انہی دو کتب کے حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دریائے خوں بہانے سے،اے چشم !فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں،اگر کچھ اثر کریں

حقیقت یہ ہے کہ قصاص کا معنی کوئی ''محکم نظامِ تفتیش''نہیں ہے بلکہ یہ سزا ہی کا نام ہے جو مجرم کو اس کے جرم کی مثل دی جاتی ہے، جبکہ ''مفکر قرآن'' فرماتے ہیں کہ 'قصاص کسی سزا کا نام ہی نہیں ہے'' بلکہ مجرم کا محض ''پیچھا کرنا'' ہے، گویا اگر وہ تعاقب کے باوجود پکڑا نہ گیا تو اس کا یہ ''تعاقب کرنا اور یہ پیچھا کرنا'' ہی قصاص قرار پائے گا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لغوی تحقیق یا لغوی تحریف؟...... ''مفکر قرآن'' جس چیز کو لغوی تحقیق کے طور پر پیش کیا کرتے تھے وہ دراصل لغوی تحریف ہوتی تھی ۔اپنی لغوی تحقیق کے دوران، وہ اس امر کا مطلق لحاظ نہیں رکھا کرتے تھے کہ اصل لفظ کیا ہے؟ اس کے حرکات و اعراب کیا ہیں؟ افعال کے کس باب سے اس کا تعلق ہے؟ اور متعلقہ باب کی خاصیت کیا ہے؟ ان سب باتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، وہ بنیادی معنی کی آڑ میں، اصل مفہوم سے سرک کر، اپنے خود ساختہ معنی اس میں ٹھونس دیا کرتے تھے۔ مثلاً اسی لفظ، قصاص، کو لیجئے ۔وہ اس لفظ کے بنیادی معنی ''کسی کا پیچھا کرنا'' بتاتے ہیں، حالانکہ یہ معنی لفظ قصاص کا نہیں بلکہ قَصٌّ کا ہے جو ثلاثی مجرد کے افعال میں سے ایک مصدر ہے اور جس کا ماضی و مضارع، باب (ن) یعنی نَصَرَ یَنْصُرُ کے وزن پر آتا ہے۔ قَصَّ یَقُصُّ کا مصدر، قَصٌّ بھی ہے اور قَصَص بھی ہے۔ اگر اس فعل کے بعد علی کا حرفِ جار ہو،تو معنی ''قصہ بیان کرنا'' ہوں گے، جیسا کہ قرآن میں قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ (اس سے احوال بیان کیا) اس کی واضح مثال ہے،لیکن اگر علی کے بغیر یہ لفظ آئے تو پھر اس کے معنی ہوں گے ''نقش قدم پر چلنا، پیروی کرنا، نشان قدم تلاش کرنا''۔اسی معنی میں اِمِ موسیٰ نے اُختِ موسیٰ سے کہا تھا قَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ (اس نے اس کی بہن سے

Marfat.com

کہااس کا پیچھا کرو)۔ ''نشانِ قدم کو تلاش کرنے'' کے مفہوم میں یا ''نقشِ قدم پر چلنے'' کے معنی میں، قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں فَارْتَدَّا عَلٰی اٰثَارِ هِمَا قَصَصًا (پھر وہ الٹے پھرے اپنے نشانات قدم پر)۔

بنیادی معنی کے لحاظ سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ قصہ بیان کرنے والا بھی ویسا ہی بیان کرتا ہے جیسا واقعہ ہوتا ہے گویا وہ اصل واقعہ کی پیروی، اپنے بیان و الفاظ میں کرتا ہے اور قصاص میں بدلہ اور مکافات کے اعتبار سے، مجرم کے اُسی عمل کی پیروی ہوتی ہے جو اس نے خود، ارتکابِ جرم کے دوران کیا تھا۔ القص اور القصاص میں جو معنوی تقارب پایا جاتا ہے، اسے امام راغب نے مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

القص تتبع الاثر یقال قصصت اثرہ والقصص الاثر [1]

قص نشان (قدم) کی پیروی کو کہتے ہیں اور قصصت اثرہ کے معنی ہیں ''میں اس کے نقش قدم پر چلا'' اور القصص 'نقوشِ قدم'' کو کہتے ہیں۔

آگے چل کر وہ قصاص کی وضاحت بایں الفاظ کرتے ہیں۔

والقصاص تتبع الدم بالقود [2]

اور قصاص، بدلہ لیتے ہوئے خون کا تعاقب کرنا ہے۔

''مفکر قرآن'' کی چابک دستی ملاحظہ فرمایئے کہ وہ بنیادی معنی ''کسی کا پیچھا کرنا'' (جو اصلاً ثلاثی مجرد سے متعلق مصدر قص اور قصص کا معنی ہے) کو تو ثلاثی مجرد کے مصدر سے لیتے ہیں مگر اسے درج کرتے ہیں ثلاثی مزید فیہ کے مصدر قصاص کے تحت، جو باب مفاعلۃ کے وزن، فعال پر آیا ہے، حالانکہ تغیرِ باب سے معنی میں بھی تغیر واقع ہوجاتا ہے اور اعراب اور تعدادِ حروفِ ابجد میں بھی تغیر بلکہ اضافہ ہوجاتا ہے، عربی زبان اتنی حساس اور نازک زبان ہے کہ اس میں زیر یا زبر کی تبدیلی بھی معانیٔ الفاظ میں فرق پیدا کردیتی ہے، خود پرویز صاحب لکھتے ہیں۔

---

[1] + [2] المفردات للراغب، صفحہ ۴۰۴

عربی زبان میں زیرزبر یعنی اعراب کے فرق سے، الفاظ کے معانی میں زمین وآسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ [۱]

نقاط اور اعراب کے فرق سے معانی میں جس قدر فرق پڑتا ہے عربی دان حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔ [۲]

عربی دان حضرات واقف ہوں یا نہ ہوں، مگر پرویز صاحب اس واقفیت کے باوجود بھی، محض جہالت کی بناء پر یا شرارت کی بناء پر، ثلاثی مجرد کے افعال اور ثلاثی مزید فیہ کے افعال میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں اور اول الذکر کے معانی کو، موخر الذکر کے الفاظ میں گھسیڑ دیتے ہیں، اور تبدیلیٔ حروف واعراب کے باوجود، اپنے مدعائے مطلوب کو پالینے کی دھن میں، انہیں، معانی میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

مفہومِ قصاص - آج اور کل......قرآنی الفاظ تو بہر حال چودہ سو سال سے وہی ہیں، لیکن ان الفاظ کا مفہوم ''مفکر قرآن'' کی فضاءِ دماغی میں اٹھنے والی ہر لہر کے ساتھ، بدلتا رہا ہے۔ آج وہ یہ فرماتے ہیں کہ

قصاص کسی سزا کا نام نہیں ...... اصطلاحی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کا اس طرح پیچھا کیا جائے کہ وہ مواخذہ سے نہ بچ جائے۔ [۳]

جبکہ کل تک وہ آیتِ قصاص کی وضاحت کرتے ہوئے، یہ کہا کرتے تھے کہ

قانونِ قصاص کی رو سے قتل کا بدلہ قتل ہے۔ [۴]

مسودۂ قانونِ قصاص کا ''دوسرا سقم'' اور بے جا بدگمانی......مسودہ قانونِ قصاص میں ''دوسرا سقم'' بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

(ب) قصاص کا جو مفہوم مسودہ میں بیان کیا گیا ہے (کہ مجرم کے جسم پر اس جگہ

---

۱ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۵۹ء، صفحہ ۳۷

۲ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۸ء، صفحہ ۳۴

۳ طلوع اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۶

۴ معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰ + من ویزداں، صفحہ ۱۴۹

Marfat.com

اسی قسم کی ضرب لگا کر سزا دینا جیسی ضرب اس نے مضروب کے جسم کے اس حصہ پر لگائی) اس سے سزا کی بعض ایسی شکلوں کا تصور سامنے آتا ہے جس کے اظہار سے قلم رکتا ہے۔ ؎۱

قصاص کا مفہوم صرف یہ ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ مجرم کے ساتھ وہ کچھ کیا جائے جو خود اس نے ارتکابِ قتل یا کسی عضو پر زخم لگانے کی صورت میں کیا تھا۔ یہی بات متذکرہ مسودہ 'قانونِ قصاص میں کہی گئی ہے۔ اب اس سادہ سے جملہ سے، ایسی شکلوں کا تصور، ذہن میں لے آنا جن کے اظہار سے قلم رکتا ہے، خود ذہنی گندگی کا پتہ دیتا ہے۔ آخر یہ بات کس نے کہی ہے کہ مجرم نے اگر کسی خاتون کو جرمِ زنا کا نشانہ بنا کر قتل کیا ہے تو مجرم کو بھی زنا کا نشانہ بنا کر قتل کیا جائے، یا مجرم کے غیر شائستہ طریقۂ جرم کی پاداش میں، ویسا ہی غیر اخلاقی اندازِ سزا، اس کے ساتھ اپنایا جائے۔ مسودۂ قانون میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا تعلق صرف قتلِ نفس اور جراحتِ اعضاءِ جسم کے ساتھ ہے۔

والجروح قصاص کی بھونڈی تاویل...... آگے چل کر وہ قتل النفس بالنفس کے حکم کو توامتِ مسلمہ کے لیے قبول کرتے ہیں، لیکن والجروح قصاص کی تفصیل کو، یہود کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔

مسودہ میں یہ تصور، درحقیقت، اس قانون سے لیا گیا ہے جو یہودیوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا یعنی وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (۵/۴۵) ''اور ہم نے یہودیوں کے لیے تورات میں یہ حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا مناسب قصاص''۔

ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے جرمِ قتل کی سزا کے طور پر، جان کے بدلے جان کا حکم

؎۱ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۸۱، صفحہ ۷

Marfat.com

دیا ہے۔ باقی (آنکھ کے بدلے آنکھ وغیرہ کا) حکم کہیں نہیں دیا گیا۔ وہ یہودیوں کے لیے مخصوص تھا، اس لیے مجرم کے جسم پر اس جگہ اسی قسم کی ضرب لگا کر سزا دینا جیسی ضرب اس نے مضروب کے جسم کے اس حصے پر لگائی تھی، قرآنی حکم نہیں ہے۔ [۱]

''مفکر قرآن'' کی اس بھونڈی تاویل کے مطابق یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک

(۱) جراحتِ اعضاء کے قصاص کا حکم، یہود کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور مسلمانوں نے یہ حکم یہود ہی سے اخذ کیا ہے۔

(۲) سورۃ مائدہ کی اس آیت میں قتل النفس بالنفس کے علاوہ، قصاصِ جروح کے جملہ احکام یہود ہی کے لیے مخصوص و مقرر ہیں۔

(۳) زخموں کے قصاص کا حکم، اگرچہ مذکور فی القرآن ہے، مگر وہ قرآنی حکم، امتِ مسلمہ کے لیے نہیں ہے۔

جہاں تک امرِ اول کا تعلق ہے (کہ مسودۂ قصاصِ جروح کا قانون، یہودیوں سے ماخوذ ہے) ''مفکر قرآن'' کی کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے۔ یہ قانون، یہود کے ہاں سے نہیں، بلکہ قرآن کریم ہی کی درجِ ذیل آیات سے ماخوذ ہے۔

(۱)..... ﴿ وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (الشوری – ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اس کے برابر برائی ہے۔

(۲)..... ﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهٖ ﴾ (النحل – ۱۲۶)

اور اگر تم تکلیف دو تو اسی تکلیف کے مثل تکلیف دو جو تمہیں دی گئی ہے۔

(۳)..... ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُم ﴾ (البقرہ – ۱۹۴)

پس جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس پر، اسی زیادتی کے مثل، زیادتی کر لو، جو تم

---

[۱] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۷

Marfat.com

پر کی گئی۔

یہ تینوں آیات، امتِ مسلمہ کے حق میں، قصاصِ جروح کی بنیاد ہیں، جس کی توضیح وتفصیل اس آیت میں ہے، جسے ''مفکر قرآن'' نے یہود سے خاص کر ڈالا ہے، حالانکہ کلام الٰہی میں مندرجہ بالا تین آیات کی موجودگی میں، اس تاویلِ فاسد کی گنجائش نہیں ہے۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہؓ نے دیا تھا۔

ان سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا، وہی کافر، وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ نعم الاخوة لکم بنواسرائیل ان کانت لھم کل مرة ولکم کل حلوة کلاوالله لتسلکن طریقھم قدر الشراك ''کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لیے یہ بنی اسرئیل، کہ کڑوا کڑوا سب ان کے لیے ہے، اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لیے، ہرگز نہیں، خدا کی قسم، تم ان ہی کے طریقہ پر قدم بقدم چلو گے''۔ [۱]

''مفکر قرآن'' کی یہ عادت ہے کہ جو چیز، ان کے تصوّرات ونظریات کے منافی ہو، اسے وہ غیروں سے ماخوذ قرار دیتے ہیں، خواہ وہ قرآن ہی میں مذکور کیوں نہ ہو، حالانکہ وہ خود پوری اشتراکیت کو کارل مارکس جیسے ملحد اور سکہ بند یہودی سے لے کر، قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کرتے رہے ہیں۔ اگر شراب کی بوتل پر، آبِ زمزم کا لیبل لگا دینے سے، اس کی ماہیت وحقیقت نہیں بدل سکتی، تو اشتراکیت پر نظام ربوبیت کا لیبل چسپاں کر ڈالنے سے، اس کی قلبِ ماہیت کیسے ہو جائے گی؟

پھر یہ بھی کیا طرفہ تماشا ہے کہ جب چاہا کسی قرآنی حکم کو، کسی گذشتہ آسمانی شریعت سے مخصوص کر ڈالا اور جب چاہا کسی سابقہ شریعت سے تصاویر اور مجسمہ سازی کے فن کا جواز

[۱] تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۴۷۶

Marfat.com

نچوڑ ڈالا۔

حقیقت یہ ہے کہ قانونِ قصاص کے مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآنی آیات کے مفاہیم کو جس طرح مسخ و تحریف کا نشانہ بنایا گیا ہے وہ اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ پرویز صاحب کس طرح تصریفِ آیات کی آڑ، میں تحریفِ آیات کیا کرتے تھے۔

سورۃ البقرۃ کی آیتِ قصاص اور اولیاءِ مقتول کے سہ گونہ اختیارات ......

سورۃ البقرہ کی آیتِ قصاص، اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ

(۱) قتل عمد میں قصاص (یعنی جان کے بدلہ جان) کے علاوہ، ورثائے مقتول کو بالکل معاف کر دینے یا کم از کم دیت کا معاملہ کرنے کا بھی اختیار ہے۔

(۲) قتل عمد کا جرم، اپنے اندر حق اللہ (یا حق معاشرہ) سے کہیں زیادہ، حقِ افراد کا پہلو رکھتا ہے۔ اسی لیے اولیاءِ مقتول کو تین اختیارات دیئے گئے ہیں۔ وہ چاہیں تو (۱) اپنے مقتول کے بدلہ میں قاتل کو قصاص میں قتل کروا دیں (۲) قاتل کو مکمل طور پر معاف کر دیں (۳) مجرم سے دیت کا معاملہ طے کر لیں۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ﴾ (البقرہ – ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر در بارۂ مقتولین، قصاص لازم کیا گیا۔ آزاد مقتول کے بدلہ میں آزاد قاتل، اور غلام مقتول کے بدلے غلام قاتل اور مقتولہ عورت کے بدلے قاتلہ عورت۔ پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے دستور کے مطابق اچھے طریقہ سے ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور رحمت ہے۔

اس آیت میں سراسر قتل عمد ہی کا ذکر ہے، قتل خطا کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ قصاص

Marfat.com

کا قانون بیان کرنے کے فوراً بعد ہی معاف کر دینے اور پھر اس کے نتیجے میں جو قرار داد بھی فریقین (قاتل اور مقتول پارٹی) میں طے پا جائے، اس کی دستور کے مطابق پیروی کرنے کا حکم ہے اور اگر معاملہ مکمل معافی کی بجائے، دیت (خون بہا) کے لین دین پر طے ہو جائے، تو اسے بطریقِ احسن ادا کرنے کا حکم ہے۔

قتلِ عمد سے متعلق اس آیت کے نزول کے وقت تک، قتل خطا کی سورۃ النسآء والی آیت نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ موخر الذکر آیت اس آیت کے سالہا سال بعد نہ سہی، بہرحال، کئی مہینوں بعد ضرور نازل ہوئی تھی۔ اب کئی ماہ بعد نازل ہونے والی آیت میں سے، دیت کا وہ حکم جو قتل خطا کے بارے میں ہے، اسے لا کر سورۃ البقرہ کی آیت میں اس طرح لا گھسیڑنا کہ قتل عمد میں مذکور دیت کو ختم کر کے، اسے قتل خطا کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے، ایک بدترین تحریفِ قرآن ہے، حالانکہ قتلِ عمد میں دیت کا الگ ذکر ہے اور قتلِ خطا میں الگ ذکر ہے۔ قتلِ عمد میں انکارِ دیت کا محرک، اس کے سوا کچھ نہیں کہ "مفکر قرآن" کو آج کی غالب تہذیب وثقافت میں، خون بہا جیسی کوئی چیز نہیں ملتی ہے اور خود ہمارے ملک کے غلام فطرت حکمرانوں نے بھی، ابھی تک انگریزی قانون ہی کو اپنا رکھا ہے۔ اب ہمارے "مفکر قرآن" اور دیگر دانشوروں کی کوشش یہ ہے کہ اسلام کے نظامِ تعزیرات وعقوبات کو چھیل چھال کر، تصریفِ آیات کے نام پر تحریفِ آیات کا بازار گرم کر کے، معیارِ مغرب کے مطابق کر دیا جائے، ورنہ اگر اس آیت کا سیدھا سادا ترجمہ کیا جائے تو قصاص، عفو اور دیت کے سہ گونہ اختیارات، اولیاء مقتول کے لیے صراحتاً ثابت ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ "مفکر قرآن" کے اپنے قلم سے کیا ہوا ترجمہ بھی، یہی کچھ ثابت کر ڈالتا ہے، چنانچہ وہ "شریعت میں خدا کی طرف سے آسانیاں رحمت ہیں" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ:

> پھر شریعت میں آسانیاں مل جانا، جن سے قوانین ممکن العمل ہو جائیں، رحمتِ خداوندی ہے، مثلاً قانونِ قصاص کی رو سے قتل کا بدلہ قتل ہے، لیکن ساتھ ہی فرمایا
>
> فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان

ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ لیکن اگر (قاتل کو) اس کے بھائی (مدعی) کی طرف سے معافی مل جائے تو اس کے لیے معقول طریقہ پر خوں بہا کا مطالبہ ہے اور قاتل کے لیے خوبی کے ساتھ اس کا ادا کر دینا ہے، یہ (قانون عفو و دیت) تمہارے پروردگار کی طرف سے سختیوں کا کم کر دینا اور ترحم (خسروانہ) ہے۔ [1]

معارف القرآن جلد اول کو جب ''مفکر قرآن'' نے نظر ثانی کے بعد، ''من و یزداں'' کے نام سے شائع کیا تو بالکل یہی عبارت، اس کے صفحہ ۱۴۹ پر بھی موجود و برقرار رہی۔ اب ہر شخص پرویز صاحب ہی کے ترجمہ میں یہ دیکھ سکتا ہے کہ خود انہوں نے بھی، مدعی (ورثاء مقتول) کے لیے قانونِ دیت وعفو کو تسلیم کیا ہے، نیز یہ کہ قصاص کو بھی، بایں معنیٰ تسلیم کیا ہے کہ ''قتل کا بدلہ قتل ہے''۔

لیکن حیرت بالائے حیرت یہ کہ جب پرویز صاحب اپنے ''مفکرانہ انداز'' میں، اسی قرآنی آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں تو اس طرح کہ الفاظ کی بھرمار میں حقیقت منہ چھپائے پھرتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے آیت (۲/۱۷۸) جو صرف ستاون (۵۷) قرآنی الفاظ پر مشتمل ہے، جبکہ اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے تقریباً تین سو اسی (۳۸۰) الفاظ کا مسرفانہ استعمال کیا گیا ہے، اور اس پر دعویٰ یہ بھی کہ قرآن اپنے مفہوم کو خود واضح کرنے والا (Self Explanatry) ہے۔

> یاد رکھو! جس اصول کے مطابق مستبد قوم سے اجتماعی طور پر جنگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے (یعنی حقوقِ انسانیت کے تحفظ کی خاطر) اسی اصول پر اپنے معاشرہ میں انفرادی طور پر جرم قتل کی سزا دینی بھی ضروری قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی کی جان محفوظ نہیں رہ سکتی اور انسانی جان کی قیمت بہت بڑی ہے (۵/۳۲) لہٰذا اس باب میں قانون یہ مقرر کیا جاتا ہے کہ قاتل کو معاشرہ کی طرف سے

---

[1] معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰

Marfat.com

سزا ضرور دی جائے (یعنی اسے خود معاشرہ یا نظام کے خلاف جرم سمجھا جائے، افراد متعلقہ کے خلاف نہیں)۔

سزا کے سلسلہ میں عدل و مساوات کے بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے یعنی اسمیں بڑے اور چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ سوال مقتول یا قاتل کی پوزیشن کا نہیں، اصل سوال تقاضاءِ عدل کا ہے جس کی رو سے ہر انسانی جان یکساں قیمت رکھتی ہے (مثلاً) اگر قاتل آزاد مرد ہے تو وہی آزاد مرد سزا پائے گا، اگر قاتل غلام ہے تو اسی غلام کو سزا دی جائیگی اور اگر وہ عورت ہے تو اس کا عورت ہونا، اسے سزا سے نہیں بچا سکے گا، اسے بھی سزا بھگتنی پڑے گی۔

جرم کی دو صورتیں ہیں قتل بالارادہ (قتل عمد) یا سہوا (نادانستہ) اول الذکر کی صورت میں سزائے موت ہے (زر فدیہ نہیں) یا جرم کی نوعیت کے لحاظ سے انتہائی سزا سے کم تر کوئی اور سزا (۴/۹۳) لیکن سزا کو جرم کی حد سے بڑھ کر نہیں جانا چاہیے (۴۲/۴۰ ، ۱۷/۳۳)۔

لیکن اگر جرم عمداً نہیں کیا گیا، یونہی سہواً ہو گیا ہے تو اس صورت میں (۴/۹۲) کے مطابق دیت (معاوضہ) کی سزا دی جائے گی۔ اس دیت کی رقم سے، اگر مقتول کا وارث برضا و رغبت اگر کچھ چھوڑنا چاہے تو اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے، (۱۷/۳۳) اس صورت میں مجرم کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ طے ہو گیا ہے، اس کی پابندی کرے اور حسن کارانہ انداز سے اس کی ادائیگی کرے (قتل خطا کی سزا مقرر کرنے میں) تمہارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے، قانون میں رعایت رکھ دی گئی ہے تا کہ اس سے تم سب کی صلاحیتیں نشو و نما پاتی رہیں۔

لیکن جو شخص اس طرح معاملہ طے ہو جانے کے بعد زیادتی کرے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ [1]

---

[1] مفہوم القرآن (۲/۱۷۸)، صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۶۶

Marfat.com

آیتِ قصاص کا یہ مفہوم، ایک طرف ''مفکر قرآن'' کی محرفانہ جسارتوں کا واضح ثبوت ہے اور دوسری طرف ان کی ژولیدہ فکری کا بھی غماز ہے جس کی بناء پر آیت (۱۷/۳۳) کے حوالہ سے ''مفکر قرآن'' نے جو خلط مبحث کیا ہے اس نے دو الجھنیں اور پیدا کر دی ہیں۔

اولاً یہ کہ ----- یہاں دیت میں سے برضا و رغبت کچھ معاف کر دینے کا اختیار مقتول کے ورثاء کو دیا گیا ہے، جبکہ آیت (۱۷/۳۳) کے تحت، اسے نظام معاشرہ کا اختیار قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے، یہ عبارت۔

> مقتول کے وارثوں کے لیے ہم نے نظام خداوندی (اسلامی معاشرہ) کو، صاحبِ غلبہ و اختیار بنایا ہے اس لیے یہ نظام، خود وارثوں کے لیے پشت پناہ بنے گا۔ [1]

ثانیاً یہ کہ ----- آیت (۱۷/۳۳) میں جو قتل مذکور ہے وہ قتلِ عمد ہے۔ لیکن ''مفکر قرآن'' اس کا حوالہ گھسیٹ کر یہاں قتلِ خطا کے ضمن میں پیش کر رہے ہیں۔ اب اس پر ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

شاباش! ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

خود سوچئے! پرویز صاحب کا سادا ترجمہ بھی آپ دیکھ چکے ہیں جس میں قتلِ عمد میں مقتول پارٹی کو، قتل النفس بالنفس یا مکمل عفو یا دیت کا سہ گونہ اختیار دیا گیا ہے، لیکن سورۃ البقرہ کی آیت قصاص میں صرف اور صرف قتلِ عمد کا ذکر ہے، قتلِ خطا سے اس کو دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' اولاً تو، مفہومِ آیت میں خواہ مخواہ قتلِ خطا کی آیت اور اس کے احکام کو گھسیٹ لاتے ہیں۔ ثانیاً سزائے موت کو قتلِ عمد میں طے کر کے گویا انہوں نے یہ مان لیا ہے کہ قصاص کا معنیٰ ''جان کا بدلہ جان'' ہی ہے۔ ہمیں اس سے خوشی ہوئی کہ چلو غفلت ہی میں سہی، وہ حقیقت کے قریب تو پہنچ ہی گئے ہیں، البتہ اس طرح قتلِ عمد میں سزاءِ موت کو قصاص قرار دینے کے بعد، ان کے اس قول کی کیا قدر و قیمت رہ جائے گی جس میں قصاص کو سرے سے کوئی سزا نہ سمجھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ --- ''قصاص کسی سزا کا نام نہیں

---

[1] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۱۰

Marfat.com

...... اصطلاحی طور پر اس کا معنی ہے کہ ''ملزم کا اس طرح پیچھا کیا جائے کہ وہ مواخذہ سے نہ بچ سکے''

ثالثاً یہ کہ ----- قتل کی دو قسمیں قرار دینے کے بعد، قتلِ عمد کے ضمن میں ''جرم کی نوعیت کے لحاظ سے، انتہائی سزا سے کمتر کوئی اور سزا'' کا ذکر، آخر کس لیے؟ جب کہ قتلِ عمد کی واحد سزا، ان کے نزدیک ہے ہی سزائے موت۔ پھر حوالہ سورۃ النسآء کی اس آیت (۴:۹۲) کا دیا گیا ہے جو قتل عمد کا نہیں، بلکہ قتلِ خطاء کا حکم بیان کرتی ہے۔ یہ ژولیدہ فکری نہیں تو اور کیا ہے۔

رابعاً یہ کہ ----- جب قتلِ عمد کی واحد سزا ''سزائے موت'' قرار پا ہی گئی تو پھر اس سے کمتر سزا کے ذکر کا کیا معنی؟ نیز سزائے موت سے کم تر سزا کیا ہو سکتی ہے؟ عفوِ قتل؟ یا دیت۔ یہ دونوں باتیں تو ''مفکر قرآن'' کو تسلیم ہی نہیں ہیں، کیونکہ وہ قتلِ عمد اور دیت دونوں کے منکر ہیں۔ پھر قتل سے کم تر سزا کیا؟ اور اس کا ذکر کس لیے؟

خامساً یہ کہ ----- قتلِ عمد کی بحث کے آخر میں یہ کہنا کہ ''سزا کو جرم کی حد سے بڑھ کر نہیں ہونا چاہیئے' اس اعتبار سے نا قابل فہم ہے کہ جب یہ سزا، سزائے موت قرار پائی تو پھر موت سے آگے بڑھ کر اور کیا سزا ہو سکتی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے، ورنہ ''مفکر قرآن'' کی تحریفی جسارتوں کو دیکھتے ہوئے یہ بعید نہ تھا کہ وہ متنِ قرآن کی بھی مرمت کر ڈالتے۔ الفاظِ قرآن میں تحریف تو اب ان کے بس کی بات نہ تھی البتہ مفہومِ آیات میں وہ اپنے فن کے خوب جوہر دکھاتے ہیں۔ بہر حال، ان کے ''مفکرانہ مفہوم'' کے بعد، اب اس کا سادا سا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے، جسے خود ان کے قلم ہی سے پیش کیا جاتا ہے۔

> اے پیروان دعوت ایمانی! جو لوگ قتل کر دیئے جائیں، ان کے لیے تمہیں قصاص (یعنی بدلہ لینے) کا حکم دیا جاتا ہے (......) اگر آزاد آدمی نے، آزاد آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں وہی قتل کیا جائے گا (......) اگر غلام قاتل

Marfat.com

ہے تو غلام ہی قتل کیا جائے گا (......) عورت نے قتل کیا ہے تو عورت ہی قتل کی جائے گی، اور پھر اگر ایسا ہو کہ کسی قاتل کو مقتول کے وارث سے (جو رشتۂ انسانی میں) اس کا بھائی ہے معافی مل جائے (اور وہ قتل کی جگہ "خوں بہا" لینے پر راضی ہو جائے) تو (خون بہا لیکر چھوڑ دیا جا سکتا ہے) اور (اس صورت میں) مقتول کے وارث کے لیے، دستور کے مطابق (خوں بہا کا) مطالبہ ہے اور قاتل کے لیے خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا اور دیکھو (......) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے سختیوں کا کم کر دینا اور رحمت کا فیضان ہے، اب اس کے بعد جو کوئی ظلم وزیادتی کرے گا تو یقین کرو وہ (اللہ کے حضور) دردناک عذاب کا سزاوار ہوگا۔ [1]

اس ترجمہ کی مزید وضاحت اس سے اگلی آیت کی روشنی میں بایں الفاظ کی گئی ہے۔

اور یہ وہ اصول مساوات اور آئین معدلت گستری ہے جس میں فی الحقیقت نوع انسانی کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے اسی لیے آیت مندرجہ صدر سے ملحق آیت میں فرمایا ولکم فی القصاص حیٰوۃ یآاولی الالباب لعلکم تتقون (۲/۱۷۹) اے اربابِ دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد، دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہے لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہے) تمہارے لیے زندگی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم برائیوں سے بچو (اور ظلم وفساد کی راہیں بند ہو جائیں)۔

چونکہ قانون کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں اس لیے عدالت کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ مقتول کے ورثاء کو قصاص کے بدلے دیت (خوں بہا) لینے پر مجبور کرے البتہ اگر وہ بطیب، خاطر بلا جبر واکراہ، از خود اپنا حق قصاص چھوڑ کر، دیت لینے پر راضی ہو جائیں یا فراخ حوصلگی اور کشادہ ظرفی سے معاف ہی کر دیں تو اور

---

[1] معارف القرآن، جلد ۴، صفحہ ۴۰۶

Marfat.com

بات ہے اس لیے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کسی جرم کی سزا یا انتقام، حدِ جرم سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے اور اس سزا اور انتقام کی بھی صرف 'اجازت' ہے جو دل کی رضامندی سے معاف کر دے تو یہ روش خوش آیند ہے بشرطیکہ مجرم اس عفو اور درگذری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا رہا ہو۔ [1]

پرویز صاحب کا یہ ترجمہ اور یہ اقتباس اس حقیقت کو واشگاف کر دیتا ہے کہ

(۱) ----- قصاص فی الواقع ایک سزا ہے جو قتل عمد کی پاداش میں قتل کر دینے کی صورت میں دی جاتی ہے۔

(۲) ----- مقتول کے وارثوں کو قتل عمد میں یہ تینوں اختیار حاصل ہیں (ا) چاہیں تو مقتول کے بدلہ میں قاتل کو قصاص میں قتل کروا دیں (ب) یا فراخ حوصلگی یا کشادہ ظرفی سے قاتل کو بالکل ہی معاف کر دیں (ج) یا دیت کا معاملہ طے کر لیں۔

(۳) ----- قانون قصاص در قتل میں، ورثائے مقتول کے تینوں اختیارات، اس امر کو شمسِ نصف النہار کی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ جرمِ قتل کا ارتکاب معاشرہ یا ریاست سے کہیں زیادہ، افرادِ معاشرہ کے خلاف جرم ہے، اسی لیے تو ''عدالت کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ مقتول کے ورثاء کو قصاص کے بدلے دیت (خون بہا) لینے پر مجبور کرے''۔

جرمِ قتل - افراد کے خلاف یا ریاست کے خلاف؟ ...... ہمارے ''مفکر قرآن''، مغرب کی غلامی میں اس قدر مبتلا ہو چکے ہیں کہ وہ اسلام کے تقریباً ہر مسئلہ میں نرالی اپچ اختیار کرتے ہیں اور اسے تاویل کے خراد پر چڑھا کر، مطابقِ مغرب کر ڈالنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتے۔ آیتِ قصاص میں ''مفکر قرآن'' نے جو فاسد تاویلات کی ہیں، ان میں سے، ایک تاویل یہ بھی ہے کہ جرمِ قتل کو:

اسے خود معاشرہ یا نظام کے خلاف جرم سمجھا جائے، افرادِ متعلقہ کے خلاف نہیں۔ [2]

---

[1] معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۴۰۶

[2] مفہوم القرآن، صفحہ ۶۵

Marfat.com

حالانکہ آیتِ قصاص، صراحت کے ساتھ، ورثائے مقتول کو قصاص، معافی اور دیت کے سہ گونہ اختیارات دے کر، یہ ثابت کر رہی ہے کہ قتل عمد کا جرم، اپنے اندر حق اللہ (یا حق معاشرہ) سے کہیں زیادہ، حق العباد (افرادِ معاشرہ) کا پہلو رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ افراد کے خلاف واقع جرم، معاشرہ پر اور معاشرہ کے خلاف کیا جانے والا جرم، افراد پر اثر انداز ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود، شریعت اسلامیہ نے جن جرائم کو معاشرے کے لیے ضرر رساں قرار دیا ہے تو وہ اس لیے کہ ان میں جماعتی ضرر انفرادی ضرر سے زیادہ ہوتا ہے اور جن جرائم کو فرد کے لیے ضرر رساں قرار دیا ہے تو وہ اس لیے کہ ان میں انفرادی ضرر، اجتماعی ضرر سے زیادہ ہوتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تہذیبِ مغرب میں، جرمِ قتل میں دیت نہیں ہے اور بعض ممالک میں قتل کے بدلہ قتل، کو ایک ظالمانہ سزا سمجھ کر، اسے عمر قید میں بدل دیا گیا ہے، اس لیے تہذیبِ مغرب کے سحر میں گرفتار ''مفکر قرآن'' بھی کبھی یہ کہتے ہیں کہ قصاص، کسی سزا کا نام نہیں، بلکہ وہ ''محکم نظامِ تفتیش'' کا نام ہے جس میں ''حیاتِ اجتماعیہ کا راز'' ہے، اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ ''قتلِ عمد میں، دیت ہے ہی نہیں'' اور کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''ورثاءِ مقتول کو قصاص سے دستبردار ہونے کا اختیار ہی نہیں ہے''۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

> مجرم کا مواخذہ کرنا (قصاص) اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مقتول کے وارثوں کو نہ قاتل سے خود بدلہ لینے کا حق ہے اور نہ قصاص سے دستبردار ہونے کا۔ مملکت کے ہر متنفس کی جان کی حفاظت، حکومت کی ذمہ داری ہے، اس لیے قصاص کو حکومت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اس میں مقتول کے وارثوں کی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ورثاء، متوفی کے ترکہ کے وارث ہیں، اس کی جان کے نہیں۔ [۱]

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ یہاں قصاص کو محض مواخذہ قرار دے کر، خود اپنی اُس

---

[۱] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۸

Marfat.com

عبارت کے ساتھ تضاد پیدا کیا گیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ --- ''قانونِ قصاص کی رو سے قتل کا بدلہ قتل ہے'' ---

پھر یہ بھی کیا خوب کہا ہے کہ '' ورثاء، متوفی کے ترکہ کے وارث ہیں اس کی جان کے نہیں'' سوال یہ ہے کہ یہ بات کس نے کہی ہے کہ ورثاء، متوفی کی جان کے وارث ہیں جس کی تردید کی جارہی ہے۔ اپنی طرف سے ایک الزام گھڑ کر، کسی کے کھاتہ میں ڈال دینا اور پھر اس کی تردید پر اتر آنا، کسی ایسے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا جسے آخرت میں اپنی جواب دہی کا احساس ہو۔

''مفکر قرآن'' کی اپنی سابقہ تحریروں کی رو سے، کیا قتلِ عمد میں دیت کا وجود ثابت نہیں ہے؟ اگر آج وہ اپنے سابقہ موقف سے پھر گئے ہیں تو کیا ہوا؟ قتلِ خطا میں تو وہ آخری دم تک دیت کے قائل رہے ہیں۔ پھر کیا اگر اس صورت میں ورثاءِ مقتول، دیت قبول کر لیتے ہیں تو کیا اس کا معنی یہی ہوگا کہ وہ مقتول کی جان کے وارث ہیں؟ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اگر قتلِ عمد میں دیت قبول کی جائے تو ورثاءِ مقتول پر جانِ مقتول کے وارث ہونے کی پھبتی عائد ہو جائے، لیکن قتلِ خطا میں خوں بہا لیا جائے تو پھر نہ یہ پھبتی عائد ہوتی ہے اور نہ ہی ورثاء، جانِ مقتول کے وارث قرار پاتے ہیں؟

ایں گلِ دیگر شگفت ...... اور پھر --- ایں گل دیگر شگفت --- کہ

مقتول کے وارثوں کو نہ قاتل سے خود بدلہ لینے کا حق ہے اور نہ قصاص سے دست بردار ہونے کا .... اس میں (یعنی قتل عمد میں) مقتول کے وارثوں کی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[1]

یہ عبارت بھی صحت وسقم کا ایک ملغوبہ ہے۔ یہ بات تو درست ہے کہ اسلام پر قائم ایک قانونی حکومت میں لوگ از خود قاتل سے بدلہ نہیں لے سکتے، یہ حکومت ہی کا کام ہے۔ لیکن اگر حکومت خود مقتولین کے ورثاء کے مطالبہ پر، قاتلوں کو اُن کے حوالے کر دے اور وہ قصاص لے لیں تو اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، البتہ یہ بات قطعی غلط ہے کہ اولیاءِ مقتول، اپنے

[1] طلوع اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۸

Marfat.com

پاس، نہ تو قاتل کے بارے میں کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی ایسے کسی اختیار سے دست بردار ہونے کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات خود ''مفکر قرآن'' کی اپنی تحریروں سے ثابت کی جا چکی ہے کہ ورثاءِ مقتول کو اپنے سہ گونہ اختیارات کی بناء پر، یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں یا اس سے دیت (خوں بہا) قبول کرلیں، یا اسے مکمل طور پر معاف کردیں۔ یہ تینوں اختیارات، خود اقتباساتِ پرویز کی روشنی میں، قرآن کریم سے نبی اکرم ﷺ کی قولی اور فعلی احادیث سے، صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ وقضایا سے، محدثین کی کتب روایات سے، فقہاء کی کتبِ فقہ سے، اور مورخین کی کتبِ تواریخ سے ثابت ہیں۔ پرویز صاحب، تقلیدِ مغرب کی بناء پر مجبور ہیں کہ قتل عمد کے جرم کو، افراد کی بجائے معاشرہ کے خلاف جرم قرار دیں اور قرآنی آیتوں کو اپنی تحریف کا نشانہ بنائیں، حالانکہ حکومت کا اس ضمن میں صرف یہ فریضہ ہے کہ وہ قاتل سے قصاص لے لیں، بشرطیکہ اولیاءِ مقتول، قاتل کو معاف کردینے یا اس سے دیت قبول کرلینے کی بجائے، اسے قصاص میں قتل کرنے کے حق میں ہوں لیکن ''مفکر قرآن'' قدم قدم پر تضادات کا شکار ہیں۔ کبھی وہ مقتول پارٹی کے ان تینوں اختیارات کو تسلیم کرلیتے ہیں، کبھی انکار کر ڈالتے ہیں۔

ایک اور تضاد...... ان کے اس وسیع خارزارِ تضادات میں، ایک تضاد وہ بھی ہے جو جرائم کے حوالہ سے حکومت کی پوزیشن کے بارے میں ہے۔ وہ کبھی حکومت کو ''مستغیث'' کی پوزیشن پر رکھتے ہیں اور کبھی مجرم کی پوزیشن پر۔ ایک مقام پر قرآن کے حوالہ سے جو پوزیشن متعین کرتے ہیں دوسرے مقام پر قرآن ہی کے نام پر، اس پوزیشن کا انکار کر ڈالتے ہیں۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

> اس میں جرم، متعلقہ افراد کے خلاف نہیں ہوتا، بلکہ حکومت کے خلاف ہوتا ہے۔
> اس میں ''مستغیث'' افراد نہیں ہوتے، خود حکومت ہوتی ہے۔ عصر حاضر کی اصطلاح میں اسے (Crown ...... Vs ......) کہا جائے گا۔ [1]

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۱۷۰

Marfat.com

لیکن صرف تین ہی صفحات کے بعد وہ حکومت کو "مستغیث" کی بجائے، مجرم کی پوزیشن پر لا کھڑا کرتے ہیں، اور وہ بھی قرآن ہی کی رو سے۔

قرآنی تصورِ جرم و سزا کی رو سے "مستغیث" مجرم کے خلاف مدعی نہیں ہوتا، وہ نظامِ معاشرہ (حکومت) کے خلاف مدعی ہوتا ہے۔ مملکت نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی ہر متاع کی حفاظت کرے گی، اگر اس متاع پر کسی نے ہاتھ ڈال دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ مملکت نے اس شخص سے وعدہ خلافی کی ہے، اس لیے اس کے نزدیک مجرم، نظامِ مملکت ہے نہ کہ وہ خاص فرد، جس نے ارتکابِ جرم کیا ہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے "مفکر قرآن" اس قدر تضاد گو واقع ہوئے ہیں کہ ان کے تضادات کا احاطہ ممکن ہی نہیں۔

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

اختیاراتِ ولیٔ مقتول - ایک اور آیت سے بھی ...... آیتِ قصاص میں اولیاءِ مقتول کے سہ گونہ اختیارات، اقتباساتِ پرویز کی رو سے بھی ثابت ہیں۔ لیکن ہر آن اپنے بدلتے ہوئے موقف کی بناء پر، انہوں نے پہلے تو قصاص کا مفہوم ہی بدل ڈالا پھر عفو و درگذر اور دیت کے اختیارات کا بھی انکار کر ڈالا، حالانکہ ولی کے یہ اختیارات، قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہیں۔

﴿ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُورًا ﴾

(بنی اسرائیل — ۳۳)

جس جان کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اسے قتل مت کرو مگر حق کے ساتھ، اور جو ظلماً قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا، پس اب وہ قتل میں حد سے

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۱۷۳

Marfat.com

تجاوز نہ کرے کیونکہ اس کی مدد کی گئی ہے۔

یہ آیات، قتلِ خطا سے نہیں، قتل عمد سے متعلق ہے، جس میں کسی کو ظـلـمـاً (نہ کہ خطأً) قتل کرنے کا ذکر ہے، جیسا کہ من قتل مظلوما کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

اس آیت میں فقد جعلنا لولیہ سلطانا کے الفاظ میں ظلماً قتل کیے جانے والے شخص کے ولی کو، وہ سلطان (اختیار) عطا کیا گیا ہے جس کی بناء پر وہ چاہے تو عفو و درگذر سے کام لیکر، قاتل کو بالکل معاف کردے یا دیت پر معاملہ طے کرلے، یا اسے قصاص میں قتل کروادے۔ اس سے صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ قتلِ عمد کے مقدمہ میں، اصل مدعی حکومت نہیں، بلکہ اولیاءِ مقتول ہی ہیں، جنہیں قاتل کو قصاص میں قتل کا اختیار دیکر بھی، ان پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ اسراف فی القتل نہ کریں، یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ اصل قاتل کے علاوہ، کسی دوسرے کو قتل کر ڈالیں، یا قتل کے ایسے طریقے اختیار کریں، جنہیں اسلامی شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے، مثلاً آگ میں جلا کر ہلاک کرنا یا قطعِ اعضاء کے ذریعہ اذیتیں دے کر قتل کرنا یا مُثلہ کرنا وغیرہ۔

تاویلِ آیت یا تحریفِ آیت؟...... لیکن اس آیت کی ''مفکر قرآن'' نے ایسی تاویل کی ہے جسے تاویل کی بجائے فی الواقع تحریف کہنا زیادہ موزوں ہے اور جہاں وہ تاویل کی آڑ میں تحریف کرنا چاہتے ہیں وہاں وہ آیت کا سادا ترجمہ کرنے کی بجائے، لمبا چوڑا مفہوم بیان کرتے ہیں جن میں مدلولاتِ آیات میں کتر بیونت کے ذریعہ کمی بیشی کر گزرتے ہیں، چنانچہ وہ آیت کے جس حصے کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں، وہاں وہ مفہوم القرآن کی حکمتِ عملی اپناتے ہیں اور جہاں وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتے وہاں وہ سادا ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے، سورۂ بنی اسرائیل کی اسی آیت کے ترجمہ و مفہوم پر مشتمل ملغوبہ۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے فلا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق جس جان کو مارنا، اللہ نے حرام قرار دیا ہے (یعنی بے گناہ کا قتل) اسے قتل مت کرو، بجز اس کے کہ انصاف کا تقاضا ایسا ہو۔ فمن قتل مظلوما فقد جعلنا

Marfat.com

لولیہ سلطانا جو ظلم سے قتل کیا جائے، تو قاتل یہ نہ سمجھے کہ مقتول کے ورثاء کا کوئی حمایتی اور مددگار ہی نہیں، اس لیے میں اب جس طرح چاہوں، دندناتا پھروں، مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اسے اس زعم میں نہیں رہنا چاہیے۔ مقتول کے ورثاء کے لیے ہم نے معاشرہ کو ''سلطان'' بنایا ہے۔ معاشرہ (نظام حکومت) کا غلبہ واقتدار (سلطان) مقتول کے ورثاء کا پشت پناہ ہوگا۔ انہ کان منصورا (۱۷/۳۳)۔ [1]

پوری آیت کے صرف اس ٹکڑہ کو ملاحظہ فرمایئے فقد جعلنا لولیہ سلطانا جس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ --- ''مقتول کے ورثاء کے لیے ہم نے معاشرہ کو سلطان بنا دیا ہے'' --- یہاں ''مفکر قرآن'' نے محض اپنی مطلب برآری کے لیے معاشرہ کو فقد جعلنا کا مفعول قرار دے دیا ہے اور سلطان، جسے خود اللہ تعالیٰ نے واحد مفعول قرار دیا ہے، اسے محض اپنی سینہ زوری سے مفعولِ ثانی بناڈالا ہے، اور کلامِ خداوندی کے ترجمہ میں، اپنی طرف سے ایک اضافی مفعول کو داخل کر کے، فی الواقع معنوی تحریف کی ہے۔ اگر یہی مفہوم مراد ہوتا جو پرویز صاحب نے بیان کیا ہے تو قرآنی الفاظ یوں ہوتے فقد جعلنا المجتمع لولیہ سلطانا یا المجتمع (معاشرہ) جگہ الامیر، الخلیفة یا الحاکم کے الفاظ ہوتے۔ تاہم اگر قرآنی الفاظ ہی کو اختیار کیا جائے تو ''مفکر قرآن'' کے مزعومہ مفہوم کے پیشِ نظر، ترتیبِ الفاظ یوں قرار پاتی فقد جعلنا السلطان ولیہ لیکن قرآن کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ فقد جعلنا لولیہ سلطانا ''ہم نے (مقتول کے) ولی (وارث) کے لیے سلطان (اختیار) طے کر دیا ہے''۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''مفکر قرآن'' خود قرآن سے ہدایت لیا کرتے تھے یا الٹا اسے ہدایت دیا کرتے تھے؟ وہ قرآن کی تفسیر و تاویل کیا کرتے تھے یا تغیر و تبدیل؟ وہ کلام اللہ کی تشریح کیا کرتے تھے یا ترمیم؟ وہ قرآن کے مطابق نظریات اپنایا کرتے تھے

---

[1] طلوع اسلام، اگست ۱۹۵۸ء، صفحہ ۶۵

Marfat.com

یا اپنے نظریات قرآن میں داخل کیا کرتے تھے؟ وہ فی الواقع تصریفِ آیات کے تحت توضیحِ آیات کرتے تھے یا تصریفِ آیات کی آڑ میں تحریفِ آیات کے ذریعہ تسویلِ معنیٰ کیا کرتے تھے؟

الغرض آیت کے الفاظ فقد جعلنا لولیہ سلطانا صریحاً اس امر پر دال ہیں کہ اسلامی قانون میں قتل کے معاملہ میں، اصل مدعی کی حیثیت، حکومت کی نہیں بلکہ اولیاء مقتول کی ہے۔ حکومت کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اولیاءِ مقتول کی مرضی ٹھیک ٹھیک نافذ کرادے۔ حکومت، مدعی صرف اُس شکل میں ہوگی جب مقتول لاوارث ہو یا اولیاءِ مقتول کو اس معاملہ سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔ ہمارے موجودہ قانون میں سارا اختیار حکومت ہی کو حاصل ہوتا ہے، اولیاءِ مقتول کا سرے سے کوئی تعلق رہ ہی نہیں جاتا۔ چونکہ یہ قانون، مغربی قانون کا چربہ ہے اس لیے ہمارے ''مفکر قرآن'' ہمیشہ اسی کی تائید، قرآن سے کشید کرتے رہے ہیں تاکہ مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ، حکومتِ وقت کی بھی ہمنوائی ہو سکے اور ''زمانے کے تقاضوں'' کا ساتھ بھی نبھ سکے۔

قتلِ عمد میں ''مفکر قرآن'' کے تین انحرافات......قصہ مختصر یہ کہ اسلامی قانونِ قتل وقصاص کے بارے میں پرویز صاحب نے، قدم قدم پر انحراف کی راہ اختیار کی ہے۔ جزئیات کو ترک کرتے ہوئے، اصولی طور پر تین اہم نکات ہیں، جن میں انحراف نمایاں ہے۔

(۱) قصاص کے معنی ومفہوم میں تبدیلی

(۲) جرمِ قتل کو افراد کی بجائے حکومت کے خلاف جرم قرار دینا

(۳) اولیاءِ مقتول کے اختیارات کا خاتمہ

پہلا انحراف...... جہاں تک لفظ قصاص کے معنی ومفہوم میں تبدیلی وتغییر کا تعلق ہے، اس پر ابتداء میں بحث ہو چکی ہے۔ کتبِ لغات اور کتبِ پرویز سے یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قصاص، فی الواقع اس سزا کا نام ہے جس میں مجرم سے قتل وضرب کے جرم میں وہی سلوک کیا جاتا ہے جو خود مجرم نے مقتول کو دورانِ قتل یا مضروب کو ضرب لگانے کے دوران کیا تھا یعنی

Marfat.com

قتلِ نفس کا بدلہ قتلِ نفس اور زخم کا بدلہ زخم، لیکن مملکتِ خداداد پاکستان کے افق پر، جب طلوعِ اسلام ہوا، تو اس کا مفہوم یکسر بدل گیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

> کتب علیکم القصاص فی القتلی (۲/۱۷۸) تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں لفظ قصاص سے مراد عام طور پر سزائے موت مراد لی جاتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں، قصاص، قصص سے ہے جس کے معنی کسی کا پیچھا کرنے کے ہیں، لہٰذا قصاص کا مطلب ہوا "کسی کا پیچھا کرنا، اس کا تعاقب کرنا، اسے ایسے ہی نہ چھوڑ دینا کہ وہ اپنے کیے کی سزا نہ پا سکے"۔[۱]

یہ اقتباس مغالطہ کے ذریعہ اہل علم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ایک کوشش ہے۔ قصاص کا مفہوم از روئے لغت پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ "مجرم پر وہی اور اتنی ہی چیز کو واقع کرنا ہے جیسی اور جتنی اس کی جنایت تھی، نفس کے بدلہ نفس اور زخم کے بدلہ زخم"۔ "مفکر قرآن" اپنی عبارت میں مغالطہ یہ پیدا کر رہے ہیں کہ قصاص سے عام طور پر "سزائے موت" مراد لی جاتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ قصاص، ہر حال میں، سزائے موت نہیں ہے۔ یہ معنی صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ مجرم نے کسی کو ہلاک کیا ہو، اگر اس نے ہلاک کرنے کی بجائے زخمی کیا یا زخمی کیے بغیر محض تھپڑ مارا ہے، تو اس صورت میں قصاص کا معنی سزائے موت نہیں ہے بلکہ زخم کا بدلہ زخم اور تھپڑ مارنے کا بدلہ تھپڑ مارنا، ہی قصاص ہوگا۔ لیکن آیت (۲/۱۷۸) میں چونکہ جرمِ قتلِ عمد ہی کا ذکر ہے اس لیے یہاں، فی الواقع، سزائے موت ہی مراد ہوگی، لیکن "مفکر قرآن" ہیں کہ اپنی ژولیدہ فکری میں خود بھی الجھے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی لغت کے بکھیڑوں میں الجھائے چلے جا رہے ہیں۔

جرم قتل میں قصاص بمعنی "جان کا بدلہ جان" ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود "مفکر قرآن" کو بھی کرنا ہی پڑا، دیکھیے درج ذیل اقتباسات۔

---

[۱] طلوع اسلام، اگست ۱۹۵۸ء، صفحہ ۶۳

Marfat.com

۱ --- ان ہی تصورات کا نتیجہ تھا کہ موت ان کے نزدیک کھیل ہوگئی تھی مرد تو مرد عورتوں تک کی یہ کیفیت تھی کہ موت سے انہیں کسی قسم کا ڈر ہی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ بنو قریظہ کے کچھ لوگ تھے جنہیں قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، ایک ایک مجرم کو قتل گاہ میں پکارا جاتا اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ [1]

۲ --- ایک دفعہ بنی کلاب کے ایک شخص نے یمامہ کے سردار عمیر کے ہاں مع اپنے بھائی کے پناہ لی، اتفاق سے اس شخص کے بھائی اور عمیر کے بھائی میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، اور عمیر کے بھائی نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔ عمیر اس وقت کہیں باہر گیا ہوا تھا، گھر آیا تو اس نے کوشش کی کہ کلابی اپنے بھائی کا خون بہا لے کر راضی ہو جائے، دوسرے لوگوں نے بھی اسے سمجھایا لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ وہ قتل کا بدلہ قتل چاہتا تھا۔ عمیر کی ماں نے بھی اس سے درخواست کی کہ وہ قاتل کی تمام جائیداد لے لے اور اس کی جان بخش دے۔ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ غور کیجئے کہ کس کی منت سماجت ہو رہی ہے؟ ایک ایسے شخص کی جو ان کے ہاں پناہ گزیں ہے، ان کے رحم و کرم پر ہے، مجبوراً عمیر نے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور کلابی کو ساتھ لے کر جنگل میں چلا گیا۔ بھائی کو اپنے ہاتھوں کھجور کے درخت سے باندھ دیا اور کلابی سے کہا کہ ''جب تم قصاص کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں ہوتے تو اس کو قتل کر دو، لیکن اتنی مہلت دو کہ میں اس وادی سے باہر نکل جاؤں''۔ چنانچہ کلابی نے اسے قتل کر دیا، اور اپنے قبیلے میں آ گیا۔ [2]

۳ --- حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں، ایک مسلمان نے ایک یہودی کو قتل کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو ایک بڑا سانحہ تصور کیا، اور فرمایا ''میرے زمانہ خلافت میں انسانوں کا خون ہو؟ میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ

---

[1] معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۱۴۹

[2] معراج انسانیت، صفحہ ۴۴

Marfat.com

جسے قاتل کا علم ہو وہ مجھے بتائے''، بکر بن شداخ نے کہا''امیر المومنین! اس کا قاتل میں ہوں''، فرمایا''تو پھر تم سے قصاص لیا جائے گا یا اپنی براءۃ بیان کرو''۔ [1]

یہ تینوں اقتباسات، مقدمۂ قتل میں، قصاص بمعنی''قتل کا بدلہ قتل'' کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔

قصاص کے قدیم اور جدید مفاہیم کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ الفاظ کے معنی ومفہوم کو کس طرح بدل دیا کرتے تھے، اور اپنی لغوی تحقیق کے دوران، اعراب وحرکات کا خیال رکھے بغیر، اور ابوابِ افعال کے لوازم وخصائص کو ملحوظ خاطر رکھے بغیر، وہ کس قدر تغییرِ معانی میں جری اور دلیر تھے۔

دوسرا انحراف......دوسرا انحراف یہ ہے کہ انہوں نے جرمِ قتل کو، افراد کی بجائے حکومت کے خلاف جرم قرار دیا ہے، حالانکہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۸ اور بنی اسرائیل کی آیت ۳۳ کے تحت واضح کیا جا چکا ہے کہ حکومت کی بجائے افراد کو یہ حق اور اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قاتل کو بالکلیہ معاف کر دیں یا دیت کا معاملہ اس سے طے کر لیں یا پھر قصاص میں اسے قتل کر دیں۔ یہ اختیاراتِ ثلاثہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ جرمِ قتل، حکومت (یا معاشرہ) سے کہیں زیادہ، افرد کے خلاف جرم ہے لیکن''مفکر قرآن'' فرماتے ہیں۔

> قتل کا جرم، معاشرہ کے خلاف جرم ہے۔ [2]

اس کی تردید کے لیے مناسب یہ ہے کہ''مفکر قرآن'' ہی کی ایک عبارت پیش کر دی جائے۔

> چونکہ قانون کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں اس لیے عدالت کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ مقتول کے ورثاء کو قصاص کے بدلے، دیت (خوں بہا) لینے پر مجبور کرے، البتہ، اگر وہ بطیبِ خاطر، بلا جبر واکراہ خود اپنا حقِ قصاص چھوڑ کر، دیت لینے پر راضی ہو جائیں یا فراخ حوصگی اور کشادہ ظرفی سے معاف ہی کر دیں

---

[1] طلوع اسلام، فروری ۱۹۴۹ء، صفحہ ۵۱

[2] طلوع اسلام، اگست ۱۹۵۸ء، صفحہ ۶۵

Marfat.com

تو اور بات ہے۔ ؎۱

یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ اولیاءِ مقتول کے مقابلہ میں، عدالت کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ انہیں اختیاراتِ ثلاثہ میں سے، کسی اختیار (Option) کو بروئے کار لانے پر مجبور کرے۔ یہ تینوں اختیارات (Options) صرف اولیاءِ مقتول ہی کو حاصل ہیں، چاہیں تو قصاصاً قاتل کو قتل کردیں، چاہیں تو مکمل معافی دے کر اس کی جاں بخشی کر دیں اور چاہیں تو دیت (خوں بہا) لے کر قاتل کا خون بہانے سے دستبردار ہو جائیں۔

تیسرا انحراف...... ''مفکر قرآن'' کا قتلِ عمد میں، تیسرا انحراف یہ ہے کہ وہ اولیاءِ مقتول کے لیے، نہ معاف کر دینے کے، اور نہ ہی دیت (خون بہا) قبول کر لینے کے اختیار کے قائل رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں اختیارات، ان کی درج ذیل عبارات سے بھی واضح ہیں۔

> ۱---- اسلامی شریعت میں مسلمانوں اور ذمی رعایا کے حقوق جان و مال میں کوئی فرق نہیں ہے اور ذمی کے خون کی قیمت، مسلمان کے خون کے برابر رکھی گئی ہے یعنی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو شرعی قانون کے مطابق اس مسلمان سے قصاص و دیت لی جائے گی۔ ؎۲

اس اقتباس میں شرعی قانون کی رو سے جیسا اختیار قصاص کا بیان کیا گیا ہے، ویسا ہی اختیار، دیت کا بھی مذکور ہے۔

> ۲---- حضرت علیؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کردیا یہ معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے قصاص کا حکم دیا لیکن مقتول کے وارثوں نے قاتل کو معاف کر دیا مگر پھر حضرت علیؓ نے ورثاء سے دریافت کیا کہ ''تمہیں کسی نے دھمکی تو نہیں دی؟'' ورثاء نے کہا کہ ''ہم نے اپنی مرضی سے اس کو معاف کر دیا ہے، کیونکہ اسے قتل کرنے سے ہمارا بھائی زندہ نہیں ہو سکتا اور قاتل نے اس

؎۱ معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۴۰۷

؎۲ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۴۹ء، صفحہ ۵۱

Marfat.com

کا معاوضہ ادا کر دیا ہے''۔ [1]

یہ واقعہ، ان واقعات میں سے ہے جو دورِ خلافتِ راشدہ کے آخری زمانہ میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس واقعہ سے نہ صرف یہ کہ اولیاءِ مقتول کا دیت قبول کرنے کے اختیار کا واضح ثبوت ملتا ہے بلکہ قبولِ دیت کی مصلحت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ورثاءِ مقتول ایسے لوگ ہوں جن کے حالات کا تقاضا یہ ہو کہ قصاص کی بجائے دیت قبول کر لینا ان کے حق میں بہتر ہو، تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، مثلاً قاتل کے ہاتھوں ایسا آدمی قتل ہو گیا، جو اپنے خاندان کا واحد فردِ کاسب تھا، اولیاءِ مقتول اگر قصاصاً قاتل کو قتل کروا بھی دیں، تو وہ مقتول فردِ کاسب تو زندہ نہیں ہو سکتا جبکہ خود مقتول کی اولاد صغیر السن ہے جو کمانے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ ایسے حالات میں اسلام نے ان کے لیے قبولِ دیت کا راستہ کھلا رکھا ہے اور یہی وہ تخفیف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رحمت اور رعایت قرار دیا ہے جس پر یہ عبارتِ پرویز دلالت کرتی ہے۔

> شریعت میں خدا کی طرف سے آسانیاں، رحمت ہیں۔ شریعت میں ایسی آسانیاں مل جانا جن سے قوانین ممکن العمل ہو جائیں، رحمتِ خداوندی ہے مثلاً قانونِ قصاص کی رو سے قتل کا بدلہ قتل ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ فمن عفی له من ..... ورحمة (۲/۱۷۸) لیکن اگر قاتل کو اس کے بھائی (مدعی) کی طرف سے معافی مل جائے تو اس کے لیے معقول طریقہ پر خوں بہا کا مطالبہ ہے اور (قاتل کے لیے) خوبی کے ساتھ، اس کا ادا کرنا۔ یہ قانونِ دیت وعفو، تمہارے پروردگار کی طرف سے سختیوں کا کم کر دینا اور رحمت ہے۔ [2]

قتلِ عمد میں قبولِ دیت، عہدِ نبوی میں ...... قتلِ عمد میں دیت کے لین دین کے واقعات، عہدِ نبوی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان واقعات میں سے درجِ ذیل واقعہ خود ''مفکرِ قرآن'' کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔

صلح حدیبیہ کی بناء پر قبائلِ عرب میں خزاعہ، مسلمانوں کے حلیف ہو گئے تھے اور

---

[1] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۴۹ء، صفحہ ۵۱ [2] معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰ + من و یزداں، صفحہ ۱۴۹

ان کے حریف بنوبکر، قریش کے۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے باہمی پرخاش چلی آ رہی تھی۔ بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے معاہدہ کے صریحاً خلاف، بنوبکر کی حمایت کی، اور عین حرم کے اندر، افرادِ خزاعہ کا خون بہا دیا۔ خزاعہ کے کچھ لوگ نبی اکرمؐ کے پاس مدد کے لیے آئے۔ آپؐ نے جنگ کی بجائے قریش کو کہلا بھیجا کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک مان لی جائے۔

(۱) مقتولینِ خزاعہ کا خوں بہا دے دیا جائے --- یا

(۲) قریش، بنوبکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں --- اور یا پھر

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا صلح نامہ ٹوٹ چکا ہے۔ [۱]

یہ واقعہ اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ قتلِ عمد میں صرف قصاص (قتل النفس بالنفس) ہی نہیں، بلکہ دیت کا اصول بھی موجود ہے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبۂ دیت، قریش کے سامنے رکھا ہے، لیکن ہمارے ''مفکرِ قرآن'' فرماتے ہیں کہ

دیت، صرف قتلِ خطا میں ہے، قتلِ عمد میں نہیں۔ [۲]

''قتل عمد میں دیت نہیں ہے''، لیکن نبی اکرمؐ نے خواہ مخواہ (معاذ اللہ صد معاذ اللہ) قرآن کی مخالفت کرتے ہوئے، قریش سے دیت کا مطالبہ کر دیا۔ یہاں ''مفکرِ قرآن'' کو کتنا اہم اختلاف ہے رسولِ قرآن سے۔

عہدِ نبوی ہی نہیں، خلافتِ راشدہ میں بھی، یہ ''خلافِ قرآن'' دیت کے لین دین کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت علیؓ کے عہد کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ اب ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ ''مفکرِ قرآن'' شہادتِ عمرؓ کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ خلیفۂ ثانی کے قتل کی سازش میں ابولولو فیروز، جفینہ اور ہرمزان تینوں شامل تھے۔ شہادتِ عمرؓ کے بعد کیا ہوا؟ ''مفکرِ قرآن'' لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کے بیٹے، حضرت عبیداللہ کو، جب اس سازش کا علم ہوا، تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ باپ کے قتل کے قصاص کے لیے جوش میں اٹھے،

---

[۱] معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۵۷۲ [۲] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۹

تلوار ہاتھ میں لی، پہلے ہرمزان کو قتل کیا، پھر جفینہ کو، اس کے بعد ابولولو کی ایک صغیرسن بیٹی سامنے آئی، تو اسے بھی قتل کر دیا۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے ان پر قابو پایا۔

ضمناً حضرت عبیداللہ کا یہ اقدام، اسلام کے قانونِ عدل کی رو سے درست نہیں تھا۔ چنانچہ بعد میں ان پر مقدمہ چلایا گیا، حضرت علیؓ نے ان کے قتل کیے جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ نے، خود خون بہا ادا کر کے معاملہ کا تصفیہ کر دیا۔ [1]

سوال یہ ہے کہ جب خون بہا یا دیت، قتلِ عمد میں ہے ہی نہیں تو حضرت عثمانؓ نے قتل کے اس تہرے مقدمے میں تصفیہ کیسے کر دیا؟ اور حیرت بالائے حیرت یہ کہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں، عین مدینۃ الرسول میں، یہ ''خلافِ قرآن'' عمل ہو رہا ہے اور کوئی شخص حتی کہ حضرت علیؓ بھی یہ نہیں کہتے کہ تم یہ کیا ظلم کر رہے ہو کہ ایک ایسے مقدمۂ قتل میں، جس میں دیت نہیں ہے، تم دیت کا لین دین کر کے قرآن کی ''واضح مخالفت'' پر اپکا کر رہے ہو۔ کاش ''مفکر قرآن'' وہاں ہوتے تو وہ رسولِ خدا ﷺ کو بھی (جبکہ آپ قریش سے مقتولینِ خزاعہ کا خوں بہا مانگ رہے تھے) سمجھاتے، اور شہادتِ عمرؓ کے بعد، عبیداللہؓ کو قتلِ عمد کے تہرے مقدمہ سے بچانے کے لیے، جب حضرت عثمانؓ خوں بہا ادا کر رہے تھے، تو انہیں بھی اور دیگر صحابہؓ کو بھی جو ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کا مصداق بنے بیٹھے تھے، یہ کہہ کر سمجھاتے کہ

> یہ جو ہمارے ہاں سمجھا جاتا ہے کہ ہر جرمِ قتل میں مقتول کے وارثوں کو حق حاصل ہے کہ وہ خون بہا لے کر قاتل کو معاف کر دیں، یہ تصور، قرآن کے خلاف ہے۔ [2]

اور پھر خود حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ ''مفکر قرآن'' کی بات مان لیتے، تو کم از کم قتلِ عمد کے بارے میں روایاتِ حدیث اور ہماری تاریخ ضرور ''مطابقِ قرآن'' ہو جاتیں، اور پھر ''مفکر قرآن'' کو انہیں، از سرِ نو ''مطابقِ قرآن'' بنانے کی مہم نہ چلانا پڑتی۔

---

[1] شاہکارِ رسالت، صفحہ ۴۲۸

[2] طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۵۸ء، صفحہ ۶۷

Marfat.com

باب دوم

سرقہ اور حدِّ سرقہ

اس باب میں ''مفکرِ قرآن'' صاحب کی اُس مشقِ ناز کا جائزہ لیا جا رہا ہے جو انہوں نے حدِ سرقہ پر کی ہے، قرآن پاک میں حدِ سرقہ کا ذکر، درج ذیل آیت میں ہے۔

﴿ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (سورۃ المائدہ - ۳۸)

چوری کرنے والا مرد ہو، یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، بدلہ ان کی کرتوتوں کا، اور عبرت اللہ کی طرف سے۔ اللہ بڑی قوت والا اور حکمت والا ہے۔ پھر جو شخص ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو بیشک اللہ اس پر مہربانی سے توجہ کرے گا، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں بالفاظِ صریحہ، جرمِ سرقہ کی سزا ''ہاتھ کاٹ ڈالنا'' بیان کی گئی ہے، لیکن وہ غلام فطرت مسلمان، جو بدقسمتی سے اپنے ارادہ واختیار کے علی الرغم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہو چکے ہیں، اور مغرب کی تہذیبی بالاتری کو تہہِ دل سے قبول کر چکے ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ قرآن میں چوری کی یہ سزا دیکھ کر، ان پر گھڑوں پانی پڑ جاتا ہے اور وہ اس خیال سے جھینپ جاتے ہیں کہ ان کی مذہبی کتاب میں ایسی ''وحشیانہ سزا'' موجود ہے۔ ان کا بس چلے تو قرآن کریم سے یہ الفاظ کھرچ ڈالیں مگر مصیبت یہ ہے کہ اللہ نے خود اس کتاب کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے، اس لیے قرآن کی لفظی تغیر وتحریف سے مایوس ہو کر، وہ معنوی تحریف میں جت جاتے ہیں اور اس کوشش میں وہ سخن سازی کے ایسے کرشمے دکھاتے ہیں کہ

Marfat.com

وے تاویل شاں درحیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

قطع ید اور "مفکر قرآن" کی رکیک تاویلات...... جرمِ سرقہ میں بطورِ حد، جو سزا خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادی ہے وہ قطع ید ہے جس کا معنی "ہاتھ کاٹ دینا" کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں، لیکن اس ہاتھ کاٹنے کی "وحشی سزا" سے بچ نکلنے کے لیے، نیز مغرب کے اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے، رکیک تاویلات کے بہت سے پاپڑ، ہمارے "مفکر قرآن" کو بیلنے پڑے ہیں، حالانکہ قطع ید کی ترکیب میں واقع دونوں الفاظ قطع اور ید عام فہم اور معروف الفاظ ہیں۔ عرب ہی نہیں اردو دان حضرات بھی ان دونوں الفاظ کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ یہ ایسے دقیق، مشکل اور مغلق الفاظ نہیں ہیں کہ جن کے مدلول کو جاننے اور سمجھنے کے لیے، ذہانت و فطانت کی کسی بڑی مقدار کی ضرورت ہو، لیکن اہلِ پاکستان کو جو "مفکر قرآن" نصیب ہوئے ہیں، وہ "ہاتھ کاٹنے" کے مفہوم میں، چند الفاظ کا اضافہ کر کے اضافی مفہوم پیدا کرتے ہیں اور پھر خود ہی بڑے "مفکرانہ انداز" میں یوں فرماتے ہیں کہ

قطع ید سے مراد ہاتھ کو کاٹ کر الگ پھینک دینا ہی نہیں...... [1]

اس عبارت کے ذریعہ تاثر یہ ابھارا گیا ہے کہ علماء میں قطع ید کے مفہوم میں، اس پہلو سے اختلاف واقع ہوا ہے کہ اس کا معنی محض "ہاتھ کاٹ دینا" ہے یا کاٹ کر "الگ پھینک دینا" بھی شامل مفہوم ہے، اور پھر پرویز صاحب "مفکر قرآن" کی حیثیت سے، محاکمہ کر کے یہ فرماتے ہیں کہ "ہاتھ کاٹ کر الگ پھینک دینا" بھی ٹھیک ہی ہے لیکن یہ مفہوم صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اور وہ "کچھ اور" کیا ہے، اس کے ساتھ ہی متصل وہ لکھتے ہیں کہ

......اس کے معنی ہاتھوں کو زخمی کر دینا بھی ہیں (۱۲/ ۳۱) [2]

حالانکہ قطع ید کا یہ معنی لغواً، عرفاً، شرعاً ہر لحاظ سے غلط ہے، اس معنی کی تائید میں سورہ

---

[1] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۱۸ [2] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۱۸

Marfat.com

یوسف کی آیت (۱۲/۳۱) پیش کی گئی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ فَلَمَّا رَاَیۡنَہٗۤ اَکۡبَرۡنَہٗ وَ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ ﴾ (یوسف - ۳۱)

جب ان عورتوں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔

اس آیت میں ''مفکر قرآن'' نے ''قطع ید'' کا معنیٰ، جو ''زخمی کر ڈالنا'' کیا ہے، تو اول تو وہ قطعی غلط ہے، اور دوسرے، وہ، اس معنیٰ کو نبھا بھی نہیں سکے ہیں، کیونکہ تھوڑی دور آگے چل کر آیت (۱۲/۳۳) کے الفاظ الا تصرف عنی کیدھن ...... میں لفظ کید کی توضیح یوں کرتے ہیں۔

> اس مجلس کے اہتمامات، اس لیے تھے کہ وہ عورتیں، حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کر لیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے طرح طرح کے مکر و فریب سے کام لیا تھا اور انہی میں سے ایک ''ہاتھ کاٹنے'' کا تریا چلتر بھی تھا۔ [1]

لفظ کید کی یہ وضاحت، اس امر پر قطعی دلیل ہے کہ سورہ یوسف کی آیت ۳۱ میں قطع ید کا معنیٰ ''ہاتھ کاٹنا'' ہی ہے نہ کہ ''ہاتھ زخمی کرنا''، جسے ''مفکر قرآن'' خود بھی نبھا نہیں سکے ہیں۔

الغرض سورہ یوسف کے جس مقام پر قطع ید کا ذکر ہے وہاں ''ہاتھ کاٹنا'' کا معنیٰ، خود ''مفکر قرآن'' نے کیا ہے، مثلاً

> ۱ --- فَلَمَّا رَاَیۡنَہٗ وَ اَکۡبَرۡنَہٗ وَ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ (۱۲/۳۱)
>
> ان عورتوں نے اسے دیکھا (تو ایسا پایا کہ) اس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ [2]

اس کے بعد الا تصرف عنی کید ھن میں ''کید'' کی وضاحت بھی، مذکور بالا جملہ ہی سے کی گئی ہے یعنی

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۷، صفحہ ۳۱

[2] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۱۲۸

Marfat.com

۲---......انہی میں سے ایک 'ہاتھ کاٹنے' کا تریا چلتر بھی تھا۔ [1]

آیت (۱۲/۵۰) کے متن میں بھی، قطع ید کے الفاظ آئے ہیں، وہاں بھی صحیح ترجمہ ہی کیا گیا ہے۔

۳ --- مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِی قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (۱۲/۵۰)

ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ [2]

الغرض، قطع ید کا سورہ یوسف ہی نہیں بلکہ پورے قرآن میں جہاں کہیں بھی ذکر آیا ہے، وہ ''ہاتھ کاٹنا'' ہی کے معنی میں ہے؛ ''ہاتھ زخمی کر لینا'' کسی جگہ بھی مراد نہیں ہے۔

پھر ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ سورۃ یوسف کی آیت ۳۱ اور آیت ۵۰ میں، جو الفاظ آئے ہیں، ان کا تعلق، ثلاثی مجرد کے افعال سے نہیں، بلکہ ثلاثی مزید فیہ کے، باب تفعیل سے ہے یعنی قَطَعْنَ کی بجائے قَطَّعْنَ (ط کی تشدید کے ساتھ) فعل آیا ہے، جس میں زیادہ زور اور شدت پائی جاتی ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی ''ہاتھ زخمی کرنا'' کی بجائے ''ہاتھ کاٹنا'' ہی قطع ید کا ترجمہ، صحیح قرار پاتا ہے، اس لیے کہ ''ہاتھ کاٹ ڈالنا'' کے مفہوم میں ''ہاتھ زخمی کرنا'' کا مفہوم تو شامل ہے، لیکن ''ہاتھ زخمی کرنے'' کے مفہوم میں ''ہاتھ کاٹ ڈالنے'' کا مفہوم داخل نہیں ہے۔

پھر عربی زبان میں کسی عضو کو زخمی کرنے کے لیے قطع کا لفظ کبھی استعمال نہیں ہوتا، جرح یا جراحت کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔ خود پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ

جَرَحَ یَجْرُحُ کے معنی زخمی کر دینے کے ہیں۔ الجراحة نیزہ یا تلوار کے زخم کو کہتے ہیں۔ [3]

قرآن کریم میں زخموں کے لیے والجروح قصاص کا لفظ استعمال ہے۔

الغرض، قطع ید کا ترجمہ ''ہاتھ زخمی کرنا'' کسی صورت اور کسی لحاظ سے بھی درست

---

[1] معارف القرآن، جلد۳، صفحہ ۱۳۰۔
[2] معارف القرآن، جلد۳، صفحہ ۱۳۶ + تفسیر مطالب الفرقان، جلد۷، صفحہ ۴۴
[3] لغات القرآن، صفحہ ۴۲۴

Marfat.com

نہیں ہے۔ یہ غلط ترجمہ صرف اور صرف اس لیے کیا گیا ہے تاکہ قرآن میں مذکور قطع ید کی ''وحشیانہ سزا'' سے بچا جا سکے، اور یہ مغرب سے مرعوبانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے۔

قطع ید کی دوسری تاویل...... آیت کو تاویل کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے، قطع ید کا دوسرا معنی، بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

> (ii) کسی کام سے روک دینا بھی جیسے قطع لسان کے معنی کسی کو زبان درازی سے روک دینے کے ہوتے ہیں خود (۵/۳۸) میں، اسے نکالا من اللہ کہا گیا ہے، یعنی خدا کی طرف سے روک۔ [۱]

قطع ید کا معنی ''روک دینا'' بھی ایک ایسا معنی ہے جسے کارگاہِ طلوعِ اسلام ہی میں گھڑا گیا ہے۔ دنیا میں آج بھی اور زمانہ ماضی میں بھی، کوئی ایسا عرب نہ موجود ہے، اور نہ ہی موجود تھا، جس کے سامنے اگر یہ جملہ بولا جائے کہ سَرَقَ زَيْدٌ وَّقَطَعَ الْحَاكِمُ يَدَهٗ، تو وہ اس کا مطلب یہ سمجھے کہ ''زید نے چوری کی اور حاکم نے اسے روک دیا''۔ پھر آخر چوری کر ڈالنے کے بعد حاکم کا اسے ''روک دینا'' کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر اپنے اس خود ساختہ معنی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے، کس طرح صغریٰ کبریٰ کو جوڑ کر، یہ فرمادیا کہ خود آیت (۵/۳۸) میں نکالا من اللہ کہا گیا ہے یعنی ''خدا کی طرف سے روک''۔ حالانکہ نکال کا معنی ''عبرت ناک سزا'' ہوتا ہے، نہ کہ ''روک''۔ یہ الگ بات ہے کہ عبرتناک سزا جرم سے روک دینے اور باز رکھنے کا ذریعہ بھی ثابت ہوسکتی ہے لیکن اس لفظ کا اصل معنی ''عبرتناک سزا'' ہی ہے۔ خود پرویز صاحب نے لکھا ہے:

> نکل بہ کے معنی ہیں، اسے جرم کی عبرتناک سزا دی کیونکہ سزا سے خود مجرم، آیندہ کے لیے، اس جرم کے ارتکاب سے رک جاتا ہے اور دوسرے بھی اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ [۲]

پھر نکال کا لفظ ایک اور مقام پر بھی آیا ہے، الفاظ قرآن یہ ہیں فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ

---

[۱] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۱۸ [۲] لغات القرآن، صفحہ ۱۶۶۴

الآخِرَةِ وَالْاُوْلٰی (سورۃ النازعات - ۲۵)۔ پرویز صاحب نے خود اس کا ترجمہ یہ بیان کیا ہے۔

خدا نے سزا دے کر فرعون کو ''آخرۃ واُولیٰ'' کے لیے عبرت بنا دیا۔ ۱؎

سورۃ البقرہ میں فجعلنها نكالا لما بين يديها وما خلفها وموعظة للمتقين کے مفہوم القرآن میں بھی نکال بمعنی عبرت ہے، دیکھئے اسے!

تمہاری یہ ذلت وخواری ہر اس قوم کے لیے جو تباہیوں سے بچنا چاہے، عبرت وموعظت کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے، ان کے لیے بھی جو اس وقت تمہارے ہم عصر تھے اور ان کے لیے بھی جو ان کے بعد آئے اور نہوں نے تاریخی نوشتوں سے تمہارے حالات کو پڑھا۔ ۲؎

لغات القرآن میں، اسی آیت کے حوالہ سے، درج ذیل عبارت بھی، نکال بمعنی ''عبرتناک سزا'' کی وضاحت کرتی ہے۔

یہودیوں میں سے، جن لوگوں نے احکام سبت کی خلاف ورزی کی تھی انہیں ایسی ذلت آمیز سزا دی گئی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے نکالًا بن گئی (۲/۶۶) یعنی موجب عبرت۔ ۳؎

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جونہی، چوری کی آیت میں، یہ لفظ آتا ہے، تو اس کا ترجمہ بدل جاتا ہے اور ''عبرتناک سزا'' کی بجائے، ''روک'' اس کا معنی لکھ دیا جاتا ہے حالانکہ ''عبرتناک سزا'' اس کا صحیح اور جامع مفہوم ہے، کیونکہ ''عبرتناک سزا'' تو ''روک دینے'' کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، لیکن جو سزا محض ''روک'' کا ہم معنی ہوگی، وہ ضروری نہیں کہ ''عبرتناک'' بھی ہو۔

پھر یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ جب قطع ید کا معنی ''روک دینا'' ہے تو یہ نكالا من الله '' خدا کی طرف سے عبرتناک سزا'' کیسے ہوگئی؟ ''ہاتھ کاٹ دینے'' کی صورت

۱؎ لغات القرآن، صفحہ ۱۶۶۴ ۲؎ مفہوم القرآن، صفحہ ۲۳
۳؎ لغات القرآن، صفحہ ۱۶۶۴

Marfat.com

میں تو اس سزا کا خدا کی طرف سے ''عبرتناک'' ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن پرویز صاحب کی تاویل کے لحاظ سے، جبکہ قطع ید کا معنی محض ''روک دینا'' ہو تو یہ بات، قرآنی سیاق وسباق سے کوئی میل نہیں کھاتی۔

قطع لسان کے محاورہ سے مطلب برآری...... رہا قَطَعَ لِسَانَهُ کا محاورہ اور اس کا مفہوم جسے ''مفکر قرآن'' نے پیش کیا ہے، تو یہ ایک مغالطہ آرائی کی ایسی کوشش ہے جو عربی زبان سے ناواقف لوگوں میں تو شاید بارآور ہو جائے، لیکن عربی جاننے والے نہ صرف یہ کہ اس سے متاثر نہیں ہو سکتے بلکہ ''مفکر قرآن'' کا یہ استدلال دیکھ کر، انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' سرمایۂ حقیقت میں مفلس ہیں، البتہ:

ع فقیہ شہر قاروں ہے، لغت ہائے حجازی کا

پھر جب وہ، ان کی لغات القرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں اس حقیقت پر وثوق کے ساتھ شرح صدر ہو جاتا ہے کہ اس قارونی خزانۂ لغت میں، کھرے سکوں کی نسبت، کھوٹے سکوں کی از حد بہتات ہے۔

قَطَعَ لِسَانَهُ اصلاً، عربی کا ایک محاورہ ہے، جسے احسان کے طرزِ عمل سے ''کسی کو خاموش کر دینے'' کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ بقول ابن منظور:

قَطَعَ لِسَانَهُ : اَسْكَتَهُ بِاِحْسَانِهِ اِلَيْهِ

یعنی اس نے اس پر احسان کر کے، اسے خاموش کر دیا۔[1]

اس کے بعد، علامہ ابن منظور نے حدیث کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے، اس کی وضاحت بایں الفاظ کی ہے:

وفی الحدیث لما انشده العباس بن مرداس ابیاته العینیة: اقطعوا عنی لسانه ای اعطوه وارضوه حتی یسکت حدیث میں ہے کہ جب عباس بن مرداس نے قصیدہ عینیہ کے اشعار سنائے (تو حضورؐ نے فرمایا) میری طرف

---

[1] لسان العرب، جلد ۸، صفحہ ۲۷۸

Marfat.com

سے اس کا منہ بند کر دو یعنی اسے اتنا کچھ دے دو اور راضی کر دو کہ وہ چپ کر جائے۔ ۱

خود ''مفکر قرآن'' نے بھی اس محاورہ کا معنی لغات القرآن میں یہی بیان کیا ہے:

قطع لسانہ کسی پر احسان کر کے، اس کی زبان، بند کر دینے کو بھی کہتے ہیں۔ ۲

اس محاورہ کے ترجمہ میں ''بھی'' کا لفظ، محض اپنے خود ساختہ معنی کی گنجائش پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے، ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

اب ''مفکر قرآن'' کا تحریفی کرشمہ ملاحظہ فرمایئے کہ جسے احسان کے ذریعہ چپ کرا دیا گیا ہے اس میں کوئی مجرمانہ علت موجود نہیں ہے۔ اب انہیں اس محاورہ میں ''مجرمانہ علت'' پیدا کرنے کے لیے، اس کے معنی کو یوں بدلنا پڑا:

قطع لسانہ کے معنی کسی کو زبان درازی سے روک دینے کے ہیں۔ ۳

پھر، اس ''مجرمانہ علت'' کی بناءِ فاسد پر ایک اور فاسد کار دا چڑھاتے ہوئے، معاملہ کو اور آگے بڑھاتے ہیں تو معانی میں یہ تبدیلی پیدا ہوتی ہے کہ ''زبان درازی سے روکنے'' کی جگہ ''چوری سے روکنے'' کے معنی کو ثبت کر دیا جاتا ہے اور اس طرح مفہوم، اصل حقیقت سے سرکتا سرکتا، ایک طرف تو وہ بہت دور چلا جاتا ہے اور دوسری طرف ماشاء اللہ پوری لغات القرآن اپنے مزعومہ معانی کے حق میں، ''دلائل'' کے ساتھ مرتب ہو جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ''قطع لسان'' میں بذریعہ احسان کسی کو خاموش کر دینے میں اور چوری پر ہاتھ کاٹ دینے میں آخر کیا مناسبت پائی جاتی ہے کہ دونوں امور کو باہم متماثل قرار دیکر، ایک مفہوم کی دلیل، دوسرے سے بتکلف کشید کی جائے؟

تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی، نہ عہدِ نبوی میں، نہ ہی خلافتِ راشدہ میں، اور نہ ہی ادوارِ مابعد میں، جس میں امت کے کسی سر برآوردہ عالم تو کجا، کسی عام گرے پڑے شخص نے بھی

---

۱ لسان العرب، جلد ۸، صفحہ ۲۷۸ ۲ لغات القرآن، صفحہ ۱۳۷۴
۳ قرآنی قوانین، صفحہ ۱۱۸

Marfat.com

یہ کہا ہو کہ قطع ید کا معنی چور کو محض روک دینا ہے۔

ایک اور سخن سازی...... ''مفکر قرآن'' ایک جگہ فرماتے ہیں:

بعض لوگ قطع ید سے مراد ہاتھ کا سچ مچ کاٹ دینا نہیں لیتے۔ عربی زبان کی رو سے اس کا معنی ''روک تھام'' کے بھی ہوتے ہیں، اس لیے وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے مجرم، آیندہ کے لیے، اس جرم کے ارتکاب سے خود بخود ''رک جائے'' توبہ اور اصلاح، اس کی بنیادی تدبیر ہے۔ [1]

پہلی بات تو یہ ہے کہ قطع ید کا معنی، نہ کسی لغت میں ''روک تھام'' بیان کیا گیا ہے، اور نہ ہی آج تک کسی عالم نے ایسا لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ ''بعض لوگ'' جو قطع ید کا معنی ''ہاتھ کاٹنے'' کی بجائے محض ''روک تھام'' لیتے ہیں، آخر وہ ہیں کون لوگ؟ کس عصر و مصر سے ان کا تعلق ہے؟ منکرینِ حدیث کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے نفس سے ایک معنی گھڑتے ہیں اور اُسے خود اپنی طرف سے بیان کرنے کی بجائے، بعض لوگوں کی طرف منسوب کر ڈالتے ہیں، تاکہ خود ساختہ معانی کے ان کھوٹے سکوں کو چلنے کے لیے کچھ سہارا مل سکے، کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے اپنے نام پر، یہ کھوٹے سکے، چل نہیں پائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر قطع ید کا معنی ایسی تدابیر اختیار کرنا ہے جس سے مجرم آیندہ کے لیے اس جرم کے ارتکاب سے خود بخود ''رک جائے'' تو یہ معنی، قرآنی آیت کے سیاق وسباق میں کسی طرح بھی راست نہیں بیٹھتا۔ کیا قرآن، ارتکاب شدہ سرقہ کی عبرتناک سزا بیان کرنیکی بجائے، صرف آیندہ کی احتیاطی تدابیر بلکہ انسدادی تدابیر ہی مراد لے کر فاقطعوا ایدیھما کا حکم دے رہا ہے؟

قطع ید کی تیسری تاویل...... قطع ید کی تیسری تاویل ''مفکر قرآن'' کے الفاظ میں یہ ہے:

قطع ید کی سزا، عادی مجرموں کے لیے ہے۔ سورہ ال عمران میں ایک عام

---

[1] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۷

اصول بتایا گیا ہے والذین اذا فعلوا فاحشة اوظلموا انفسهم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفرا لذنوب الا اللہ ولم یصروا علے ما فعلوا وهم یعلمون ۔ جولوگ کوئی برائی کی بات کر بیٹھیں یا کسی جرم کے ارتکاب سے اپنے آپ پر زیادتی کر لیں اوراس کے بعد، جب قانونِ خداوندی ان کے سامنے آئے، تووہ اپنے جرم کی معافی کے خواستگار ہوں تو قانونِ خداوندی میں معافی کی بھی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ یہ معافی ان مجرموں کے لیے ہے جو جانتے بوجھتے بار بار ارتکاب جرم نہ کریں یعنی عادی مجرم نہ ہوں، غیر مصر مجرموں کے متعلق کہا اولئك جزاؤهم مغفرة من ربهم (۳/۱۳۶) قانون خداوندی کی رو سے ایسے مجرمین کو معافی دی جائے گی۔ ؎۱

ہاتھ کاٹنے کی سزا، ایک خاص جرم کی سزا ہے۔ اس خاص جرم کی طے شدہ سزا کو (مطلق سارق کی سزا قرار دینے کی بجائے) عادی مجرم کے لیے قرار دینا، ایک ایسا دعوی ہے، جس کے لیے (کسی عام دلیل کی نہیں، بلکہ) خاص دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی بات کسی خاص دلیل سے ثابت ہو تو اس کے خلاف کسی عام دلیل سے تمسک کرنا جائز نہیں ہوتا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جو چور کی سزائے قطع ید کو عادی مجرم کی سزا قرار دیتی ہو۔

پھر ''مفکر قرآن'' صاحب، قطع ید کی سزا کو (جو ایک خاص جرم کی سزا ہے) عادی مجرم کے لیے مخصوص بھی کرتے ہیں تو کسی خاص دلیل سے نہیں، بلکہ سورہ ال عمران کی اس آیت کی بناء پر، جس کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ ''اس میں ایک عام اصول بتایا گیا ہے''۔

مزید برآں، سورہ ال عمران کی متذکرہ آیت میں نہ صرف یہ کہ قطع ید کی سزا کا ذکر تک نہیں ہے، بلکہ وہ سرے سے کسی بھی تعزیری عقوبت سے تعلق ہی نہیں رکھتی۔ آیت میں جن گناہوں یا لغزشوں کا ذکر ہے، وہ قابلِ دست اندازی پولیس ہیں ہی نہیں۔ خود

؎۱ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۷۶ء، صفحہ ۶

''مفکر قرآن'' نے ،اسے عام روزمرہ کی لغزشوں اور غلطیوں (نہ کہ قابلِ دست اندازیٔ پولیس جرائم) سے وابستہ کرتے ہوئے، محض ایک اخلاقی ہدایت قرار دیا ہے۔

جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اسے فوراً تسلیم کرلو۔ اس پر خواہ مخواہ اڑے نہ رہو۔ قرآن کریم مومنین کی صفت یہ بتاتا ہے کہ ولم یصروا علی مافعلوا وھم یعلمون (۳/۱۴۵) ''جب انہیں اس کا علم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلط بات ہوگئی ہے تو اس پر اڑے نہیں رہتے ''۔ ۱؎

لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' نے اسے پولیس کیس بنانے کے لیے، پہلے تو گناہوں اور لغزشوں کو، ''جرائم'' کے لفظ سے تعبیر کیا اور پھر ان جرائم کے مرتکبین میں ''عادی مجرم'' اور ''غیر عادی مجرم'' کی تفریق پیدا کی، تاکہ اپنے مزعومہ تصورات کے لیے گنجائش نکالی جاسکے۔

پھر یہ بھی کیا خوب نکتہ ہے کہ جو شخص مجرم سرقہ تو ہو مگر وہ اصرار کی بجائے اقرار کرلے تو قانون خداوندی کی رو سے اس کے لیے اولئك جزاء وھم مغفرۃ من ربھم کا مژدہ جانفزاء ہے، حالانکہ جرم کی سزا کا اثبات یا تو بر بناءِ شہادت ہوتا ہے، یا پھر مجرم کے اپنے اعتراف کی بناء پر۔ اور جب اعترافِ جرم ہو جائے تو اس پر سزا کا نفاذ عمل میں آتا ہے، لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' مرتکبِ جرم کو اس کے اعتراف کی بعد، سزا دینے کی بجائے، مغفرت وجنت کی بشارت سے نواز رہے ہیں۔ فیا للعجب

پھر ایک اور بوالعجبی بھی ملاحظہ فرمایئے۔ قطع ید کی وضاحت کرتے ہوئے ''مفکر قرآن'' فرماتے ہیں:

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی ایسا طریق اختیار کرو جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رک جائیں۔ ۲؎

''مفکر قرآن'' کو یہ کون سمجھائے کہ چوری سے روکنے کے لیے ہی تو اللہ تعالیٰ نے خود ایسا طریقہ قطع ید کی سزا مقرر کرکے اختیار کرلیا ہے۔ سرقہ کی پاداش میں ہاتھ کا کٹ جانا، ایک

۱؎ اسلامی معاشرت، صفحہ ۱۱۳ ۲؎ لغات القرآن، صفحہ ۱۳۷۵

Marfat.com

ایسی عبرتناک سزا (نکالا من اللہ) ہے کہ چور تو رہا ایک طرف، خود یہ کٹا ہوا ہاتھ، ان لوگوں کے لیے باعثِ صد عبرت و موعظت ہوگا، جن کے دماغوں میں، اس جرم کے جراثیم کلبلا رہے ہوں گے۔ کیا آپ خود خدا کے طریق کو چھوڑ کر، کوئی نیا طریق اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ افحکم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون۔

قطع ید کی چوتھی تاویل...... قطع ید کی رکیک تاویلات میں اس کا ایک معنی یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ:

> اگر ایدی کے معنی اختیار اور مقدرت لیے جائیں (دیکھئے عنوان ی-د-ی) تو قطع ید کے معنی ہوں گے ان اختیارات کا سلب کر لینا یا اس مقدرت کا چھین لینا جس کی رو سے انسان چوری کرتا ہے۔[1]

فی الحال، اس بات کو نظر انداز کیجئے کہ قطع ید کے مرکب اضافی میں سے ایک ایک لفظ کو الگ کر کے ان کے معانی کو الفاظ کی بازی گری سے کچھ کا کچھ کر ڈالنا، میزان علم و اخلاق میں کیا وزن رکھتا ہے؟ صرف اس سوال پر غور کیجئے کہ اگر چور ہو ہی بے اختیار اور وہ بے اختیار ہونے کے باوجود، چوری کا ارتکاب کر ڈالتا ہے تو آپ اس کے کون سے اختیارات سلب کریں گے؟ اور اگر اس کی مقدرت ہی کو چھین لینا مقصود ہو تو پھر ہاتھ کاٹ ڈالنے سے بہتر اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

قطع ید کی پانچویں تاویل...... چوری کی قرآن میں مذکور ''وحشیانہ سزا'' سے پیچھا چھڑانے کے لیے، ایک تاویل یہ بھی کی جاتی ہے کہ یہ ایک انتہائی سزا ہے جو کسی مجرمِ سرقہ کو صرف اسی وقت دینی چاہیے، جب پانی سر سے گزر جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> اگر یہ دیکھو کہ پانی سر سے گزر چکا ہے اور یہ جرم ہو رہا ہے تو اس کی انتہائی سزا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔[2]

حنیف رامے اور پرویز صاحب کی باہمی گفتگو کے دوران جب اول الذکر نے سزائے

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۳۷۶ [2] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۱۸

سرقہ کے متعلق یہ کہا کہ---''میرے خیال میں یہ چوری کی انتہائی سزا ہے نہ کہ ابتدائی'' ---تو پرویز صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر، چوری ہی کے متعلق نہیں، بلکہ جملہ قرآنی حدود کے متعلق یہ کہا کہ:

آپ نے صحیح سمجھا ہے کہ قرآن کریم نے جرائم کی جو سزائیں مقرر کی ہیں وہ انتہائی ہیں۔[1]

ہر شخص قرآن کریم خود کھول کر دیکھ سکتا ہے کہ فاقطعوا ایدھما کے الفاظ میں چوری کی جو سزا قرآن میں بیان کی گئی ہے وہ پرویز صاحب کے بقول انتہائی سزا (Maximum Punishmeht) ہے، یا واحد سزا (The Only Punishment) ہے۔

یہ ستم ظریفی بھی قابل دید اور قابل داد ہے کہ جب ''مفکر قرآن'' قطع ید کو انتہائی سزا (Maximum Punishmeht) قرار دیتے ہیں، تو اس سے مراد، ''ہاتھ کاٹ دینا'' ہی لیتے ہیں، لیکن جہاں وہ اس سزا کو انتہائی نہیں کہتے، وہاں وہ اس کی مختلف النوع تاویلات میں جت جاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ قطع ید سے مراد ایسی تدابیر اختیار کرنا ہے جس سے مجرم آئندہ کے لیے اس جرم سے رک جائے، اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ مجرم سے وہ اختیارات اور مقدرت سلب کر لی جائے جس سے یہ جرم کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ قطع ید کا ایک ہی مفہوم ہے، ''ہاتھ کاٹ ڈالنا''۔ اور یہی سرقہ کی وہ واحد سزا ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانہ میں یہی سزا سارقین کو دی ہے۔ کتبِ احادیث میں سے بیسیوں واقعات، اس پر بطور شہادت پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم صرف اس بناء پر، انہیں پیش کرنے سے گریز کر رہے ہیں کہ منکرینِ حدیث، انہیں ''خلافِ قرآن'' کہہ کر رد کر دیں گے، اس لیے مجبوراً صرف انہی واقعات کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو ''مفکر قرآن'' کی ''قرآنی بصیرت'' پر پورے اتر کر، ان کی کتب میں درج ہو چکے ہیں۔

---

[1] طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۶۶ء، صفحہ ۲۴

Marfat.com

قطع ید کی سزا، عہدِ نبوی میں...... سب سے پہلے، درج ذیل واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔

بنی مخزوم کے ایک نہایت معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس قوم میں اس سے بڑا اضطراب پیدا ہوا، سب نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کریں کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ جب حضرت اسامہؓ نے اس باب میں حضورؐ سے گفتگو کی تو آپؐ کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا اور فرمایا کہ "اے اسامہ! تو حدود اللہ کے خلاف سفارش کرتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اگر فاطمہؓ بنت محمد بھی چوری کرتی تو ہم اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے"۔[1]

اس واقعہ سے چند امور بالکل واضح ہیں۔

اولاً یہ کہ ---- حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ (مخزومی خاتون) کی چوری پر، یہ استفسار نہیں فرمایا کہ "یہ اس کی پہلی چوری ہے یا دوسری؟ تیسری چوری ہے یا چوتھی؟"۔ اور نہ ہی سفارش کرنے والے، حضرت اُسامہؓ ہی نے یہ کہا کہ "یا رسول اللہ! یہ عوت کی پہلی، (دوسری یا تیسری) چوری ہے، لہٰذا، آپ اِس بار، اسے نظر انداز فرما دیں اور سزا نہ دیں"۔ بلکہ آپؐ نے مجرد اس بات پر کہ، چوری کا جرم ثابت ہے، اسے سزا دینے کا حکم فرما دیا، لہٰذا "مفکر قرآن" نے یہ جو بے پر کی اڑائی ہے کہ

نبی اکرمؐ نے ایک مجرم کو چار مرتبہ چوری کرنے پر بھی قطع ید کی سزا نہیں دی۔[2]

تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، نہ ہی "مفکر قرآن" نے کوئی حوالہ دیا ہے۔

ثانیاً یہ کہ ---- چوری کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ مجرم کا "ہاتھ کاٹ دیا جائے"۔ "مفکر قرآن" کے عمر بھر کے "فہم قرآن" کے نتیجہ میں، قطع ید کی جو مختلف تاویلات، سامنے آئی ہیں، اگر وہ درست ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا وہ تو قطعی

---

[1] معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۲۸۳ [2] طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۶

طور پر فہم قرآن سے (معاذاللہ) کورا تھا اور چودہ صدیوں کے بعد ''مفکر قرآن'' کو قرآن فہمی کی وہ استعداد میسر آئی جو خود نبی اکرمؐ کو بھی میسر نہ تھی۔

ثالثاً یہ کہ ---- چوری کی یہ سزا، واحد اور تنہا سزا تھی، جو چور کو عہد نبوی میں دی گئی بغیر اس کے کہ یہ دیکھا جائے کہ چوری کرنے والا مرد ہے یا عورت، عادی مجرم ہے، یا غیر عادی مجرم۔

اور **مسخِ حقیقت کی یہ جسارت بھی دیکھئے**...... یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے، کہ معارف القرآن جلد چہارم کے صفحہ ۶۸۳ پر مذکور اس واقعہ کو جب ''معراجِ انسانیت'' میں درج کیا گیا تو اس سے وہ تمام جملے حذف کردیئے گئے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چوری کی سزا، اور قطع ید کا اصل مفہوم، جو عہدِ نبوی میں معروف تھا ''ہاتھ کاٹ دینا'' ہی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

> بنی مخزوم کے ایک نہایت معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کی آپؐ نے حکم دیا کہ اسے سزا دی جائے اس قوم میں اس سے بڑا اضطراب پیدا ہوا سب نے حضرت اسامہؓ بن زید کو آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہؐ سے سفارش کردیں کہ اسے سزا نہ دی جائے۔ جب حضرت اسامہؓ نے اس باب میں حضورؐ سے گفتگو کی تو آپ کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا اور فرمایا کہ ''اے اسامہ تو حدود اللہ کے خلاف سفارش کرتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو ہم اسے بھی سزا دیتے''۔ [1]

اصل واقعہ کو اس طرح مسخ و تحریف کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ اب تبدیل شدہ عبارت، جرم سرقہ کی سزا، قطع ید بمعنیٰ ''ہاتھ کاٹ دینا'' سے پاک ہوگئی۔

یہ ہے وہ انداز، جسے اختیار کرکے، ''مفکر قرآن'' صاحب، احادیثِ رسولؐ، سیرتِ نبویؐ، اور تاریخِ اسلام کو 'مطابق قرآن' بنایا کرتے تھے، یعنی پہلے قرآن کے الفاظ میں، خود ساختہ مفہوم گھسیڑ دیا، اور پھر اسے معیار جان کر، بلکہ خدائی اور قرآنی حکم سمجھ کر، سیرت

---

[1] معراج انسانیت، صفحہ ۳۵۴

Marfat.com

واحادیث اور تاریخ میں کتر بیونت کر کے واقعات کو مسخ کرنا شروع کر دیا، جیسا کہ مندرجہ بالا ترمیم شدہ عبارت سے ظاہر ہے۔

قطع ید کی سزا، خلافتِ راشدہ میں ...... خیر! یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، قطع ید کا اصل مفہوم کیا تھا؟ اور خلافت راشدہ میں چور کو کیا سزا دی جاتی تھی؟ بالکل وہی مفہوم اور وہی سزاء سارق جو عہد نبوی میں دی جاتی تھی خلافت راشدہ بھی موجود تھی۔

اس سلسلہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں کا واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ایک شخص کا اونٹ چرا کر ذبح کر کے کھالیا۔ ان کے خلاف چوری کا جرم ثابت ہو گیا۔ آپ نے حد (سزا) نافذ کرنے سے پہلے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا "حاطب ہم سے کام تو سخت لیتا ہے لیکن کھانے کو اس قدر کم دیتا ہے کہ اس سے ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ ہم نے انتہائی مجبوری کے عالم میں ایسا کیا ہے"۔

یہ سن کر آپ نے غلاموں کو تو معاف کر دیا اور حاطب کو بلا کر کہا کہ "چاہیے تو یہ کہ چوری کے جرم کی سزا میں تمہارا ہاتھ کٹوا دیا جائے کہ اس جرم کے مرتکب تمہارے غلام نہیں، تم ہو، جس نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا کہ وہ چوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن میں تم سے نرمی برتتا ہوں۔ اس دفعہ تو اتنی سزا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ تم اونٹ کی قیمت اس کے مالک کو ادا کر دو، اگر آئیندہ تمہارے غلاموں کی یہی حالت ہو گئی تو پھر تمہارے لیے کسی سخت سزا کا سوچا جائے گا۔[1]

یہ واقعہ اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ

(۱) خلافت راشدہ میں بھی، چوری کی سزا "ہاتھ کاٹ دینا" ہی تھی۔ اگر یہ سزا نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ، حاطب کو "ہاتھ کاٹ دینے" کی دھمکی نہ دیتے۔

(۲) سزا دیتے وقت یہ قطعاً نہیں دیکھا جاتا تھا کہ مرتکب سرقہ، عادی چور ہے یا غیر عادی۔

---

[1] شاہکار رسالت، صفحہ ۲۴۵

Marfat.com

(۳) ہاتھ کاٹ دینا ہی وہ سزائے واحد تھی جو سارقین کو دی جاتی تھی بغیر اس جھمیلے میں پڑنے کے، کہ یہ انتہائی سزا ہے یا مطلق سزا۔

واقعۂ حاطب ابن ابی بلتعہ کی مسخ و تحریف...... چونکہ حاطب بن ابی بلتعہ کا یہ واقعہ صریح طور پر چوری کی سزا ''ہاتھ کاٹ دینا'' ثابت کرتا ہے اور یہ ''وحشیانہ سزا'' پرویز صاحب کو قبول نہیں، اس لیے اس واقعہ کو اپنی تفسیر مطالب الفرقان میں (اور وہ بھی شاہکارِ رسالت ہی کے حوالہ سے) جب بیان کیا تو وہ جملہ بدل دیا گیا، جس سے قطع ید کی سزا ''ہاتھ کاٹ دینا'' ثابت ہوتی ہے اور اس کی جگہ درج ذیل جملہ رکھ دیا گیا، تاکہ تاریخِ اسلام ''مطابقِ قرآن'' ہو جائے۔

> یہ سن کر آپ نے غلاموں کو تو معاف کر دیا اور حاطب کو بلا کر کہا کہ چاہیے تو یہ کہ چوری کی سزا تمہیں دی جائے کیونکہ اس جرم کے مرتکب تمہارے غلام نہیں، تم ہو ...... (شاہکارِ رسالت، صفحہ ۲۴۵) [۱]

☆............☆............☆

[۱] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۵۰۸

باب سوم

حدِّ حرابہ ومحاربہ

قرآنی حدود میں، ایک حد، جرم حرابہ (یا محاربہ) کے لیے بھی مقرر ہے، یہ سورۃ المائدہ کی درج ذیل آیت میں مذکور ہے، اسے عموماً آیت حرابہ کہا جاتا ہے۔

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْہِمْ وَاَرْجُلُہُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَہُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ (المائدہ - ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں قتل کیا جائے یا پھانسی دی جائے یا ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا جلاوطن کیے جائیں۔ یہ رسوائی ہے ان کے لیے دنیا میں، اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے، اس آیت کا ترجمہ، بلکہ یوں کہیے کہ تفسیری ترجمہ، ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

جو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں فساد یعنی بدامنی، پھیلاتے ہیں، مراد اس سے راہزنی یعنی ڈکیتی ہے، ایسے شخص پر جس کو اللہ نے قانونِ شرعی سے (جس کا اظہار، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے ہوا ہو) امن دیا ہو یعنی مسلمان اور ذمی پر اور اسی وجہ سے اس کو اللہ اور رسول سے لڑنا کہا گیا ہے کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا اور چونکہ رسول کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا اس لیے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا، غرض

Marfat.com

جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ ایک حالت میں تو قتل کیے جاویں، وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو، اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو۔ یا اگر دوسری حالت ہوئی تو سولی دیئے جائیں، یہ وہ حالت ہے کہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو۔ یا اگر تیسری حالت ہوئی ہو تو ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا اور قتل نہ کیا ہو۔ یا اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو زمین پر آزادانہ آباد رہنے سے نکال کر جیل خانہ میں بھیج دیئے جائیں، یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو، نہ قتل کیا ہو، قصد کرنیکے بعد ہی گرفتار ہو گئے ہوں۔ [1]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ''حرابۂ خدا اور رسول'' کا مفہوم بایں الفاظ پیش کیا ہے:

خدا اور رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے اور اسی کے لیے اس نے اپنا رسول بھیجا تھا کہ زمین میں ایک صالح نظام قائم ہو جو انسان اور حیوان اور درخت اور ہر اس چیز کو جو زمین پر ہے، امن بخشے، جس کے تحت انسانیت اپنی فطرت کے کمال مطلوب کو پہنچ سکے جس کے تحت زمین کے وسائل اس طرح استعمال کیے جائیں کہ وہ انسان کی ترقی میں مددگار ہوں نہ کہ تباہی و بربادی میں۔ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی و ڈکیتی کی حد تک ہو، یا بڑے پیمانے پر اس صالح نظام کو الٹنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لیے، دراصل وہ خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیرات ہند میں ہر اس شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے ''بادشاہ کے خلاف لڑائی''

---

[1] بحوالہ معارف القرآن (از مفتی محمد شفیع صاحب)، جلد ۳، صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۵

Marfat.com

(Waging War Against The King) کا مجرم قرار دیا گیا ہے، چاہے اس کی کاروائی، ملک کے کسی دور دراز گوشے میں ایک معمولی سپاہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بادشاہ اس کی دست رس سے کتنا ہی دور ہو۔ [۱]

پرویز صاحب کے نزدیک ''خدا اور سول سے محاربہ'' اور ''فساد فی الارض'' سے مراد، ''بغاوت'' ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

اس کا اطلاق جرم بغاوت اور **فساد فی الارض** پر بھی ہوتا ہے، اس میں بلکہ چار متبادل سزاؤں کا ذکر ہے، قتل، تصلیب، قطع دست و پا، اور قید یا جلاوطنی، متبادل سزاؤں سے مراد یہ ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں، عدالت (یا اسلامی نظام) اس قسم کی سزا نافذ کر سکتا ہے۔ [۲]

پرویز صاحب کی تحریروں میں بغاوت، خدا اور سول سے محاربہ اور فساد فی الارض تینوں ہم معنی اور مترادف المفہوم الفاظ ہیں، وہ ان میں سے کسی ایک کی تشریح، باقی دونوں الفاظ سے کرتے ہیں مثلاً بغاوت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

بغاوت اس کے لیے، قرآن کریم نے ''خدا اور رسولؐ کے خلاف جنگ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی قرآنی نظام مملکت کے خلاف جنگ، اسے ''فساد فی الارض'' سے بھی تعبیر کیا ہے۔ [۳]

مفہوم بغاوت کی وسعت...... بغاوت کا لفظ پرویز صاحب کے نزدیک بڑا وسیع المفہوم لفظ ہے جس میں اسلامی مملکت کے خلاف کچھ کہنا یا تحقیر و استہزا کرنا، ریاست کے ہمدوش یا متوازی ریاست قائم کرنا، اور قانون سازی کے اختیارات ہاتھ میں لینا، سرمایہ کا معاوضہ لینا، مضاربت، مزارعت اور سودی کاروبار کرنا وغیرہ، سب کچھ شامل ہے۔ پرویز صاحب کے درج ذیل اقتباسات بغاوت کے مفہوم کی وسعت کو واضح کر دیتے ہیں۔

---

[۱] تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۴۶۵ [۲] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۵۱۰
[۳] طلوع اسلام، جون ۱۹۷۷ء، صفحہ ۳۸

Marfat.com

۱---اسلامی مملکت میں اسلامی اساسات کے خلاف کچھ کہنا یا ان کی تحقیر و استہزاء کرنا، مملکت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ ۱

۲ ---جو مملکت اسلامیہ کی مرکزی حیثیت ہی کو تسلیم نہ کریں ان کا مرکز سے کیا تعلق؟ وہ تو اس کے باغی قرار پاتے ہیں۔ ۲

۳---بغاوت کے معنی یہ ہیں کہ وہ مملکتِ پاکستان کے ہم دوش ایک اور مملکت قائم کرتا ہے، اسے کوئی مملکت بھی برداشت نہیں کر سکے گی کہ کوئی فرد (یا جماعت) اس مملکت کے اندر رہتے ہوئے، قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے۔ ۳

۴ --- اگر کوئی شخص (یا جماعت) کوئی الگ قانون وضع یا اختیار کرتی ہے تو وہ متوازی حکومت قائم کرتی ہے جو بغاوت کے مترادف ہے۔ ۴

۵ ---قرآنی مملکت میں ایسا نظام جس میں سرمایہ کا معاوضہ لیا جائے، حرام ہی نہیں، بلکہ مملکت کے خلاف بغاوت ہے۔ ۵

۶ --- قرآن جس قسم کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے، اس میں سرمایہ کے معاوضہ کا اصول ختم ہو جاتا ہے لہٰذا ربوٰ کا مرتکب، اسلامی مملکت کے اس نظام کے علی الرغم، دوسرا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ مملکت کے نظام کے خلاف دوسرا نظام قائم کرنا کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ ۶

۷---ہر قسم کا سود مضاربت (کاروبار میں روپیہ لگا کر منافع لینا) یا مزارعت (زمین، بٹائی یا پٹہ پر دینا) سب ربوٰ ہی کی مختلف شکلیں ہیں اور اسلامی نظام کے خلاف، بغاوت کے مترادف۔ ۷

---

۱ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۸

۲ طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۷ء، صفحہ ۳۵

۳ طلوع اسلام، مئی جون ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۴

۴ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۲۶

۵ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۸۰ء، صفحہ ۳۱

۶ طلوع اسلام، فروری ۱۹۸۴ء، صفحہ ۲۳

۷ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۲۲

Marfat.com

بغاوت کی جملہ تعریفات نہایت وسیع الاطراف ہیں اور سب کی سب اشتراکیت کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے۔

تقطیع ایدی و ارجل ..... قرآن کریم نے، جرم بغاوت کی چار سزائیں پیش کی ہیں۔ جن کی تفصیل، خود پرویز صاحب کے مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہے۔

اس جرم کی سزا (۱) قتل کرنا (۲) صلیب دینا (۳) قطع ایدی وارجل (۴) جلاوطن کرنا (یا نظر بند کرنا) ہے۔ (۵/۳۳) عدالت، حسب حالات، جو سزا مناسب سمجھے، عائد کردے۔ [۱]

ان سزاؤں میں ''قطع ایدی وارجل من خلاف'' کے مفہوم کو، ''مفکر قرآن'' نے بایں الفاظ پیش کیا ہے۔

اس کے معنی ''الٹی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈالنا'' بھی ہو سکتے ہیں۔ [۲]

فرعون نے ان ساحرین کو، جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے، جن الفاظ میں دھمکی دی تھی، انہیں ''مفکر قرآن'' نے، اپنے ترجمہ کے ساتھ، ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لا قطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف (۲۶/۴۹) تمہارے ہاتھوں اور پاؤں میں ''الٹی ہتھکڑیاں ڈلواتا ہوں'' (یا انہیں کٹواتا ہوں)۔ [۳]

ایک اور مقام پر، آیتِ محاربہ میں ''تقطیع ایدی وارجل من خلاف'' کے اصل ترجمہ کے علاوہ، بین القوسین، یہ عبارت بھی موجود ہے

(یا انہیں الٹی ہتھکڑیاں یا بیڑیاں ڈال دی جائیں)۔ [۴]

لغات القرآن میں، آیت محاربہ میں موجود انہی الفاظ کا ترجمہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

اس میں قتل کرنے، صلیب دینے اور جلاوطن کرنیکے علاوہ، ایک سزا ''قطع ایدی وارجل'' کی بھی ہے، اس کے معنی ''الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید کردینے''

۱۔ طلوع اسلام، جون ۱۹۷۷ء، صفحہ ۳۸ ۔ ۲۔ قرآنی قوانین، حاشیہ، صفحہ ۱۹

۳۔ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۱۷ ۔ ۴۔ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۴۹

Marfat.com

کے بھی لیے جاسکتے ہیں۔ [1]

حرام ہے جو "مفکر قرآن" نے کہیں، ان معانی کا کوئی حوالہ پیش کیا ہو، یا کلامِ عرب میں سے کوئی نظیر پیش کی ہو، یا اس معنی کی حمایت میں، کسی کتابِ لغت سے کوئی سند پیش کی ہو، لیکن ساتھ ہی، بڑی بلند آہنگی سے یہ دعوی بھی کیا گیا ہے کہ:

> ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں، اس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے وہ معانی لیے گئے ہیں اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، اربابِ علم کے نزدیک، ان کی حیثیت مستند ہے۔ [2]

پھر آخر "الٹی ہتھکڑیاں یا بیڑیاں پہنا دینے" میں کیا خوبی وکمال پایا جاتا ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ اگر بچے کو الٹا کرتہ، الٹا پاجامہ، الٹا سویٹر پہنا دیا جائے، تو ممکن ہے کہ لوگ اس کارٹون کو دیکھ کر ہنس دیں، لیکن کیا اس ماں کو، لوگ، پھوہڑ، بدسلیقہ، اور بیوقوف نہ سمجھیں گے، جس نے بچے کو الٹا لباس پہنا دیا ہے؟ اگر کسی ملک کی پولیس، مجرموں کو الٹی ہتھکڑیاں اور الٹی بیڑیاں پہنا دے، تو اسے کیا سمجھا جائے گا؟ پاگل، بے وقوف یا مہذب وشائستہ؟

الٹی کے بعد اب سیدھی ہتھکڑیاں بھی ......تقطیع ایدی وارجل من خلاف کے مفہوم میں، الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں، پہنانے کے مفہوم کے بعد، "سیدھی ہتھکڑیاں ڈالنے" کا مفہوم بھی مذکور ہے۔

> قطع ید کے معنی ہاتھ روک دینا (ہتھکڑی ڈالنا) بھی ہوسکتا ہے۔ [3]

چلو، اچھا ہوا، کم ازکم اب سلیقہ وتمیز کے ساتھ سیدھی ہتھکڑیاں تو پہنائی جائیں گی، لیکن حیرت اس بات پر ہے، کہ قرآنی الفاظ تو چودہ صدیوں سے وہی ہیں، ان الفاظ میں سے "مفکر قرآن"، کبھی الٹی ہتھکڑیاں پہنانے کا مفہوم نکال لیتے ہیں اور کبھی "سیدھی بیڑیاں ڈالنے" کا۔ کیا قرآن کریم کے یہ الفاظ، واقعی متضاد معانی کے حامل ہیں؟ پھر ان متضاد معانی کو دیکھ

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۳۷۶ [2] لغات القرآن، پیش لفظ، صفحہ ۲۷

[3] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۱۷ (حاشیہ)

Marfat.com

کر خوشی بھی ہوتی ہے، کہ ہمارے ذہین وفطین ''مفکر قرآن'' جب، جہاں اور جس طرح کے مفاہیم چاہیں، قرآن سے انہیں برآمد کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں، خود، انہی کا فرمان ہے کہ

> جب کوئی قرآن کو مسخ کرنے پر اتر آئے تو اسے اس سے اپنی کون سی مصلحت کی سند نہیں مل سکتی۔ [۱]

اور صحیح مفہوم بھی...... حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ مجرموں کے ''ہاتھ اور پاؤں کو مخالف سمتوں سے کاٹ دیا جائے''، یعنی دایاں ہاتھ کاٹا جائے تو اس کے برعکس بایاں پاؤں کاٹا جائے، اور یہ وہ معانی ہیں، جن کا اعتراف، ''مفکر قرآن'' کو کرتے ہی بنی ہے، حالانکہ وہ دور خیز اور رکیک تاویلات میں بھی الجھے رہے ہیں۔ صحیح مفہوم درج ذیل اقتباسات میں ہے۔

۱---...... یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ [۲]

۲---...... یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں۔ [۳]

۳---...... یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ [۴]

فرعونی دھمکی پر مشتمل، قرآنی الفاظ **لا قطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم** کا ترجمہ بایں الفاظ کیا گیا ہے:

۴---...... ''میں ضرور ایسا کروں گا کہ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں، الٹے سیدھے کٹواؤں اور پھر کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا''۔ [۵]

حقیقت یہ ہے، کہ یہی آخری مفہوم، صحیح مفہوم ہے، رہے وہ دو مفہوم، جن کے مطابق، مجرموں کو کبھی الٹی بیڑیاں پہنائی جاتی ہیں اور کبھی سیدھی ہتھکڑیاں ڈالی جاتی ہیں، تو وہ صرف

---

[۱] طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۳ [۲] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۴۹۹

[۳] طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۱ء، صفحہ ۸ + اکتوبر، صفحہ ۳۵

[۴] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۸۱ء، صفحہ ۳۰

[۵] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۲۴۰

Marfat.com

مغرب کی طرف سے ''وحشیانہ سزاؤں'' کے الزام سے بچنے کے لیے، گھڑے جانے والے معانی ہیں، لیکن چونکہ قرآنی الفاظ اتنے واضح، غیر مبہم اور شفاف ہیں کہ یہ غلط معانی بیان کرنے کے باوجود بھی، ''مفکر قرآن'' ان کے قطعی، واضح اور صحیح مفہوم سے گریز واجتناب نہ کر پائے اس لیے انہیں صحیح مفہوم کا اعتراف بھی کرتے ہی بنی۔

سزائے بغاوت سے ایک غلط استدلال..... حرابہ کے جرم کی بیان کردہ چاروں سزاؤں سے انہوں نے ایک استدلال ان الفاظ میں بھی کیا ہے اس سے مقصود قطع ید کی ''وحشیانہ سزا'' سے جان چھڑانا ہے۔

> جرم بغاوت کی سزا میں قید یا جلاوطنی بھی شامل ہے ظاہر ہے کہ اگر بغاوت جیسے سنگین جرم کی سزا بہر حال ''ہاتھ پاؤں کاٹ دینا نہیں'' بعض حالات میں قید کی سزا بھی کافی سمجھی جا سکتی ہے تو چوری کے جرم کے متعلق یہ کیوں تصور کر لیا جائے کہ اس کی سزا قطع ید کے سوا، کچھ اور ہو نہیں سکتی۔[۱]

''مفکر قرآن'' کو اب یہ بات کون سمجھائے کہ جرم سرقہ کی سزا قطع ید کے سوا کچھ اور، اس لیے نہیں ہو سکتی کہ قرآن نے اس جرم کی صرف ایک ہی سزا قطع ید بیان کی ہے جبکہ جرمِ بغاوت کے متفاوت درجات کی بناء پر، اس کی چار سزائیں، خود قرآن نے مقرر کی ہیں تاکہ جس درجہ کی بغاوت ہو، اسی کے مطابق چاروں میں سے کوئی ایک سزا دی جا سکے (جیسا کہ ابتداء میں مولانا تھانویؒ کے تفسیری ترجمہ میں واضح کیا جا چکا ہے)۔

اب اگر کسی باغی کی بغاوت، اس درجہ شدید اور سنگین نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں کیونکہ اس نے عملاً نہ تو قتل ہی کیا ہے اور نہ ہی مال لوٹا ہے بلکہ صرف خوف وہراس پیدا کیا ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ قرآنی سزاؤں میں سے سب سے ہلکی سزا یعنی قید (نفی من الارض) ہی کا وہ مستحق ٹھہرے گا۔ لیکن چوری کی سزا تو ہے ہی وہ واحد سزا، جس میں تخییر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جرمِ بغاوت میں اگر کسی مجرم کو مخالف

---

[۱] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۵۱۰

Marfat.com

سمتوں سے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا نہیں دی جارہی ہے اور اس کی بجائے قید (نفی من الارض) کی سزا سے دوچار کیا جارہا ہے تو ہر صورت میں قرآنی سزا ہی پر عمل کیا جارہا ہے۔ اس کے برعکس جب چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی بجائے کوئی اور سزا دی جائے تو قرآنی حد سے تجاوز قرار پائے گا۔ کیونکہ کوئی اور سزا دیتے ہوئے ،جو فی الواقع مذکور فی القرآن نہیں ہے، اس پر عملدر آمد کرنے والی انتظامیہ، قرآنی تعلیمات سے متجاوز قرار پائیگی۔

معلوم نہیں کہ اسے جہالت کہا جائے یا تجاہل عارفانہ پر مبنی مغالطہ آرائی یا فریب دہی کہ بغاوت کی چار سزاؤں میں سے، اگر درجۂ جرمِ بغاوت کو ملحوظ رکھ کر، ہلکے درجے کی قرآنی سزا دیجائے، تو اسے اس بات کی دلیل بنالیا جائے کہ جرمِ سرقہ میں بھی قطع ید کے سوا، کوئی اور ہلکی سزا دی جاسکتی ہے۔

حدِّ بغاوت سے متعلق ایک استفسار...... ''مفکرِ قرآن'' قرآنی الفاظ ولم یصروا علی مافعلوا وھم یعلمون (۳/۱۳۵) سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> اس سے واضح ہے کہ قرآن میں جن سزاؤں کا ذکر ہے وہ آخری درجہ پر ''عادی مجرموں'' کے لیے ہیں یعنی جو بار بار ارتکاب کریں۔[۱]

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پانچ افراد، فرداً فرداً مختلف اوقات میں، مختلف انداز میں، جرمِ بغاوت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص اسلامی اساسات کے خلاف نہ صرف یہ کہ کچھ کہتا ہے، بلکہ ان کی تحقیر و استہزاء بھی کرتا ہے۔ دوسرا آدمی مملکتِ اسلامیہ کی مرکزی حیثیت ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اور مرکز سے لاتعلق رہتا ہے۔ تیسرا فرد مملکت میں قانون سازی کے اختیارات، اپنے ہاتھ میں لے کر ریاست در ریاست قائم کرتا ہے۔ چوتھا شخص مملکت میں ایسا نظام نافذ کرتا ہے جس میں سرمایہ کا معاوضہ لیا جاتا ہے، اور پانچواں آدمی مضاربت اور مزارعت کو رائج کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر شخص نے صرف پہلی بار ہی یہ باغیانہ امور انجام دیئے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی بار بار بغاوت نہیں کی۔ کیا ان پانچوں

---

[۱] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۸۱ء، صفحہ ۲۲

باغیوں میں سے ہر ایک کی پہلی مرتبہ کی یہ بغاوت، قابلِ معافی ہوگی؟

ظاہر ہے کہ یہ سب باغی "عادی مجرم" نہیں ہیں۔ حکومت کو ہر ایک کی بغاوت کو معاف کر دینا چاہیے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ فی زمانہ، آج کہیں بھی "قرآنی حکومت" نہیں ہے۔ گر کوئی حکومت، قرآن کی مخالفت کرتے ہوئے، انہیں سزائے بغاوت دے دے، تو یقیناً "مفکر قرآن" کو یہ اعتراض ہوگا کہ بغاوت کے یہ مجرم "عادی مجرم" نہیں ہیں، ان بیچاروں نے تو صرف پہلی مرتبہ ہی یہ بغاوت کی ہے، حکومت کو سزا دینے سے پہلے انتظار بھی کرنا چاہیے ور موقع بھی دینا چاہیے تھا کہ وہ بار بار بغاوت کر کے "عادی مجرم" بن جاتے تو پھر انہیں سزا یتی۔ لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ "مفکر قرآن" نے ولی خاں کے بارے میں، پنے "قرآنی اصول" کو ترک کر کے، حکومتی طرزِ عمل پر طنز کیا --- کب؟ جبکہ:

نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ ولی خاں نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۳ کو پشاور میں ایک تقریر کرتے ہوئے مبینہ طور پر کہا کہ:

اگر پاکستان کو مزید کوئی نقصان پہنچا تو ہم خسارے میں نہیں رہیں گے بلکہ ہمیں صرف یہ فرق پڑے گا کہ ہماری سرحد طورخم سے اٹک کے پل تک منتقل ہو جائے گی۔ (امروز لاہور، بابت ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۳)

اس کے جواب میں مرکزی وزیر قانون، مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے چوبیس اکتوبر کو راولپنڈی کی ایک تقریب میں کہا کہ --- "اگر ولی خاں نے آئندہ ایسی باتیں کیں تو انہیں کچل دیا جائے گا" --- (نوائے وقت، ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۳) [۱]

ں پر جناب "مفکر قرآن" نے بھرپور طنز کرتے ہوئے، فرمایا کہ

گویا پہلی بار کی اس قسم کی بغاوت خیز تقریر، قابلِ مواخذہ نہیں ہوتی۔ جب اسے دہرایا جائے تو پھر یہ اس قابل ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی کاروائی کی جائے۔ [۲]

کتنی بار جرم، اور پھر عادی مجرم؟...... کاش! "مفکر قرآن"، اپنی زندگی میں یہ بھی واضح فرما دیتے کہ کسی مجرم کو "عادی مجرم" کا مرتبہ پا لینے کے لیے کتنی بار جرم کرنا پڑتا ہے؟

---

۱ + ۲ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۷۴ء، صفحہ ۴۹

Marfat.com

باب چہارم

مرتد کی سزا

مرتد کی سزائے قتل بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سلف و خلف کے جمیع علماءِ امت متفق ہیں، لیکن برصغیر میں، سب سے پہلے، اس مسئلہ کی مخالفت، مرزا غلام احمد قادیانی نے کی تھی، چونکہ وہ خود مرتد تھا، اور مسلمانوں میں سے جو لوگ اس پر ایمان لائے تھے وہ بھی مرتد تھے، اس لیے ان لوگوں کا مرتد کی سزائے قتل کے خلاف ہونا، قابل فہم امر ہے، بلکہ ہر وہ شخص، جو دعوائے ایمان و اسلام کے ساتھ، کفر کا عملی رویہّ اختیار کرنا چاہتا ہے، دینِ حق کا دم بھرتے ہوئے، تہذیب مغرب کا پیروکار بنتا ہے، اسلامی معتقدات کو، افکارِ مغرب کے مطابق ڈھالتا ہے، اور اسلام کا نام لے کر، اسلام ہی کی مرمّت پر اُتر آتا ہے، وہ اگر مرتد کی سزائے قتل کی مخالفت کرتا ہے، تو اُس کی یہ مخالفت ناقابل فہم نہیں ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کے بعد، متنبّیٔ قادیان کے ایک ہم نام، غلام احمد پرویز نے بھی، یہی موقف اختیار کر کے، مرزائے قادیانی کی ہمنوائی کی، پرویز صاحب کا موقف یہ ہے کہ قرآن میں مرتد کی سزائے قتل کہیں مذکور نہیں۔ رہی، احادیث و سیر کی کتب، جن میں بکثرت واقعات میں، مرتد کی سزائے قتل مذکور ہے، تو اول تو وہ سند اور حجت نہیں ہیں اور دوسرے ان کی تاویل، یہ کی جاتی ہے کہ وہ دراصل، مجرّد، مرتد کی سزا نہیں، بلکہ ارتداد کے ساتھ، ان کی بغاوت یا محاربۂ خدا و رسول کی سزا ہے، چنانچہ ایسے واقعات میں، اتباعِ پرویز کی سخنسازی، یا تو یہ ہوتی ہے کہ کہیں سے صُغرے کُبرے ملا کر، ارتداد کے ساتھ، بغاوت کو بھی ''ثابت'' کر دیا جائے، اور کہیں ''محدث بن کر''، یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ایسی روایات، بجائے خود ضعیف ہیں، فلہٰذا ناقابل احتجاج ہیں۔

مغرب کی سیکولر تہذیب میں، چونکہ دین و مذہب ایک بے حقیقت اور متروک چیز ہے

Marfat.com

لہٰذا، وہ اپنے سیکولر مزاج کی بدولت، اِس سزا کو ایک ظالمانہ اور وحشیانہ سزا قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے خود، اپنی تہذیب کے اصول و مبادی کی روشنی میں، جو ''انسانی حقوق'' کا چارٹر تیار کیا ہے، اس کے اعتبار سے، اِس سزا کو ''انسانی حقوق'' کے منافی سمجھا جاتا ہے، توہینِ رسالت کا معاملہ ہو، یا مرتد کی سزائے موت کا، اہلِ مغرب، ایسی ہر سزا کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اس پر انہیں از حد خوشی ہوتی ہے کہ مسلم معاشروں میں ایسے غلامِ بے دام بھی موجود ہیں، جو اس سزا کی مخالفت میں، ان کے ساتھ ہم آواز اور ہم آہنگ ہیں۔

یہ ہمارا ایک عظیم المیہ ہے کہ حالتِ جنگ میں، اگر کوئی شخص، ایسی آواز بلند کرے، جو دشمن کے لیئے پسندیدہ و باعثِ مسرت ہو تو اس پر غداری کا فتویٰ لگا کر، اس کی تصویر کو غداروں کے چوکھٹے میں سجا کر، تاریخ کے ایوانوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، لیکن، اگر یہی دشمن کی ''بولی'' ، حالتِ امن میں بولی جائے، تو اسے رواداری اور وسیع الظرفی کا نام دیکر، نظر انداز کر دیا جاتا ہے، چنانچہ دورِ حاضر کے دانشور، ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلام کے نام پر ہی، اسلام سے انحراف کی راہ دکھائی جائے، اور لبادۂ دین ہی میں، بے دینی پھیلائی جائے، اور اس کے ساتھ، اسلام کے ہر مسئلہ میں شذوذ یا انکار وجود کی راہ اختیار کرتے ہوئے بھی، اپنے آپ کو نہ صرف یہ کہ مسلم معاشرے کے ساتھ وابستہ رکھا جائے، بلکہ اسلام کی علمبرداری (بلکہ صحیح تر الفاظ میں ٹھیکیداری) بھی کی جائے۔

مرتد کی سزا میں موقفِ پرویز......قتلِ مرتد کے خلاف، ان آیات سے استدلال کیا جاتا ہے، جو اس سزا کے نفاذ سے قبل نازل ہوئی تھیں اور جن میں صرف اخروی سزا مذکور ہے، مثلاً:

۱ --- ﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (آل عمران - ۸۴)

جو کوئی اسلام کے سوا، کسی اور دین کا خواہشمند ہوگا، تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ تباہ و نامراد ہوگا۔

۲ ---- ﴿ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوا
اَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَّجَاءَ هُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ
اُولٰٓئِكَ جَزَاءُ هُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ
خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ
تَابُوا مِن بَعْدِ ذَالِكَ وَاَصْلَحُوا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ ﴾

(آل عمران – ۸۵، ۸۶)

اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے، جو بعدِ ایمان کافر ہو جائے، حالانکہ اس نے گواہی دی کہ رسول برحق ہے، اور ان کے پاس، روشن دلائل آ چکے، اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا، اُن کی جزاء یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، ان کا عذاب کم نہ کیا جائے گا، نہ انہیں مہلت دی جائے گی، ماسواء ان کے، جنہوں نے بعد میں توبہ کی اور اصلاح کی، تو ان کے حق میں اللہ غفور رحیم ہے۔

ان دونوں آیات سے، استدلال کرتے ہوئے، یہ کہا گیا ہے:

ان کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ انہیں جرم ارتداد میں قتل کر دینا چاہیے...... [1]

اس کے بعد، اگلی آیت میں، یہ الفاظ ہیں:

۳ ---- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَن
تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَمَاتُوا
وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُّقْبَلَ مِن اَحَدِهِمْ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِافْتَدٰى بِه
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ..... ﴾ (آلِ عمران – ۸۹، ۹۰)

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، ایمان لانے کے بعد، اور پھر کفر پر بڑھتے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی، وہ گمراہ ہیں اور وہ جو کافر ہوئے، اور کفر ہی میں مر گئے،

---

[1] دو اہم مسائل (i) قتل مرتد (ii) غلام اور لونڈیاں، صفحہ ۳۰

Marfat.com

تو ان سے زمین بھر کے برابر، سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا، اگر وہ فدیہ کے طور پر دیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت سے یوں استدلال کیا گیا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد، کفر کی راہ اختیار کی (مرتد ہو گئے)، اور پھر اسی حالتِ کفر میں مر گئے (وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ) تو ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، دیکھئے، یہاں، ان کے طبعی موت مر جانے کا ذکر صاف طور پر موجود ہے، اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی، تو نہ ان کے کفر میں بڑھتے جانے کا ذکر ہوتا (کیونکہ جسے قتل کر دیا جائے، وہ کفر میں بڑھتا کیسے جائیگا؟ کفر میں ازدیاد تو اسی وقت ہوگا جب مرتد ہونے کے بعد، جیتا رہے) اور نہ ہی یہ لکھا ہوتا کہ وہ بحالت کفر مر جائیں گے۔ [1]

سورۃ النساء کی، اس آیت کو بھی، دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

۴ --- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴾

(النساء – ۱۳۷)

جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، اور اپنے کفر میں بڑھتے ہی گئے، اللہ نہ ان کو بخشنے والا ہے، اور نہ ان کی رہنمائی کرنے والا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں، تقریرِ استدلال، ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔

یہاں صرف ایک مرتبہ، مرتد ہو جانے کا ذکر نہیں ہے، دو بار ارتداد کا ذکر ہے، اسلام لائے، پھر مرتد ہو گئے، پھر اسلام لائے، پھر مرتد ہو گئے، اور اس کے بعد پھر اسلام نہیں لائے، بلکہ حالتِ کفر میں بڑھتے چلے گئے، ان کی بخشش نہیں

---

[1] دو اہم مسائل (i) قتل مرتد (ii) غلام اور لونڈیاں، صفحہ ۳۱، ۳۲

Marfat.com

ہو گی، آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کی رو سے، اسلام اور کفر کے دروازے، کس طرح آمد و رفت کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ [۱]

پھر سورۃ المائدہ کی وہ آیت بھی، انہوں نے اپنے موقف کے حق میں پیش کی ہے جس کا ترجمہ بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

۵ --- اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی مرتد ہو جائے تو (ایسے لوگوں کی جگہ) خدا ایک ایسی قوم پیدا کر دے گا جنہیں خدا دوست رکھے گا اور وہ خدا کو دوست رکھیں گے، مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے، لیکن دشمن کے مقابلے میں نہایت سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کر دے، اللہ اپنے فضل میں بڑی وسعت والا، علم والا ہے۔ [۲]

اس آیت سے استدلال کی تقریر یوں پیش کی گئی ہے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اسے جانے دو، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ایسے لوگوں کی جگہ، ہم ایسی قوم لے آئیں گے جو صحیح مومنانہ صفات کی پیکر ہوگی، اس آیت میں بھی کہیں نہیں لکھا کہ ان لوگوں کو قتل کر دو، قتل کرنا تو ایک طرف، رسول اللہ سے یہاں تک فرما دیا کہ اگر یہ ایسا کرتے ہیں تو کرنے دو، تمہیں ان پر پاسبان بنا کر تھوڑا بھیجا گیا ہے فَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا [۳]

اس کے بعد سورۃ النحل کی درج ذیل، آیات کو، قتل مرتد کی نفی میں پیش کیا گیا ہے۔

۶-۷ --- ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النحل - ۱۰۶)

---

[۱] دو اہم مسائل (i) قتل مرتد (ii) غلام اور لونڈیاں، صفحہ ۳۱، ۳۲

[۲] دو اہم مسائل (i) قتل مرتد (ii) غلام اور لونڈیاں، صفحہ ۳۱، ۳۲

[۳] دو اہم مسائل (i) قتل مرتد (ii) غلام اور لونڈیاں، صفحہ ۳۳، ۳۴

Marfat.com

جو شخص ایمان لانے کے بعد، اللہ سے کفر کرتا ہے--- وہ نہیں جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل، ایمان پر مطمئن ہو بلکہ--- وہ جس کا سینہ کفر پر کھل جائے، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اس آیت سے استدلال بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

یہاں صراحت سے مرتد کا ذکر ہے، اور ایسے مرتد کا، جو جور و اکراہ سے نہیں بلکہ اپنے دل کی کشادگی سے کفر اختیار کرتا ہے، قرآن نے کہیں نہیں لکھا کہ اس کی سزا موت ہے، اسے تیغ کے گھاٹ اتار دو، اس سے اگلی آیت میں اس کی وجہ بیان کی ہے۔

﴿ ذَالِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴾ (۱۶/۱۰۷)

''یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا''۔

...... قرآن نے کہیں یہ نہیں کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردن مار دی جائے، اور اس طرح انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام لا کر، پھر کفر کرنے کی سزا کیا ہو گی۔[۱]

موقفِ پرویز کا تفصیلی جائزہ...... قرآن کریم کی یہ آیات (اور ان پر مبنی استدلال) سورۃ النحل، سورۃ المائدہ، سورۃ النساء، اور سورۃ البقرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سورتوں کے زمانۂ نزول پر ایک نظر ڈالی جائے، تو ان پر مبنی استدلال کی حقیقت، نمایاں ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل امور، قابلِ لحاظ اور سزاوارِ غور و فکر ہیں۔

۱- تدریجی نزولِ قرآن اور حکمتِ نفاذِ احکام...... یہ امر معلوم و معروف ہے کہ قرآنی سورتوں کا نزول، یکبارگی نہیں ہوا، بلکہ تقریباً ۲۳ سال میں، حالات و مواقع کی

---

[۱] دو اہم مسائل (i) قتل مرتد (ii) غلام اور لونڈیاں، صفحہ ۳۶،۳۵

Marfat.com

نسبت سے بالاقساط ہوا ہے، اور کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ ایک سورہ کے مکمل نزول سے قبل، دوسری سورت کا نزول بھی شروع ہوگیا۔ تاہم اس تدریجی نزول میں، بالعموم آیاتِ تربیت و اصلاح اور احکامِ تزکیۂ نفس، مکی دور میں نازل ہوئے، اور احکامی اور قانونی نوعیت کی آیات مدنی دور میں نازل ہوئیں، جبکہ یثرب کی صورت میں ایک قطعہ زمین، تجربہ گاہِ اسلام بننے کے لیے میسر تھا۔

۲۔ سزائے ارتداد، مکمل اقتدار کے بغیر، ممکن ہی نہیں......ارتداد کی سزا چونکہ ہر شخص دینے کا مجاز نہیں، بلکہ ایک مکمل اقتدار و اختیار رکھنے والی حکومت ہی ایسا کرنے کی مجاز ہے، اس لیے جب تک حضور اکرم ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک کو ایسا مکمل اختیار نہ مل جاتا، یہ ممکن نہ تھا کہ سزائے ارتداد (قتل) کا نفاذ عمل میں آتا، اور آپ کو فی الواقعہ، مکمل اقتدار و اختیار فتح مکہ کے بعد ہی حاصل ہوا جیسا کہ خود پرویز صاحب کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔

فتح مکہ کے بعد، مسلمانوں کی حقیقی حکومت کی بنیاد پڑتی ہے۔ [1]

۳۔ مکمل اقتدار سے پہلے کی نازل شدہ آیات......پرویز صاحب نے جن آیات سے، استدلال کیا ہے، ان میں سے ہر سورت اور ہر آیت، (جس میں مستدلاتِ پرویز شامل ہیں) فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی تھی، جبکہ "مکمل اختیار" ابھی حضور اکرم کو ملا ہی نہ تھا، ان سورتوں کے زمانۂ نزول پر ایک نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کن حالات و مواقع پر، ان کا نزول ہوا، نیز یہ کہ آیا ان حالات میں، سزائے ارتداد کا نفاذ، عملاً ممکن بھی تھا؟

(الف)......**سُورۃُ النَّحل** کا دورِ نزول---مولانا مودودیؒ، کچھ شواہد کی بناء پر، اس کے دورِ نزول کے متعلق لکھتے ہیں۔

ان شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورہ کا زمانۂ نزول بھی مکے کا آخری دور ہی ہے، اور اس کی تائید، سورہ کے عام اندازِ بیان سے بھی ہوتی ہے۔ [2]

(ب)......سورۃ المائدۃ کا زمانۂ نزول---اس ضمن میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] معارف القرآن، جلد۴، صفحہ ۵۶۸

[2] تفہیم القرآن، جلد۲، صفحہ ۵۲۲

Marfat.com

سورہ کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد، ۶ ہجری کے اواخر یا ۷ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی تھی۔ [1]

سُورۃُ المآئِدَۃ کے زمانہ نزول کے بارہ میں، اگرچہ یہ درست ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد، ۶ ہجری کے اواخر یا ۷ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی تھی، لیکن داخلی شہادت، یہ بھی واضح کرتی ہے کہ اس کا کچھ حصہ، جنگ بدر سے بھی پہلے نازل ہو چکا تھا، کیونکہ جنگ بدر سے قبل، صحابہ کرامؓ کا جو اجتماع شوریٰ منعقد ہوا تھا، اس میں حضرت مقدادؓ بن عمرو کی تقریر میں یہ الفاظ بھی موجود تھے۔

يَا رَسُولَ اللهِ! اِمْضِ مَا اَمَرَكَ اللهُ فَاِنَّا مَعَكَ حَيْثُمَا اَحْبَبْتَ ، لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَ بَنُو اِسْرَاءِيْلَ يٰمُوسَى اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ وَلٰكِن اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا مَعَكُمْ مُقَاتِلُونَ مَادَامَتْ عَيْنٌ مِنَّا تَطْرُفُ [2]

یارسول اللہ! جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے، ادھر ہی چلیے، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں، جہاں بھی آپؐ جائیں، ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ، تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، نہیں ہم کہتے ہیں کہ چلیے آپؐ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں ہم آپؐ کے ساتھ لڑیں گے جبتک ہماری آنکھ گردش کر رہی ہے۔

اس تقریر میں فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ کا پورا جملہ سورۃ المائدہ ہی سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورہ یا کم از کم اس کا وہ حصہ (جس میں یہ آیت واقع ہے) جنگ بدر سے بھی قبل نازل ہو کر، اصحابؓ رسولؐ کے قلوب واذہان میں ثبت ہو چکا تھا۔

---

[1] تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۴۳۴

[2] بحوالہ تفہیم القرآن، جلد ۲، صفحہ ۱۲۴

Marfat.com

(ج)......سُورۃُ النِسَآءَ کا دَورِ نزول: سورۃ النساء، ان متعدد خطبات پر مشتمل ہے، جو۳ ہجری کے آخر سے لیکر ۴ ہجری کے آخر یا ۵ ہجری کے اوائل تک، مختلف اوقات میں نازل ہوتے رہے ہیں۔(دیکھئے تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۱۶)

(د)......سورہ اٰل عمران کا زمانۂ نزول: یہ سورہ چار تقاریر پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک کا زمانۂ نزول مختلف ہے۔

پہلی تقریر، آغاز سورت سے چوتھے رکوع کی ابتدائی دو آیات تک (یعنی آیت ۱ تا ۳۲ تک) ہے اور وہ غالباً جنگِ بدر کے بعد، قریبی زمانے ہی میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری تقریر، آیت اِنَّ اللہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر، اپنی رسالت کے کام کے لیے منتخب کیا تھا) سے شروع ہو کر چھٹے رکوع کے اختتام پر ختم ہوتی ہے (یعنی آیت ۳۳ تا ۶۳)، یہ ۹ ہجری میں وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی۔

تیسری تقریر، ساتویں رکوع کے آغاز سے لیکر، بارہویں رکوع کے اختتام تک (یعنی آیت ۶۴ سے آیت ۱۲۰ تک) چلتی ہے، اور اس کا زمانہ، پہلی تقریر سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی تقریر، تیرہویں رکوع سے ختم سورت تک (یعنی آیت ۱۲۱ تا ۲۰۰ تک) جنگ احد کے بعد نازل ہوئی ہے۔[1]

رہیں وہ آیات، جو پرویز صاحب کی بناءِ استدلال ہیں، تو وہ تیسری تقریر میں شامل ہیں، جن کا دورِ نزول، پہلی تقریر سے متصل، قریبی زمانہ ہے، یعنی جنگِ بدر کے بعد کا قریبی زمانہ۔

الغرض، سورتوں کے دورِ نزول پر، ایک طائرانہ سی نگاہ بھی، اس حقیقت کو واضح کر دیتی

---

[1] تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۲۲۸

Marfat.com

ہے کہ وہ دور اور اس کے حالات، بہرحال ایسے نہ تھے، جن میں ارتداد کی یہ سزا دینا ممکن ہوتی اور یہ بات، حکمتِ قرآن کے خلاف ہے کہ وہ بہت پہلے ایک ایسا حکم جاری کر دے جس پر عملدرآمد کئی سالوں بعد ہی ممکن ہو۔

جن حالات میں، یہ آیات نازل ہوئیں، ان میں، زیادہ سے زیادہ بس یہی ممکن تھا کہ ایمان اور کفر کے درمیان، آمدورفت کا مظاہرہ کرنے والے، اِن لوگوں کو تنبیہ کی جاتی اور انہیں، آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا، اور یہی کچھ کیا بھی گیا تھا۔

۴۔قتلِ مرتد - آیات کا سکوت یا سزا کی نفی؟......حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری آیات، دنیا میں، مرتد کو سزائے قتل دینے یا نہ دینے کے بارے میں ساکت وصامت ہیں، ان آیات میں، اگر مرتد کو "سزا دینے" کا ذکر نہیں تو "سزا نہ دینے" کا بھی ذکر نہیں ہے، یہ آیات، اس باب میں نفیاً یا اثباتاً خاموش ہیں۔ ان کی خاموشی سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ مرتد کی "سزائے قتل" سرے سے ہے ہی نہیں۔ بیش از بیش، جو کچھ کہنا ممکن ہے، وہ صرف یہ ہے کہ --- "ان آیات میں مرتد کی دنیوی سزا تو مذکور نہیں ہے، البتہ اُخروی سزا مذکور ہے" --- اور یہ ظاہر ہے کہ کسی فعل یا جرم کی اخروی سزا کا مذکور ہونا، یہ معنٰی نہیں رکھتا کہ اس کی دنیوی سزا ہے ہی نہیں۔ قرآن کریم میں قتل عمد کے بارے میں بھی (اور زنا کے بارے میں بھی، ایک جگہ) صرف اخروی سزا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> رہا وہ شخص، جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اُسکی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ [۱]

اس آیت میں، صرف، اُخروی عذاب کا ہی کا ذکر ہے، کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ قتلِ عمد کی دنیاوی سزا چونکہ اس آیت میں مذکور نہیں ہے لہٰذا، اس کی دنیاوی سزا ہے ہی نہیں؟ جس طرح، قتل عمد کی دنیاوی سزا کے لیے، خارج از آیت کسی مرجع کی تلاش ضروری ہے بالکل اسی طرح،

---

[۱] ترجمہ آیت، النساء - ۹۳، ماخوذ از تفہیم القرآن، جلد۱، صفحہ ۳۸۴

Marfat.com

قتلِ مرتد کی دنیاوی سزا کے لیے بھی، خارج از آیاتِ متذکرہ، تلاشِ مرجع ضروری ہے۔

"مفکرِ قرآن" کا خاصّہ مزاج...... "مفکرِ قرآن" کا یہ خاصّہ مزاج ہے کہ ایک مخصوص اصطلاح کی آڑ میں، وہ جس حقیقت کی تردید کرتے ہیں، اسی کا اعتراف وہ اپنی خود ساختہ اصطلاح میں کر ڈالتے ہیں، مثلاً، جس حقیقت کو علماءِ کرام "نسخِ آیات" کے نام سے مانتے ہیں، اسی حقیقت کو "مفکرِ قرآن" صاحب "عبوری دور کے احکام و آیات" کے نام سے تسلیم کرتے ہیں، کیا یہ بات قابلِ تعجب نہیں ہے کہ ایک ہی حقیقت کو، اگر علماءِ کرام، ناسخ و منسوخ کے حوالہ سے بیان کریں تو پرویز صاحب، اسے مضحکہ خیز قرار دیں، لیکن اگر اسی حقیقت کو، وہ خود، "عبوری دور کے احکام" کے حوالہ سے بیان کریں تو "مفکرِ قرآن" قرار پائیں۔

وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں تھی
تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

پھر وہ خود تو عمر بھر "ناسخ و منسوخ" پر زبانِ طعن دراز کرتے رہے، لیکن ناسخ و منسوخ کی حقیقت کو "عبوری دور کے احکام" کے لیبل کے تحت، تسلیم کرتے رہے ہیں۔ آخر یہ واضح تو کیا جائے کہ علماءِ کرام کے تصورِ ناسخ و منسوخ میں اور خود "مفکرِ قرآن" صاحب کے "عبوری دور کے احکام" کے تصور میں کیا جوہری فرق ہے کہ اگر اسے ایک نام سے موسوم کر دیا جائے تو ناقابلِ قبول قرار پائے، اور دوسرے نام سے پیش کیا جائے تو قابلِ قبول؟ کیا یہ محض، ایک لفظی نزاع نہیں ہے جس کی آڑ میں، "مفکرِ قرآن" صاحب نے، علماء کے خلاف، عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی بناء پر، عمر بھر، اکھاڑۂ بحث قائم کیے رکھا۔

قتلِ مرتد میں "مفکرِ قرآن" کی محض لفظی جنگ...... ٹھیک یہی حال، مرتد کی سزائے قتل کا بھی ہے، علماءِ کرام، مجرد ارتداد کو، براہِ راست، جرمِ واجب القتل قرار دیتے ہیں، لیکن "مفکرِ قرآن" صاحب اولاً ارتداد کو بغاوت قرار دیتے ہیں، اور پھر بغاوت کی سزا، قتل تسلیم کرتے ہیں، اور جس چیز کو وہ بغاوت کہتے ہیں، ٹھیک وہی چیز، علماء کے نزدیک، ارتداد ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص، اسلامی اساسات کے خلاف کچھ کہتا ہے، اور انہیں تحقیر و استہزاء کا نشانہ بناتا

Marfat.com

ہے تو یہی عملِ لسان، علماء کے نزدیک ارتداد کہلاتا ہے اور پرویز صاحب کے نزدیک ''بغاوت''۔ (قطع نظر اس کے کہ اس کے ساتھ، اعضاء و جوارح کے باغیانہ اعمال مقرون ہوں یا نہ ہوں) اس کی سزا بہر حال قتل ہی ہے۔

> اسلامی مملکت میں، اسلامی اساسات کے خلاف کچھ کہنا، یا ان کی تحقیر و استہزاء کرنا، مملکت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہوتا ہے۔[۱]

اس عبارت کو دیکھ لیجئے کہ اسلامی عقائد کی مخالفت کرنا، اور انہیں نشانۂ استہزاء و تحقیر بنانا ہی دراصل وہ جرم ہے، جسے علماء کرام ''ارتداد'' کہتے ہیں اور پرویز صاحب ''بغاوت''۔ یہ وہ بغاوت (یا ارتداد) ہے، جو صرف قول و بیان کی حد تک محدود ہے، عملاً باغیانہ کاروائیاں اس میں داخل نہیں ہیں، مملکت کے خلاف متوازی حکومت قائم کرنا، یا امن و امان کا مسئلہ کھڑا کرنا، یا ''قانون سازی کے اختیارات'' اپنے ہاتھ میں لینا، یا حکومت کا تختہ الٹ دینا، یا ''مضاربت اور مزارعت کو رواج دینا'' وغیرہ جیسی عملی کاروائی، اس ارتداد (یا بقول پرویز، بغاوت) میں داخل نہیں ہے، صرف اسلامی نظریات و معتقدات اور بنیادی افکار و ایمانیات، کی مخالفت ہی بجائے خود، وہ جرم ہے جو علماء کرام کے ہاں ''ارتداد'' اور پرویز صاحب کے نزدیک ''بغاوت'' ہے، اور قتل، متفق علیہ سزا ہے۔

اور یہی وہ بغاوت ہے جس کے علمبردار کے متعلق، خود ''مفکرِ قرآن'' صاحب فرماتے ہیں کہ

> حقیقت یہ ہے کہ جو بدبخت مسلمان، اسلامی حکومت کے خلاف، علمِ بغاوت بلند کر دے، وہ مسلمان رہتا ہی کب ہے۔[۲]

کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ محض، ایک لفظی جنگ تھی، جسے پرویز صاحب نے، محض ''مخالفتِ ملاں'' کی خاطر، عمر بھر، برپا کیے رکھی؟ وہ، حینِ حیات، اپنے قلم اور پھیپھڑوں کا

---

[۱] طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۸

[۲] طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۷۱ء، صفحہ ۳۶

Marfat.com

پرازور صرف کرتے ہوئے، مجرد ارتداد کی سزائے قتل کی مخالفت کرتے رہے، اور اس لفظی نزاع کی آڑ میں، وہ اس بات کو دہراتے رہے کہ عہد نبوت اور خلافتِ راشدہ میں، جن مرتدین کو بھی قتل کیا گیا، ان کا جرم ''ارتداد'' نہ تھا بلکہ ''بغاوت'' تھا، چنانچہ ایسے واقعات میں، وہ بغاوت کو ارتداد سے جدا کر کے، سزائے قتل کو صرف بغاوت ہی کی پاداش قرار دیتے رہے، نہ کہ ارتداد کی۔ اُن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ جہاں کسی مرتد کو عہدِ نبوی یا دورِ خلافتِ راشدہ میں، سزائے قتل دی گئی، تو اس سزا کو، وہ کسی نہ کسی طرح سزائے ارتداد کی بجائے، سزائے بغاوت قرار دیدیں، اور جہاں کوئی ایسی روایت بیان کی گئی، جس میں صرف اور صرف جرمِ ارتداد مذکور ہو، اور بغاوت کا نام ونشان تک نہ ہو، وہاں، اس روایت میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، اور اسے پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دینے کی کوشش میں، خون پسینہ ایک کر دیا جاتا ہے، یہ ہے وہ معیارِ تحقیق جسے ''مفکرِ قرآن'' اور ان کے اتباع نے اختیار کیے رکھا ہے۔

اب اگر ''مفکرِ قرآن'' اور ان کے مقلدین کو، یہ کہنا تکلیف دہ محسوس ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے، تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات کو ترک کر دینا، بجائے خود ایک بغاوت ہے جس کی سزا قتل ہے۔

مرتد کیا، بلکہ مرتد بنانے کی کوشش کرنے والا بھی، واجب القتل ہے

......حقیقت یہ ہے کہ منکرینِ حدیث، نہ حدیث وسنت ہی کو مانتے ہیں، اور نہ ہی قرآن کو۔ وہ، دراصل قرآن کا نام لے کر، اپنے ذاتی مزعومات ہی کو مانتے ہیں، چونکہ یہ ذہنی مزعومات، وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں، اس لیے، قرآنی حقائق واحکام بھی ساتھ ساتھ بدل جاتے ہیں، یہی وہ علت ہے جس کے باعث ''مفکرِ قرآن'' کا لٹریچر، وسیع خارزارِ تضادات بن کر رہ گیا ہے۔

اگر فی الواقع، یہ اپنے مزعومات کو ماننے کی بجائے، قرآن ہی کو مانتے ہوتے، تو مرتد کی سزائے قتل تو رہی ایک طرف، قرآن تو اس شخص کے قتل کا بھی روادار ہے جو کسی دوسرے شخص کو خطرۂ ارتداد میں ڈال رہا ہو، دلیل ملاحظہ فرمائیے اور آنکھیں کھول کر ملاحظہ فرمائیے۔

﴿ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ﴾ (الکھف — ۷۴)

Marfat.com

(موسیٰ) نے (اپنے ساتھی سے) کہا "کیا تو نے ایک بیگناہ کی جان لے لی؟"
آگے چل کر، "صاحب موسیٰ" نے، اس جان لینے کی علت، بایں الفاظ بیان کی۔

﴿ وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴾ (الکهف — ۸۰،۸۱)

رہا غلام، تو اُس کے ماں باپ، صاحب ایمان تھے، ہمیں خدشہ ہوا کہ وہ انہیں زبردستی کفر و سرکشی میں نہ دھکیل دے، ہم نے چاہا کہ ان کا رب، انہیں اس سے بہتر، پاکیزہ اور رحم والا بچہ عطا کرے۔

فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا کے الفاظ کی تشریح، خود پرویز صاحب نے بایں الفاظ کی ہے۔

اَرْهَقَ کے معنٰی ہیں "زبردستی سے کسی دوسرے کو ڈھانپ دینا (دیکھئے ۱۰/۲۶)، اب معنٰی واضح ہو گئے کہ وہ لڑکا خود مفسد (طغیانا) اور کفر شعار (کُفْرًا) تھا، لیکن اس کے ماں باپ مومن تھے، اس کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ وہ ماں باپ پر بھی زبردستی کرتا تھا۔ اس لیے خدشہ تھا کہ کسی دن، اس زبردستی سے، وہ، انہیں بھی اسی قسم کی سرکشی اور کفر میں اپنے ساتھ نہ ملا لے۔ [1]

اب یہاں دیکھئے، "صاحبِ موسیٰ" محض، اس خدشہ کے تحت، کہ کہیں کافر اور سرکش بیٹا، اپنے والدین کو، مرتد بنا کر، کفر و طغیان کے گڑھے میں نہ پھینک دے، اسے قتل کر ڈالتے ہیں، اور خود موسیٰ علیہ السلام، جب تک حقیقتِ حال سے بے خبر تھے، اس پر معترض تھے کہ "کیا تو نے ایک بیگناہ کی جان لے ڈالی؟"، لیکن جب "صاحبِ موسیٰ" نے اپنا وہ خدشہ بیان کیا، جو قتل کا محرک تھا، تو وقت کا اولوالعزم پیغمبر اور جلیل القدر رسول خاموش ہو گیا، حالانکہ وہ کہہ سکتے

---

[1] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۸۳

Marfat.com

تھے کہ ---''بندۂ خدا! یہ تو نے کیا غضب کر ڈالا کہ ابھی وہ چھوٹا سا لڑکا ہے، (جیسا کہ پرویز صاحب کے اقتباس بالا سے ظاہر ہے، اسے نوٹ کر لیجئے کہ وہ ''لڑکا'' ہے، نہ کہ کوئی بڑی عمر کا گھبرو جوان)، والدین کو ابھی اس نے اپنی زبردستی کا نشانہ بنایا ہی نہیں، اس کی سرکشی اور کفر کے ہاتھوں والدین ابھی تک محفوظ ہیں، مستقبل کے محض ایک اندیشے کی بناء پر، تم نے ارتکابِ جرم سے قبل ہی اسے قتل کر ڈالا، آخر یہ کیوں؟'' --- لیکن یہ کچھ کہنے کی بجائے، وہ ان کے اندیشۂ مستقبل کی بناء پر کی جانے والی کاروائی پر صاد کرتے ہیں، اور پھر ''صاحبِ موسٰی'' جن سے ملنے کا پتہ خود، اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، کوئی معمولی شخص نہ تھے، بلکہ بقولِ پرویز، وہ خود، خدا کے رسول تھے۔

جن صاحب سے، ان کی ملاقات ہوئی تھی، وہ خدا کے رسول تھے۔ ؎۱

اب ذرا صورتِ حال کو ملاحظہ فرمایئے! ''مفکرِ قرآن'' صاحب، اس واقعہ کی روشنی میں، ایسے آدمی کے تو قتل کرنے کے قائل ہیں جو کسی دوسرے کو مرتد کرنا چاہتا ہو، لیکن اگر کوئی آدمی، خود ارادۂ ارتداد سے آگے بڑھ کر، فعلِ ارتداد کا مرتکب ہو جاتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ

قرآن نے ارتداد کو جرم ہی قرار نہیں دیا۔ ؎۲

یعنی کسی دوسرے کو مرتد بنانے کا ارادہ کرنا، تو واقعی از روئے قرآن جرم ہے، لیکن خود، کسی کا ارادہ کرنا کیا معنٰی، بلکہ عملاً ارتداد تک کر گزرنا، جرم ہی نہیں ہے، یہ ہے وہ اسلام، جو قرآن کا نام لیکر، ''مفکرِ قرآن'' کی ''بصیرت'' اور ''عقل و دانش'' کی چھلنی سے چھن چھن کر منصۂ شہود پر آ رہا ہے۔

مسخِ حقائق کی کوشش...... یہاں ایک اور بات بھی قابلِ توجہ ہے، ہم نے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے، معارف القرآن کی عبارت کو استشہاداً پیش کیا ہے، لیکن جب معارف القرآن میں سے، حضرت موسٰی علیہ السلام کی سرگذشت کو، ''برقِ طور'' کے نام سے الگ پیش

؎۱ برقِ طور، صفحہ ۲۲۵

؎۲ دو اہم مسائل (i) ... (ii)، صفحہ ۲۵

Marfat.com

کیا گیا تو عبارتوں میں اس مقصد کے تحت ردوبدل کیا گیا کہ کوئی شخص، اس واقعہ سے، مرتد کی سزائے قتل پر استدلال نہ کر سکے، چنانچہ اس مقصد کے پیشِ نظر، آیات کے ترجمہ تک میں تغیر کیا گیا، مثلاً فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا کا دو مقامات پر ترجمہ کیا گیا ہے اور دونوں جگہ ہی غلط۔

(i) --- میں یہ دیکھ کر ڈرا کہ وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے، اُن کے لیے موجب اذیت بن جائے۔ [1]

(ii) --- ہمیں خوف ہوا کہ وہ بچہ کہیں کفر و سرکشی نہ اختیار کر لے۔ [2]

حالانکہ، ان الفاظ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

(۱) --- سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

(ترجمہ از حافظ نذر احمد)

(۲) --- پس ڈرے ہم، یہ کہ گرفتار کرے، ان کو سرکشی اور کفر میں۔

(ترجمہ از شاہ عبدالقادر)

(۳) --- تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ اُن کو کفر اور سرکشی پر چڑھا دے۔

(ترجمہ از احمد رضا خاں)

(۴) --- ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا، اپنی سرکشی اور کفر سے ان کو تنگ کرے گا۔ (ترجمہ از سید مودودی)

(۵) --- سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے۔ (ترجمہ از اشرف علی تھانوی)

ان سب تراجم سے ظاہر ہے، کہ "صاحبِ موسیٰؑ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں بیٹے کا کفر و سرکشی کا رویہ، جبراً ماں باپ کو بھی، ایمان کے راستہ سے ہٹا کر، کفر و سرکشی کے گڑھے میں نہ پھینک دے، اس لیے انہوں نے اس غلام کو قتل کر دیا۔

---

[1] برقِ طور، صفحہ ۲۲۲ [2] برقِ طور، صفحہ ۲۲۳

Marfat.com

غلام کا مفہوم...... ''مفکر قرآن'' نے اس واقعہ کو بے روح اور بے جان بنانے کے لیے، (تاکہ قتل مرتد پر استدلال نہ کیا جا سکے)، اس ''غلام'' کے بارے میں بھی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے تو اس لفظ کا غلط مفہوم پیش کیا، پھر، ان کے مستقبل کے ان عیوب و جرائم کو، جنکے بارے میں، صاحبِ موسیٰؑ کو خدشہ ہوا کہ وہ اپنے والدین کو بھی گمراہ کرنے کا باعث ہوگا، زمانۂ حال ہی میں، ان کے نامۂ اعمال میں رکھدیا، جہاں تک ''غلام'' کے معنیٰ ومفہوم کا تعلق ہے، پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ

> غلام، اسے کہتے ہیں، جس کی مسیں بھیگ رہی ہوں یعنی نوجوان، اور مجازاً پیدا ہونے سے لے کر، جوانی تک کی عمر کے لڑکے کو بھی غلام کہتے ہیں۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ پیدا ہونے سے ہی لیکر نہیں، بلکہ حالتِ جنین سے لے کر، بلوغ واحتلام کی عمر تک کا ہر فرد، غلام کہلاتا ہے، ان میں سے صرف مسّیں بھیگنے کی عمر کو اصلاً غلام کہنا اور باقی ہر حالتِ عمر کو مجازاً ایسا کہنا، ''مفکر قرآن'' کی قطعی بے اصل اور بے دلیل بات ہے۔ دیکھئے صرف ایک حوالہ۔

> مَا دام فی الرحم فهو : جنین جب تک بچہ رحم میں رہتا ہے، وہ جنین (کہلاتا) ہے۔
>
> فاذا ولد فهو: ولیدٌ جب وہ پیدا ہو جاتا ہے، تو ''ولید'' ہے۔
>
> ومادام لم یستتمّ سَبْعَة ایام ، فهو :صدیغ جب تک وہ سات دن کا نہیں ہو جاتا وہ صدیغ ہے۔
>
> ثم اِذا قطع عنه اللبن فهو : فطیم جب دودھ چھوٹ جائے، تو وہ فطیم کہلاتا ہے۔
>
> ثم اذا غلظ ، ذهبت عنه ترارة الرضاع فهو جَحُوَش جب وہ قدرے سخت ہو جاتا ہے اور دودھ پینے کے باعث، اعضا کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے تو

---

[1] برق طور، صفحہ ۲۲۴

Marfat.com

اسے جَحُوَش کہتے ہیں۔

ثم ھو اذا دَبَّ و نَمَا : دارج جب وہ گھٹنا شروع کرتا ہےاور قدرے بالیدگی پاتا ہےتو دارج کہلاتا ہے۔

فاذا بلغ طوله خمسة اشبار ، فهو: خماسی جب وہ پانچ بالشت کی لمبائی پالیتا ہےتو خماسی کہلاتا ہے۔

فاذا سقطت رواضعه ، فهو :مثغور جب اُس کے دودھ کے دانت گر جاتے ہیں تو وہ مثغور کہلاتا ہے۔

فاذا نبتت اسنانه بعد السقوط ، فهو مُتغِر (بالتاء والثاء) جب گرنے کے بعد، اس کے نئے دانت اُگ آتے ہیں تو وہ مُتَّغِرٌ یا مُثَّغِرٌ کہلاتا ہے۔

فاذا كاد يجاوز العشر السنين ، اوجاوزها ، فهو : مترعرع اوناشئ جب وہ دس سال کے قریب ہو یا اس عمر کو پھاند جائے، تو وہ مُتَرَعْرِعْ یا نَاشِیٌ کہلاتا ہے۔

فاذا كاد يبلغ الحلم اوبلغه فهو يافِعٌ و مُرَاهِق جب وہ قریب البلوغ ہو یا بالغ ہو جائے، تو یافع یا مراهق کہلاتا ہے۔ [1]

جنین سے لیکر، بلوغ تک ان تمام حالتوں میں سے کسی ایک حالت کے لیے بھی ''غلام'' کا نام بطور حقیقت اور اس کے علاوہ، باقی حالتوں کے نام بطور مجاز پیش نہیں کیے گئے ، بلکہ ان تمام مذکورہ بالا حالتوں میں سے جس حالت پر بھی ، ''غلام'' کا اطلاق کیا جائے گا، وہ اصلاً اور حقیقتاً صحیح ہوگا، نہ کہ مجازاً یا استعارۃً ۔ ان حالتوں کو بیان کرنے کے بعد، علامہ ثعالبی لکھتے ہیں :

وَاِسْمُهٗ فِي جَمِيْعِ هٰذِهِ الاحْوَالِ الَّتِي ذَكَرْنَاه : غلام [2]

اور ان تمام مذکورہ حالتوں میں، بچے کا نام غلام ہی ہے۔

---

[1] فقه اللغة للامام ثعالبی، صفحہ۹۰ تا صفحہ۹۱

[2] فقه اللغة للامام ثعالبی، صفحہ۹۱

Marfat.com

یہ ہے، پرویز صاحب کی لغوی تحقیق کا انداز، جس میں وہ ازخود، کسی لفظ کے عام مفہوم میں تخصیص پیدا کرتے ہیں اور خاص مفہوم میں تعمیم۔ متعدد معانی الفاظ میں سے، اپنی ضرورت کے تحت، کسی ایک مفہوم کو حقیقی قرار دیکر، باقی مفاہیم کو مجازی قرار دیتے ہیں، اور ''مفکر قرآن'' کے اندھے مقلدین، یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ --- ''پرویز صاحب نے لغات القرآن میں جو کچھ لکھا ہے، وہ معتبر کتبِ لغات ہی کی بنیاد پر لکھا ہے'' --- حالانکہ ان معتبر کتب کا نام استعمال کرتے ہوئے جگہ جگہ، انحراف کیا گیا ہے، زیر بحث مسئلہ میں غلام کے حقیقی مفہوم میں تحریف، صرف ایک نقد مثال ہے، اب جو شخص، عربی نہیں جانتا، اس بیچارے کو کیا معلوم، کہ ''مفکر قرآن'' نے حقیقت ومجاز کی آڑ لے کر، کہاں کہاں انحراف کیا ہے۔

تحریفِ واقعہ کی مزید کاوشِ پرویز...... حقیقت یہ ہے کہ قصہ موسیٰؑ میں، صاحبِ موسیٰ نے جس ''غلام'' کو قتل کیا ہے وہ بھی حالتِ بچپن یا لڑکپن کی عمر ہی میں تھا، اور یہ وہ عمر ہوتی ہے، جس میں بچہ ابھی ایمان وکفر اور طاعت وطغیان کا کوئی گہرا شعور نہیں رکھتا کجا یہ کہ اسے سرکش، باغی اور مفسد قرار دیا جائے۔

وہ بچہ تھا یا کہ نوجوان؟ خود ''مفکر قرآن'' اپنی سخن سازیوں کے باوجود، اس حقیقت کو چھپا نہ سکے کہ وہ بچہ ہی تھا چنانچہ وہ فَخَشِينَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا کی ادھوری آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں (اور یہ ترجمہ بھی صریحاً غلط ہے)۔

ہمیں خوف ہوا کہ وہ بچہ کہیں کفر وسرکشی نہ اختیار کرے۔[۱]

لیکن اس واقعہ کو اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے، پہلے تو، بچے کو ''نوجوان'' کے روپ میں پیش کرتے ہیں، اور پھر، اس کے کھاتے میں، وہ جرائم ڈالتے ہیں، جو (حال میں نہیں) بلکہ مستقبل میں، اس سے سرزد ہونے والے تھے، حالانکہ حالتِ قتل کے وقت، مقتول بچے کا دامن، ابھی ان جرائم سے آلودہ نہ ہوا تھا، لیکن وہ اس بچے کو مفسد وسرکش کے روپ میں، بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

---

[۱] برق طور، صفحہ ۲۲۳

وہ لڑکا ملک (یا شریعت) کے قانون کا منکر اور سرکش اور باغی تھا لیکن اس کے ماں باپ، قانون کے فرماں بردار اور امن پسند تھے۔اس کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ماں باپ پر بھی زبردستی کرتا تھا، اس لیے خدشہ تھا کہ کسی دن اس زبردستی سے وہ انہیں بھی، اس قسم کی سرکشی میں، اپنے ساتھ نہ ملا لے، اس لیے، اس کا قتل، اس کے فساد و سرکشی کے جرم کی بناء پر تھا، جو قانون کی رو سے بالکل جائز تھا، اور ضروری اس لیے کہ اگر اسے مہلت مل جاتی تو اندیشہ تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو بھی زبردستی، ان جرائم میں شریکِ کار بنا لیتا۔ تو قانون کی نگاہوں میں وہ بھی برابر کے مجرم قرار پاتے۔ [1]

اس اقتباس سے چند باتیں واضح طور پر، قابلِ غور و فکر ہیں۔

اولاً یہ کہ ----- جس وقت، صاحبِ موسیٰؑ نے اُس فرد کو قتل کیا جس پر حضرت موسیٰ مستفسر ہوئے تھے، کہ "کیا آپ نے بغیر کسی خون کے، ایک بیگناہ کی جان لے ڈالی؟" تو اس وقت وہ محض لڑکا تھا، وہ کوئی نوجوان نہیں تھا۔

ثانیاً یہ کہ----- "مفکرِ قرآن" نے یہ جو فرمایا ہے کہ --- "اس کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ماں باپ پر بھی زبردستی کیا کرتا تھا" --- قطعاً قرآن سے ثابت نہیں ہے، قرآن سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف یہ ہے کہ "صاحبِ موسیٰؑ" نے یہ خدشہ محسوس کیا کہ آئندہ یہ لڑکا ماں باپ کو کفر و سرکشی میں پھنسا دے گا۔ اَن یُرھِقَھُمَا کا مفہوم، مستقبل سے متعلق ہے نہ کہ ماضی سے۔ اور "صاحبِ موسیٰؑ" کو اس بات کا علم بھی اسی طرح ہوا تھا، جس طرح، دیوار اور غصبِ سفائن کا علم ہوا تھا، اپنے اس پیشگی علم کی بناء پر، جس طرح انہوں نے، کشتی کو عیب دار بنا کے، بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے محفوظ کر دیا اور دیوار کو سیدھا کر کے دو یتیم بچوں کے لیے باپ کے متروکہ خزانۂ مال کو محفوظ کر دیا، اسی طرح انہوں نے اپنے پیشگی علم کی بناء پر، لڑکے کو قتل کر کے، اس کے ماں باپ کو اس خطرۂ مستقبل سے محفوظ کر دیا

---

[1] برقِ طور، صفحہ ۲۲۴

Marfat.com

کہ وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں کفر وارتداد اور سرکشی وطغیان اختیار کریں، یہی وہ پیشگی علم تھا، جس کے متعلق، خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ

﴿ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾

اسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم دیا تھا۔

ثالثاً یہ کہ ----- پرویز صاحب نے، لڑکے کی حالیہ زندگی میں، اسے بالفعل مفسد و سرکش قرار دینے کے بعد، آئیندہ کے لیے جو خطرہ، اس سے متوقع تھا، وہ یوں بیان فرمایا کہ ---"خدشہ تھا کہ کسی دن، اس زبردستی سے، وہ انہیں بھی، اس قسم کی سرکشی میں اپنے ساتھ نہ ملالے" --- حالانکہ قرآنی الفاظ یہ ہیں کہ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا کہ وہ سرکشی اور کفر میں انہیں پھنسا دے گا، "مفکر قرآن" نے کفر کا لفظ چھوڑ دیا اور صرف سرکشی کا لفظ باقی رکھا، تاکہ "مرتد بنانے کا" استدلال نہ کیا جاسکے، یہ ہیں قرآنی تشریح و توضیح کے پرویزی حیلے۔

رابعاً یہ کہ ----- ازروئے قرآن، "صاحبِ موسیٰؑ" نے اسے اس لیے قتل کیا کہ وہ آگے چل کر اپنے مومن ماں باپ کو، اللہ کی سرکشی اور کفر میں پھنسا کر مرتد نہ بنا دے، لیکن "مفکر قرآن" نے، اس پیشگی علم کی نفی کرتے ہوئے، جس کی بنا پر، صاحب موسیٰؑ کی طرف سے تینوں معاملات میں صحت و مصلحت پر مبنی طرز عمل اختیار کیا گیا تھا، "صاحبِ موسیٰؑ" کے فعلِ قتل کو، مقتول کے ماضی سے منسوب کردہ جرائم کی بناء پر سند جواز پیش کی ہے اور یہ قرآنی الفاظ کی حدود سے صریح تجاوز ہے۔

الغرض، صاحبِ موسیٰؑ نے، جس مصلحت کے تحت، بچے کو قتل کیا وہ والدین کو سرکشی اور کفر وارتداد سے بچانا تھی، لیکن "مفکر قرآن" کی "احتیاط" کا یہ عالم ہے کہ سرکشی وفساد کے جرائم کا تو ذکر کیا ہے، لیکن کفر وارتداد کا نام تک نہیں لیا۔

واقعہ اور سزائے قتلِ مرتد...... یہ واقعہ، بہر حال، اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ صاحبِ موسیٰؑ نے (جو پرویز صاحب کے نزدیک، رسولِ خدا تھے) ایک بچے کو محض اس لیے قتل کر دیا

Marfat.com

کہ آگے چل کر کہیں وہ اپنے والدین کو کفر وطغیان میں پھنسا کر مرتد نہ بنا دے، اس واقعہ سے خواہ نبی اکرم ﷺ نے، استدلال واستنباط کرتے ہوئے، مرتد کی سزا، قتل قرار دی ہو، یا شارع کی حیثیت سے (جو آپ کی رسالت ہی کا ایک حصہ تھی) آپؐ نے ایسی سزا متعین فرمائی ہو، صورتحال خواہ کچھ بھی ہو، آپؐ کا استدلال واستنباط بھی، بحیثیت رسول تھا، اور آپ کی پیش کردہ یہ تعزیری عقوبت بھی بحیثیت رسول ہی تھی، کیوں کہ قرآن آپؐ کی حیثیت رسالت کو قرآن پہنچا دینے کی حد تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ آپؐ کو شارع بھی قرار دیتا ہے اور شارح بھی۔ پھر ان سب حیثیتوں سے آپؐ کی اطاعت کو، امت پر لازم بھی قرار دیتا ہے جس کا یہ تقاضا ہے کہ مرتد کی سزائے قتل کو تسلیم کیا جائے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ...... عین ممکن ہے کہ قصہ موسیٰؑ میں، صاحبِ موسیٰؑ سے ہمارے اس استدلال پر، منکرینِ حدیث کی طرف سے، یہ سوال اٹھایا جائے کہ سابقہ پیغمبروں کی کسی شریعت کے ہم آج پابند نہیں ہیں، لہٰذا کسی سابق نبی و مرسل کا یہ واقعہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ اگر یہ اصول، واقعی، آپ تسلیم کرتے ہیں تو اسے ہر جگہ تسلیم کیجیے، جہاں یہ اصول آپ کے لیے فائدہ مند ہو، وہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لینا، لیکن جہاں، یہ آپ کے مطلب کے خلاف پڑتا ہو، وہاں اسے رد کرنا، ایک منصف مزاج اور خدا پرست آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ ایک مطلب جُو اور ہوا پرست شخص کا کام ہے۔

تصویر حلال ہے کہ حرام؟ مجسمہ سازی جائز ہے یا ناجائز؟ ''مفکر قرآن'' اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ

> قرآن میں تصویر کی ممانعت کہیں نہیں بلکہ حضرت سلیمانؑ کے تذکار جلیلہ کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ ان کے پاس دور دراز ملکوں کے اجنبی صناع جمع تھے يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ (۳۴/۱۳) جو ان کی منشا کے مطابق، بڑی بڑی محراب اور عمارتیں اور تماثیل تیار کرتے تھے۔ تماثیل، تمثال کی جمع ہے اور تمثال میں، تصویر اور مجسمے دونوں شامل ہیں اب ظاہر ہے کہ جب (i)

Marfat.com

خدا کا ایک اولوالعزم رسول، تصاویر اور مجسمے تیار کراتا ہو، اور (ii) قرآن، اس کا ذکر کر رہا ہو، اور (iii) اس کی مخالفت کہیں نہیں آئی ہو، تو از روئے قرآن، تصویر کی مخالفت کیسے ہو سکتی ہے۔[1]

اس اسلوبِ استدلال پر چلتے ہوئے، اگر یہ کہا جائے کہ جب (i) صاحبِ موسیٰؑ (جو بقولِ پرویز صاحب، ایک رسول تھے) کسی کو مرتد بنانے کا ارادہ کرنے والے کو، وقوعِ جرم سے پہلے ہی قتل کر رہا ہو، اور (ii) قرآن اسے ذکر کر رہا ہو، اور (iii) کہیں قرآن، اس پر نکیر نہ کر رہا ہو، تو از روئے قرآن، کسی شخص کو اس اندیشے کے تحت، کہ وہ آگے چل کر، کسی کو مرتد بنا دے گا، کیونکر قتل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ طرزِ استدلال ''مفکرِ قرآن'' کے معیارِ استدلال کے عین مطابق ہے لیکن ہم یہاں تک نہیں جاتے کہ کسی متوقع جرم کے خوف پر، اُسے پیشگی قتل کر دیا جائے، بلکہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ --- اگر کوئی فی الواقع مرتد ہو گیا ہے تو اس کی سزا قتل ہے --- اور یہ اس لیے کہ رسول خدا ﷺ نے مرتد کو خود یہ سزا دی ہے، بغیر اس کے کہ اس کے جرمِ ارتداد کے ساتھ، جرمِ بغاوت (خدا اور رسول کے خلاف محاربہ) بھی مقرون ہو۔

اسوۂ رسول اور قتلِ مرتد..... مرتد کی سزائے قتل، ایک ایسی سزا ہے، جو قولاً اور عملاً دونوں پہلوؤں سے، حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، تاریخِ صدرِ اسلام میں کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جن میں ارتداد اور حرابہ و محاربہ کے جرائم ملے جلے ہیں۔ ان واقعات میں اگر قتل کی سزا دی گئی ہے، یا اگر مجرمین نے، ان جرائم کا ارتکاب، اجتماعی حیثیت سے کیا ہے، اور ان کے خلاف فوج کشی کی گئی ہے، اور انہیں اسلامی حکومت کی طرف سے قتل و قتال کا سامنا کرنا پڑا ہے، تو ایسے واقعات میں بعض لوگوں کو الجھن ہو جاتی ہے کہ یہ سزا فی الواقع، حرابہ و بغاوت کی سزا تھی؟ یا جرمِ ارتداد کی؟ جو لوگ، ارتداد کی سزائے قتل کے منکر ہیں، وہ ایسے واقعات میں سزاءِ قتل کو، سزائے حرابہ و بغاوت قرار دیتے ہیں۔ ان کا اصرار یہ ہے کہ جہاں حرابہ کے بغیر، محض ارتداد کی

---

[1] قرآنی فیصلے، جلد ۱، صفحہ ۱۸۹

Marfat.com

سزا دی گئی ہے، وہاں یہ سمجھ لیا جانا چاہیے کہ انہوں نے ضرور بالضرور بغاوت ومحاربہ کا جرم کیا ہوگا، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ان واقعات میں، وہ مذکور ہوتا۔ ایسے واقعات میں حرابہ و بغاوت کا مذکور نہ ہونا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ مجرم سے صرف جرم ارتداد ہی واقع ہوا ہے، ذیل میں چند وہ واقعات اور فرمودات رسول پیش کیے جا رہے ہیں جن میں صرف اور صرف، جرم ارتداد ہی مذکور ہے، اور اس کی سزاءِ قتل بھی۔

(۱) ----- سزائے قتل مرتد کا پہلا واقعہ:

..... حدثنا ابوبردہ عن ابی موسٰی قال اقبلت الی النبی ﷺ ومعی رجلان من الاشعریین احدھما عن یمینی والاخر عن یساری ورسول اللہ یستاك، فکلاھما سال فقال یا ابا موسٰی – او یا عبداللہ ابن قیس – قال قلت والذی بعثك بالحق ما اطلعانی علی ما فی انفسھما وما شعرت انھما یطلبان العمل فکانی انظر الی سواکہ تحت شفتہ قلصت فقال : لن – اولا – نستعمل علی علملنا من ارادہ ولکن اذھب انت یا ابا موسٰی – او یا عبداللہ ابنِ قیس – الی الیمن، ثم اتبعہ معاذ بن جبل، فلما قدم علیہ القی لہ وساوۃ، قال انزل، فاذا رجل عندہ موثق فقال ما ھذا؟ قال : کان یھودیًا فَاَسْلَمَ ثم تَھَوَّدَ قال : اجلس، قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ و رسولہ (ثلاث مرات) فامر بہ فقتل، ثم تذاکر قیام الّیل فقال اھدھما اما انا فاقوم وانام وارجو فی نومتی ما ارجو فی قومتی .[۱]

ابوبردہ نے ابوموسٰی سے روایت کیا، ابوموسٰی نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا، میرے ساتھ دائیں اور بائیں دو اشعری شخص تھے، اس وقت رسول اللہ مسواک فرما رہے تھے، دونوں نے آنحضرت ﷺ سے عہدے کی درخواست کی،

---

[۱] جامع صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین ....، باب حکم المرتدو المرتدۃ

Marfat.com

آپ نے فرمایا۔ اے ابو موسیٰ یا عبداللہ بن قیس! میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اس پروردگار کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ (پیغمبر بنا کر) بھیجا، انہوں نے اپنے دل کی بات، مجھ سے نہیں کہی تھی اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ دونوں شخص عہدہ چاہتے ہیں" ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ گویا کہ میں مسواک دیکھ رہا ہوں جو آپ کے ہونٹ کے نیچے، اٹھی ہوئی تھی، تو آپ نے فرمایا "جو کوئی خود عہدہ چاہے ہم اسے نہیں دیتے، لیکن اے ابو موسیٰ یا عبداللہ ابن قیس! تم خود یمن جاؤ" پھر میرے پیچھے، معاذ بن جبل کو بھیجا، جب وہ آئے تو میں نے ان کے لیے تکیہ لگایا اور کہا کہ بیٹھئے جبکہ ان کے پاس ایک آدمی بندھا ہوا تھا، پوچھا "یہ کون ہے؟" جواب دیا "یہودی، جو مسلمان ہوا اور پھر دوبارہ یہودیت اختیار کی" میں نے پھر کہا "بیٹھئے نا" معاذ نے کہا "میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک اسے اللہ و رسول کے فیصلے کے مطابق، قتل نہیں کیا جاتا (تین مرتبہ یہ فرمایا) پھر حکمِ قتل جاری ہوا اور اسے قتل کر دیا گیا، پھر وہ قیام اللّیل پر مذاکرہ کرتے رہے، ایک نے کہا "میں تو قیام بھی کروں گا اور سوؤں گا بھی، اور مجھے امید ہے کہ مجھے سونے پر بھی وہی اجر ملے گا جو قیام پر ملے گا"۔

جامع بخاری کی یہ روایت، یہودی کے اسلام لا کر، پھر مرتد ہونے پر، اس کے واجب القتل ہونے کی صریح دلیل ہے، ظاہر ہے کہ اس نے مجرد، ارتداد کا جرم کیا ہے، قتل، بغاوت، زنا بعد احصان، اسلامی حکومت کے متوازی حکومت قائم کرنا، راہزنی اور ڈکیتی کی مسلح وارداتوں کے ذریعہ، امن و امان کی صورتحال کو درہم برہم کرنا، یا مزارعت و مضاربت کے وہ اعمال، سرانجام دینا جو پرویز صاحب کے نزدیک، بغاوت ہیں، ان میں سے کسی عمل کا ظہور مجرم سے نہیں ہوا، بلکہ واحد جرم، جو اس سے سرزد ہوا ہے، وہ جرم ارتداد ہے، جس کی سزا، بصورتِ قتل دی گئی اور اسے اللہ اور رسول کا فیصلہ قرار دیا گیا۔

۲ ---- جامع بخاری ہی میں، عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت بھی موجود ہے۔

عن عبداللہ (ابن مسعود) قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل دم امرءٍ مسلمٍ یشھد ان لّا الٰہ الا اللہ وَانی رسول اللہ اِلا باحدیٰ ثلاث ، النفس بالنفس، والثیّب الزانی، والمارق من الدین والتارك الجماعة.[۱]

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے، کہ ''جو مسلمان آدمی، اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں، تو اس کا خون کرنا، بغیر تین صورتوں میں سے کسی ایک کے، درست نہیں، ایک یہ کہ کسی کو ناحق قتل کرے، اس کے قصاص میں (وہ قتل ہوسکتا ہے) دوسرے یہ کہ محصن ہوکر زنا کرے، تیسرے یہ کہ اسلام سے پھر جائے، مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دے۔

یہاں بھی، دین سے خروج اور جماعت اہل ایمان سے علیحدگی کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا، قتل بیان ہوئی، بالکل اسی طرح، جس طرح شادی شدہ زانی اور ناحق خون بہانے والے کی سزا، قتل بیان کی گئی ہے۔

۳۔۔۔۔۔سنن نسائی میں، درج ذیل روایت بھی مرتد کی سزائے قتل پر دلالت کرتی ہے۔

عن انس، ان ابن عباس قال قال رسول اللہِ ﷺ من بدّل دینه فاقتلوہ[۲]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جوکوئی اپنا دین بدل ڈالے، اسے قتل کردو۔

یہاں، یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے، کہ یہ روایت، ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جس میں حضرت انسؓ کی جگہ حضرت عکرمہؒ راوی ہیں۔ طلوع اسلام کو، مؤخر الذکر کے حوالہ سے آنے والی، ابن عباس کی روایت پر، اگرچہ ایک بیجا اعتراض ہے، لیکن اس وجہ سے، ہم

---

[۱] جامع صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ ان النفس بالنفس

[۲] سنن نسائی ، کتاب المحاربه، باب الحکم فی المرتد

Marfat.com

نے ابن عباس کی روایت کو حضرت انس کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ (یہ بیجا اعتراض، طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء کے صفحہ ۶۳ پر موجود ہے)۔

دوسری بات، جو پیشِ نظر رہنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ آپ کا یہ فرمان، اہل ایمان ہی کے لیے ہے، کیونکہ وہی آپؐ کے پیروکار اور فرماں بردار تھے، اور ان ہی کے لیے، ہر شعبۂ حیات میں، آپؐ کی حیاتِ طیبہ، اسوہ حسنہ تھی، اُن ہی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے تو اسے قتل کر دو، دین سے مراد دین اسلام ہے، مطلق ہر دین، اس سے مراد نہیں ہے، کیونکہ اسلام کی تو دعوت ہی، تمام کفارِ دنیا سے یہ ہے کہ وہ اپنا دینِ کفر چھوڑ کر، اسلام قبول کر لیں۔

۴ ---- حضرت ابنِ عمرؓ سے نسائی میں یہ روایت بھی موجود ہے۔

عن ابن عمر انَّ عثمانؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لایحل دم امرءٍ مسلم اِلا باحدی ثلاث، رجل زنی بَعْدَ احصانه فعلیه الرجم او قتل عمداً فعلیه القود او اِرتد بعد اسلامه فعلیه القتل [1]

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مسلمان شخص کا خون بہانا جائز نہیں، مگر تین میں سے کوئی ایک صورت ہو، کوئی شادی شدہ ہو کر زنا کرے تو اُس پر رجم ہے، یا عمداً قتل کرے تو اس پر بدلہ قتل ہے، یا کوئی اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر سزائے قتل ہے۔

۵ ---- حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی نسائی میں موجود ہے۔

قالت عائشة اما علمت ان رسول الله ﷺ قال لایحل دم امرء مسلم الارجل زنٰی بعد احصانه او کفر بعد اسلامه او النفس بالنفس [2]

---

[1] سنن نسائی، کتاب المحاربه، باب الحکم فی المرتد

[2] سنن نسائی، کتاب المحاربة، ذکر ما یحل به دم المسلم

Marfat.com

حضرت عائشہؓ نے فرمایا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مسلمان شخص کا خون بہانا جائز نہیں ہے، ماسوا ایسے آدمی کے، جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد، زنا کیا یا اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کیا، یا قتلِ نفس کے بدلہ میں، اس کا خون بہایا جائے۔

۶-----سنن ابی داؤد کا یہ واقعہ بھی، مرتد کی سزائے قتل کا واضح ثبوت ہے۔

عن ابن عباس کان عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح یکتب لرسول اللہ ﷺ فازلہ الشیطان فلحق بالکفار فَاَمَرَبِہٖ رسول اللہ ﷺ ان یقتل یوم الفتح فاستجارلہ عثمان بن عَفَّان فَاَجَارَہٗ رسول اللہ ﷺ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، رسولؐ اللہ کا کاتب تھا، شیطان نے اسے ڈگمگا دیا تو وہ (مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر) کفار سے جا ملا، رسولؐ اللہ، نے فتح مکہ کے دن، حکم دے رکھا تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے، عثمانؓ نے اس کے لیے حضورؐ سے پناہ طلب کی، پس حضور نے پناہ دے دی۔

شخصِ مذکور، اگرچہ مرتد ہو کر، کفار سے جا ملا تھا مگر مسلمانوں کے خلاف، کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوا۔ تاہم، چونکہ قریش کے ممتاز خاندان بنی امیہ کا فرد ہو کر اس نے ارتداد اختیار کیا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف بہتان تراشی میں یقیناً ملوث ہوا تھا، اس لیے حضور اکرمؐ اس پر سخت ناراض تھے، اور چاہتے تھے کہ فتح مکہ کے موقع پر، جن لوگوں کو لازماً قتل کیا جانا چاہیے، ان میں اسے بھی شامل رکھا جائے۔ مگر حضرت عثمانؓ، جو اس کے رضاعی بھائی تھے، آڑے آئے، اور حضورؐ نے محض، عثمانؓ کے پاسِ خاطر سے ضربِ سیف سے محفوظ رکھا، اس لیے اس کا جرم، صرف ارتداد تھا، رہا بہتان تراشی، تو وہ، بہرحال، ارتداد کے مقابلے، چھوٹا گناہ تھا، اس کے ساتھ، ان جرائم میں سے کوئی ایک جرم بھی ایسا نہ تھا جنہیں "مفکر قرآن" صاحب بغاوت

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فیمن ارتدّ

Marfat.com

ومحاربہ میں شامل کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود، اسے محارب اور باغی ثابت کرنے کے لیے، طلوع اسلام نے جو دلائل پیش کیے ہیں اسے بھی ایک نظر دیکھ لینا چاہیے۔

عبداللہ بن ابی سرح، رسول اللہ کا سیکرٹری تھا، اور وہ گمراہ ہو کر، دشمنانِ اسلام سے جا ملا تھا، کفارِ مکہ، اس وقت رسول اللہ ﷺ سے برسرِ پیکار تھے، اس کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ کسی بادشاہ کا سیکرٹری، اس سے برسر جنگ دشمن سے جا ملے، ظاہر ہے کہ دشمن سے مل کر وہ کیا کچھ نہ کرے گا، اس حیثیت سے تو وہ بدرجۂ اولیٰ، حارب اللہ و رسولہٗ کا مرتکب ہوا تھا۔[1]

اگر واقعی، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (یہی اس کا نام ہے، نہ کہ عبداللہ بن ابی سرح، جیسا کہ طلوع اسلام نے لکھا ہے) شریک محاربہ تھا، تو اس کا حوالہ دینا چاہیے تھا، میں نے حتی المقدور، اس امر کی کوشش کی، کہ شخص مذکور کے شریک محاربہ ہونے کی دلیل مل پائے، مگر مجھے نہیں مل سکی --- "دشمن کے ساتھ مل کر، وہ کیا کچھ نہ کرے گا" --- جیسی بدگمانیوں پر مشتمل، خودساختہ فقروں کو، اس کے محارب ہونے کی دلیل محض اس لیے تو نہیں مانی جا سکتی کہ

ع مستند ہے آپ کا فرمایا ہوا

۷----- حضرت عکرمہؓ، جو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور شاگردِ رشید تھے، خود بیان کرتے ہیں۔

اُتِیَ عَلیّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَھُمْ فَبَلَغَ ذَالِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا، لَمْ احرقھم لنھی رسول اللہ ﷺ وَلَقَتَلْتُھُمْ لِقَوْلِ رسول اللہ ﷺ مَن بَدَّل دِینَهٗ فَاقْتُلُوْهُ[2]

حضرت علیؓ کے پاس، بے دین لوگ لائے گئے، آپؓ نے ان کو نذرِ آتش کروا دیا، یہ خبر عبداللہ بن عباس کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو انہیں کبھی نہ

---

[1] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۳ء، صفحہ ۶۲

[2] جامع صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب حکم المرتد و المرتدة

Marfat.com

نذر آتش کرتا (دوسری طرح سزا دیتا) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے، مین ان کو قتل کر ڈالتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اسے قتل کر دو۔

بخاری کا یہ واقعہ، اس امر کو واضح کرتا ہے کہ تبدیلیٔ دین کی سزا، تو بہرحال ہے، یہ ایسا جرم نہیں ہے جس کی سزا ہی نہ ہو۔ حضرت علیؓ نے انہیں آگ میں جلایا، جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قولِ رسول کی بناء پر، احراق کی بجائے، ضربِ سیف کی بناء پر خون بہانے کے قائل تھے۔

۸ ---- نبی اکرم ﷺ کو بُرا بھلا کہنا، بدترین ارتداد ہے جس کی سزا بھی قتل ہے، حضرت عبداللہ بن عباس، عہد نبوی کا یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

ان اعمی کان علی عهد رسول الله ﷺ و کانت له ام ولد و کان له منها ابنان و کانت تکثر الوقیعة برسول الله ﷺ وتسبه فیز جرها فلا تنزجر وینهٰها فلا تنتهی فلما کان ذات لیلة ذکَرت النبیَّ ﷺ فوقعت فِیْه فلم اصبران قمت الی معول فوضعته فی بطنها فاتکأت علیه فقتلتها فاصبحت قتیلاً فذکر ذلك للنبی ﷺ فجمع الناس و قال انشد الله رجلالی علیه حق فَعل ما فعل الاقام فاقبل الاعمی یتدلدل فقال یا رسول اللهِ انا صاحبها کانت ام ولدی و کانت بی لطیفة رفیقة ولی منها ابنان مثل اللؤلؤتین ولکنها کانت تکثر الوقیعة فیك وتشتمك انهٰها فلا تنتهی فازجرها فلا تنزجر فلما کانت البارحة ذکر تك فوقعت فیك فقمت الی معول فوضعته فی بطنها فاتکأته علیها حتی قتلتها فقال رسول الله ﷺ الا اشهدوا ان دمها هدر. [1]

---

[1] سنن نسائی، کتاب المحاربة، باب ذکر فیمن سبّ النبی

Marfat.com

رسولؐ خدا کے زمانہ میں ایک اندھا جس کی ایک صاحب اولاد لونڈی تھی، اس کے دو بیٹے، اس کے بطن میں سے تھے۔ وہ اکثر، نبی اکرمؐ کی عیب گیری کیا کرتی تھی، اور (اپنے کفر و شرک کے سبب) گالیاں بھی دیتی تھی، اس کا اندھا مالک اسے منع کرتا مگر وہ باز نہ آتی، وہ اسے روکتا، تو وہ نہ رکتی، ایک رات، اس لونڈی نے، حضور اکرمؐ کا ذکر جو چھیڑا، تو پھر طعن اور مذمت پر اتر آئی، پھر مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں نے کدال (یا خنجر نما چھوٹی تلوار) لی اور اس کے پیٹ پر رکھدی، اور اپنا پورا بوجھ اس پر تکیہ کرتے ہوئے ڈال دیا، اور اسے قتل کر دیا، صبح ہوئی تو اس واقعہ کا ذکر نبی اکرمؐ تک پہنچا، لوگوں کو جمع کیا، تو آپؐ نے فرمایا، ''میں، اللہ کی قسم، ہر اس شخص کو دیتا ہوں، جس پر میرا حق ہے کہ جس نے بھی یہ کام کیا ہے، وہ کھڑا ہو جائے'' اس پر اندھا لڑکھڑاتے ہوئے سامنے آیا تو عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں اس لونڈی کا آقا ہوں، یہ ام ولد ہے، میرے ساتھ نہایت نرمی اور لطافت سے پیش آتی تھی، اس کے بطن سے میرے دو بیٹے ہیں جو موتیوں کی طرح (خوبصورت) ہیں مگر یہ عورت، آپ پر بہت طعن اور حرف گیری کیا کرتی تھی، اور آپ کو برا بھلا کہا کرتی تھی، میں اسے منع کرتا تو باز نہ آتی، ڈانٹ ڈپٹ کرتا، تو بے اثر رہتی، گذشتہ رات، آپ کا ذکر چھڑا تو پھر طعن و مذمت پر اتر آئی، میں اپنی کدال کی طرف لپکا، اسے اس کے پیٹ پر رکھا اور خود کو پورے بوجھ کے ساتھ اس پر ڈال دیا حتی کہ اسے قتل کر دیا''، تو رسولؐ اللہ نے فرمایا ''گواہ رہو کہ اس کا خون رائیگاں ہے''۔

عہد نبوی کے یہ واقعات اور احادیث، قتل مرتد پر شاہد عدل ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات اور معمولات، مرتد کی سزائے قتل پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہیں، پھر یہ تمام واقعات اور ارشاداتِ رسول وہ ہیں، جن میں صرف اور صرف ارتداد ہی کا جرم پایا جاتا ہے، اور یہ کہنے کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ ان کے جرائم میں کوئی باغیانہ طرز عمل بھی موجود ہے

Marfat.com

جو وجہ سزائے قتل قرار پائے۔

عہدِ نبوی کے بعد، اب خلافتِ راشدہ کے ان واقعات کو بھی ملاحظہ فرمایئے، جن میں مرتد کی یہی سزا (قتل) مذکور ہے، اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں مرتدین کو یہی سزا دی جاتی تھی۔

عہدِ ابی بکر اور قتلِ مرتدین...... حضرت ابوبکرؓ صدیق کا ابتدائی دور خلافت، مرتدین کی سرکوبی کا معرکہ آراء دور تھا، ان کی یہ معرکہ آرائی، مرتدین کو سزائے قتل دینے کی مضبوط ترین دلیل فراہم کرتی ہے۔ یہ معرکہ آرائی، قیادتِ ابی بکرؓ میں، اُن اصحابِؓ رسولؐ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچی جو آغوشِ نبوت کے پروردہ تھے، اور اس کاروائی کا آغاز، اس وقت ہوا جب سب صحابہؓ کو مرتدین کے خلاف جنگ کرنے پر، شرحِ صدر حاصل ہو چکا تھا۔

وجوہِ بطلانِ موقفِ پرویز...... منکرینِ حدیث، اس کاروائی کو ''مرتدین'' کی بجائے ''باغیوں'' کے خلاف کاروائی قرار دیتے ہیں۔ اس ساری ہنگامہ آرائی کو، جس کو فرو کرنے کے لیے، صحابہ کو تلواریں بے نیام کرنا پڑیں، ''ارتداد'' کی بجائے، ''بغاوت'' سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ اول کی لشکر کشی ''ارتداد'' کے خلاف نہ تھی، بلکہ ''بغاوت'' کے خلاف تھی۔ اُن لوگوں نے حکومت کا ''ٹیکس'' (زکوٰۃ) دینے سے انکار کر دیا تھا، اور وہ اسلامی ریاست میں، خود اپنی ایک ریاست قائم کرنا چاہتے تھے لیکن یہ توجیہ بوجوہ غلط ہے۔

اولاً ----- اس لیے کہ جن لوگوں کے خلاف جہاد کیا گیا تھا، وہ سب کے سب، نہ تو ایسے تھے کہ انہوں نے اداءِ زکوٰۃ سے انکار کیا تھا، اور نہ ہی ایسے تھے جو اپنی حکومت قائم کرنے کے خواہاں تھے، یہ سب لوگ مختلف النوع عناصر پر مشتمل تھے، مانعین زکوٰۃ میں سے بھی کچھ وہ تھے جو زکوٰۃ کی فرضیت یا اس کے رکنِ اسلام ہونے کے منکر نہ تھے، بلکہ وہ ایتاءِ زکوٰۃ پر آمادہ تھے مگر قبائلی عصبیت کی بناء پر، زکوٰۃ کو مرکز کے حوالے کرنے کی بجائے، اپنے قبیلے ہی پر صرف کرنا چاہتے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا کہ اسلام کی اساس پر، زمان و مکان کی حدود سے ماوراء، جس اخوتِ اسلامیہ اور امت مسلمہ کی تشکیل، پیشِ نظر تھی، اسے قبائلی تعصبات کی بھینٹ

Marfat.com

چڑھا دیا جاتا۔ ان مرتدین میں وہ بھی تھے، جو رسول خدا کی موت کو، نبوت کے منافی جان کر، مرتد ہو گئے تھے؛ وہ کہتے تھے کہ

لَو کَانَ مُحَمَّد نَبِیًّا لَمَامَاتَ [1]

اگر محمد نبی ہوتے تو ان پر موت نہ آتی

بعض لوگ، ان جھوٹے مدعیان نبوت پر، محض اپنی قبائلی عصبیت کی بناء پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو سچا تسلیم کرتے تھے، اور اپنے قبیلے کے مدعیان نبوت کو کاذب جانتے تھے، وہ خود محض قبائلی عصبیت کی بناء پر حق کے بجائے باطل کا ساتھ دے رہے تھے۔

اکثر بادیہ نشین جو قبائل ربیعہ میں سے، محض قومی عصبیت کے خیال سے، اس (مسیلمہ) کے ساتھ ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض صاف طور پر کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب ہے اور محمد (ﷺ) سچے ہیں، لیکن ربیعہ کا جھوٹا نبی، مضر کے سچے نبی سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔ [2]

ان دعوے داروں نے اگر اقتدار پانے کی جدوجہد کی تھی، تو ارتکابِ ارتداد کے بعد ہی کی تھی، بہرحال، ان مرتدین میں سے وہ لوگ بھی تھے جو پرامن تھے، اور بعض کا جرمِ ارتداد صرف اس حد تک تھا کہ وہ زکوٰۃ کے جمع و خرچ کو اپنے قبیلے کی حد تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔

ثانیاً ----- یہ کہ ایسے جملہ افراد کو صحابہ کرامؓ نے ''باغی'' کہنے کی بجائے ''مرتد'' ہی کہا تھا، ان کے خلاف کی گئی کاروائی کو ''فتنۂ بغاوت'' کہنے کی بجائے ''فتنۂ ارتداد'' کے سدّ باب کی کاروائی ہی کا نام دیا گیا تھا۔ خود ابوبکرؓ نے ایسے افراد کے لیے، جنہوں نے لقیط بن مالک الازدی کی نبوت کو تسلیم کیا تھا، ''مرتدین'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے، سالارِ فوج، عکرمہ بن ابی جہل کو، یہ فرمایا تھا کہ من لقیت من المرتدۃ بین عمان الی حضر موت والیمن فَنَکِّلِ بِہٖ ''عمان تا حضرت موت اور یمن کے درمیان، جن ''مرتدین'' کو بھی تم پاؤ،

---

[1] تاریخ الردۃ (خورشید احمد فاروق)، صفحہ ۲ + سنن نسائی، کتاب المحاربۃ، باب ذکر فیمن سبّ النبی

[2] تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۴۶

انہیں عبرتناک سزا دو"۔

ثالثاً ---- یہ کہ جن لوگوں نے اداءِ زکوٰۃ سے انکار کیا تھا، وہ خود مدینہ آ کر، اس رعایت کے طلبگار ہوئے کہ وہ پورے اسلام پر قائم رہیں گے، مگر زکوٰۃ کی جمع و تحصیل اور صرف وبذل کو، وہ مرکز کے ہاتھ میں نہیں دیں گے۔ بعض صحابہؓ بھی ان کی رائے سے متاثر تھے، اِن کی حمایت میں، خود حضرت عمرؓ نے خلیفۂ وقت سے یہ کہا تھا کہ آپ نرمی برتیں، تو ابوبکرؓ نے جواباً ایسی استقامت اور اعتماد کا مظاہرہ کیا کہ جملہ اصحابِؓ رسولؐ کے دل، جہاد کے لیے کھل گئے اور جان گئے کہ ابوبکرؓ کا فیصلہ صائب ہے۔ ابوبکرؓ کے الفاظ یہ تھے کہ

وَاللہِ لا قاتلن من فرّق بین الصلوۃ والزکٰوۃ [1]

خدا کی قسم! میں ان لوگوں کے خلاف ضرور جنگ لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفہ اول کی نگاہ میں، ان کا جرم، یہ نہ تھا کہ وہ ٹیکس دینے کے منکر تھے، بلکہ یہ تھا کہ وہ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتے تھے، اور اس طرح ایک رکن اسلام کو قبول کر کے، دوسرے رکن کو کماحقہ قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

"مطابقِ قرآن" تاریخ سازی کا ڈھونگ...... حقیقت یہ ہے کہ "مفکرِ قرآن" سے قبل، کسی مورخ، محدث، مفسر یا فقیہہ نے دورِ صدیقی کے مرتدین کو باغی قرار نہیں دیا۔ یہ سلسلہ، "مفکرِ قرآن" نے شروع کیا۔ تاکہ ہماری تاریخ "مطابقِ قرآن" ہو جائے۔ "مفکرِ قرآن" سب سے پہلے، قرآن کے گلے میں ایک خود ساختہ مفہوم مڑھتے ہیں اور پھر اس کے مطابق، وہ احادیثِ رسول اور تاریخِ اسلام کے حقائق میں چھان پھٹک کے ذریعہ محاکمہ فرماتے ہیں، اور ان امور و واقعات کو "مطابقِ قرآن" قرار دیتے ہیں، جو ان کے منسوب الی القرآن مفہوم کے مطابق ہوں اور وہ احادیث اور واقعاتِ تاریخ "خلافِ قرآن" طے پا جاتے ہیں، جو قرآن کے گلے مڑھے جانے والے مفہوم پر پورا نہیں اترتے۔ اس طرح نام تو قرآن کا لیا

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللہ: اقیموا الصلوۃ و اٰتوا الزکوٰۃ

Marfat.com

جاتا ہے، لیکن معیار و کسوٹی، دراصل وہ مفہوم ہوتا ہے جسے خود وہ خود قرآن کی طرف منسوب کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح، برصغیر پاک و ہند میں، جنم پانے والے ''عربی مفکر قرآن'' صاحب ''عجمی سازش'' کو ختم کرنے کے لیے عمر بھر ایسے ہی پاپڑ بیلتے رہے ہیں۔

''مفکر قرآن'' سے قبل، انکے استاذ محمد اسلم جیراجپوری صاحب، جو خود بھی فتنۂ انکارِ حدیث کے علمبرداروں میں سے ایک تھے، یہ جرأت نہ کر پائے کہ دورِ صدیقی کے مرتدین کو باغی بنا ڈالیں۔ ان کی کتاب ''تاریخ الامت'' کی دوسری اشاعت، ادارہ طلوعِ اسلام ہی کی مرہونِ منت ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۳ سے لیکر صفحہ ۵۰ تک اس فتنے کا تفصیلی ذکر ہے، جو خلافت کی ابتدا ہی میں پھوٹ پڑا تھا، اور جس کا انہوں نے مکمل سدّ باب کر ڈالا تھا، کسی جگہ بھی ''مصنفِ کتاب'' نے ان علمبردارانِ فتنہ کو باغی قرار نہیں دیا بلکہ جہاں بھی ذکر کیا، انہیں مرتدین کہہ کر ہی ذکر کیا۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

۱ --- جب یہ لشکر کوچ کرنے لگا تو آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔ اس وجہ سے یہ رک گیا، یہاں تک کہ آپؐ نے انتقال فرمایا، اسی کے بعد ہی سے قبائل عرب کے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہو گئیں، لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب جبکہ نو مسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں .... [۱]

۲ --- حضرت ابوبکرؓ کے عزمِ صادق کا اس موقع پر بھی ظہور ہوا۔ انہوں نے ان قبائل سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یعنی جب ہر طرف سے قبیلوں کے مرتد ہونے کی خبریں آنی شروع ہوئیں اور بعض قبائل کے فرستادے مدینہ پہنچ گئے۔ [۲]

۳ --- حضرت ابوبکرؓ جیش اسامہ کی واپسی کے منتظر تھے، جب یہ فوج واپس آ گئی تو اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے ان کی فوج کو بھی ان کے ساتھ چھوڑ

---

۱ تاریخ الامت، جلد ۲، صفحہ ۳۳

۲ تاریخ الامت، جلد ۲، صفحہ ۳۷

Marfat.com

دیااور خود صحابہ کی جمیعت لیکر مرتدین سے مقابلہ کے لیے نکلے۔ ۱؎

۴--- اس کے بعد، مرتدین عرب کے نام ایک اعلان عام بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مجھ کو تم لوگوں میں سے ان کا حال معلوم ہوا جو پہلے اسلام لائے تھے مگر اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے، انہوں نے اپنی نادانی سے، اللہ تعالیٰ کو پہچانا، اور شیطان کے فریب میں آ گئے...... ۲؎

۵--- آنحضرت ﷺ نے قبائل تمیم میں متعدد امراء مقرر کیے تھے، جن میں زبرقان بن بدر، قیس بن وکیع عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ بھی تھے، فتنۂ ارتداد میں، ان میں سے کوئی اسلام پر قائم رہا، کوئی مرتد ہو گیا، کوئی مذبذب تھا۔ ۳؎

۶--- بنی یربوع کی خواری کے بعد، قبائلِ تمیم عام طور پر، اسلام کی طرف پلٹ آئے اور جس طرح زمانۂ رسالت میں زکوٰۃ دیتے تھے، اسی طرح دربارِ خلافت میں بھیجنے لگے۔ ۴؎

۷--- جب اہل یمن کو آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ملی تو اسود عنسی کے بعض حامیوں نے پھر فتنہ برپا کیا، حضرت ابوبکرؓ نے وہاں کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم ان مرتدوں کے مقابلے میں جمے رہو، بہت جلد فوج بھیجتے ہیں۔ ۵؎

۸--- ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں، مختلف اطراف میں، مرتدین کے ساتھ ہوئیں اور سب میں مسلمان ہی غالب رہے۔

......ارتداد کی شورشیں، جو سارے ملک میں پھیل گئی تھیں، اس میں مسلمانوں کی جو حالت ہو گئی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود، اس کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

۱؎ تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۳۸
۲؎ تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۴۰
۳؎ تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۴۳
۴؎ تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۴۵
۵؎ تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۴۸

Marfat.com

فتنہَ ارتداد میں مسلمان بکریوں کے اس ریوڑ کے مانند تھے جو موسم زمستاں کی سرد رات میں برستے ہوئے پانی میں گھر سے باہر، بیاباں میں بے چرواہے کے رہ جائے۔[۱]

جب ''مفکر قرآن'' کے اپنے ''منکرِ حدیث'' استاد تک، دورِ صدیقی کے فتنہ کو ''فتنہَ ارتداد'' کی بجائے، ''فتنہَ بغاوت'' نہ کہہ پائے، تو کسی اور نے کیونکر اس فتنہ کو ''باغیوں کی شورش'' قرار دیا ہوگا، لیکن ''مفکر قرآن'' اور طلوعِ اسلام نے ہر قرآنی اصطلاح کا مفہوم بدل کر، تہذیبِ مغرب اور اشتراکیت کے مطابق کر ڈالنے کے بعد، احادیثِ رسول اور تاریخِ اسلام پر ہاتھ صاف کرنے کی جو سازش کی تھی، اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتے، تو یہ اُس ''عجمی سازش'' سے بھی سنگین اور گھناؤنی سازش ہوتی جسے وہ عمر بھر مطعون کرتے رہے ہیں، اس صورتحال میں قرآن بھی بازیچہَ اطفال بن کر رہ جاتا، اور کتبِ احادیث و تاریخ بھی، کیونکہ ان کی جانچ پڑتال کے لیے ''مفکر قرآن'' کے ہاتھوں بننے والا معیارِ صحت بھی اسی طرح بازیچہَ اطفال ہوکر رہ جاتا۔

''مطابقِ قرآن'' بنانے کی آڑ میں تاریخی حقائق کی مسخ وتحریف......طلوع اسلام کو چونکہ مرتد کی سزائے قتل تسلیم نہیں، اس لیے وہ ہر ایسے واقعہ میں، جہاں یہ سزا مذکور ہے، یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح، اسے ارتداد کی بجائے، جرمِ حرابہ و بغاوت کی سزا قرار دے ڈالے، چنانچہ ایسا کرتے ہوئے، طلوعِ اسلام نے بابت مارچ ۱۹۶۴ء کے صفحہ ۶۳ تا صفحہ ۶۵ پر، تین کتب سے اقتباسات پیش کرتے ہوئے، یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ خلیفہَ اول کی یہ فوج کشی، ارتداد کی نہیں بلکہ بغاوت کی بیخ کنی کے لیے تھی۔ یہ تینوں اقتباسات درج ذیل ہیں۔

اِنما قاتل الصدیق مانعی الزکوٰۃ لِاَنَّھُمْ اِمتنعوا بالسیف و نصبوا الحرب للامۃ (عینی شرح بخاری، جلد۱، صفحہ ۲۳۶) ''حضرت ابوبکرؓ نے

---

[۱] تاریخ الامت، جلد۲، صفحہ ۵۰

Marfat.com

مانعین زکوٰۃ سے اس لیے جہاد کیا کہ انہوں نے تلوار کے ذریعہ سے زکوٰۃ کو روکا اور مسلمانوں پر لڑائی کا بازار سرگرم کیا۔ ۱؎

یہ اقتباس، اپنے حوالہ کے مطابق محولہ مقام پر موجود نہیں یا ہمیں نہیں مل پایا، البتہ درج ذیل دونوں اقتباسات، محولہ مقامات پر مل گئے ہیں، ان میں سے پہلا اقتباس، بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

یہ لوگ، مختلف قبائل پر مشتمل تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، وہ جس پہلے جرم کے مرتکب ہوئے تھے، اسے علامہ ابن خلدون کی زبانی سنئے۔

فَوَثَبَ بَنُو ذبْيَان وَعَبس عَلٰى مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَفَعَلَ ذَالِكَ غَيْرُهُمْ مِنَ الْمُرْتَدِّيْنَ (تاریخ ابن خلدون، جلد۲، صفحہ ٦٦) ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سنتے ہی) قبیلہ بنوذبیان اور عبس نے، اپنے اپنے قبیلوں کے بقیہ مسلمانوں (جنہوں نے ان کے ساتھ مرتد ہونے سے انکار کر دیا تھا) پر پل پڑے، اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، دوسرے مرتدین نے بھی، اپنے اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ ۲؎

یہی اقتباس، اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، ان کا پہلا جرم یہ تھا کہ وہ خود مرتد ہوئے، اور دوسرا یہ کہ بقیہ مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ مرتد بنانے کی کوشش کی اور تیسرا یہ کہ جب مسلمانوں نے مرتد ہونے سے انکار کیا اور اپنے اسلام پر برقرار رہنا چاہا تو مرتدین، ان پر پل پڑے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا، اور ظاہر ہے کہ اس باغیانہ فعل کا ارتکاب، جرمِ ارتداد کے بعد واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد، دوسرا اقتباس، تاریخ طبری سے بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

مورخ طبری نے بھی تقریباً یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

فوثب بنو ذبیان و عبس علے من فیھم من المُسْلِمین و قتلوھم کل

۱؎ + ۲؎ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۳

Marfat.com

قتلة و فعل من وراء هم فعلهم (تاریخ طبری، جلد۴، صفحہ۱۸۷۷)[1]

ان دونوں اقتباسات کے سیاق وسباق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسی عبارت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر، انہیں غلط معنٰی پہنانے میں طلوع اسلام کو کس قدر مہارت حاصل ہے۔

تاریخ ابن خلدون کا پورا اقتباس مع ترجمہ درجِ ذیل کیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ارتداد کے فوراً بعد، مرتدین نے اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں کو قتل کیا تھا؟ یا خلیفۃ المسلمین کی فوج نے پہلے مرحلۂ قتال میں، جب مرتدین کو شکست دی تھی، تو اس ہزیمت کے ردعمل میں، مرتدین نے یہ حرکت کی تھی؟ اور پھر بعد میں، جو فوج کشی کی گئی، تو اس کے محرکات میں، ارتداد کی سزا دینے کے محرک کے علاوہ، قتلِ مسلمین کے انتقام کا محرک بھی شامل ہو چکا تھا۔

وَقد جاء الخبر بارتدادا لعرب عامّة وخاصّة الاقریشا و ثقیفاً و استغلظ امر مسلیمة واجتمع علی طلیحة عوام طی و اسد وارتدت غطفان و توقفت هوازن فَاَمْسَکُوا الصدقة وارتد خواص من بنی سلیم و کذا سائر الناس بکل مکان وقدمت رسل النبی ﷺ من الیمن والیمامة و بنی اسد ومن الامراء من کل مکان بانتفاض العرب عامة او خاصة وحاربهم بالکتب والرسل وانتنظر بمصاد متهم قدوم اسامة فعاجلته عبس و ذبیان ونزلوا فی الابرق نزل اخرون بذی القصّة ومعهم من بنی اسد و من انتسب الیهم من بنی کنانة و بعثوا وفداً الی ابی بکر نزلواعلےٰ وجوه من الناس یطلبون الاقتصار علی الصلوة دون الزکٰوة فابی ابوبکر من ذالك و جعل علی انقاب المدینة علیاً والزبیر و طلحة و عبدالله ابن مسعود واخذ اهل المدینة بحضور المسجد ورجع وفد المرتدین واخبروا قومهم بقلة اهل المدینة فاغاروا علی من کان بانقاب المدینة فبعثوا الی

---

[1] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۴

ابی بکر فخرج فی اهل المسجد علی النواضح فهر بوا والمسلمون فی اتباعهم الی ذی خشب ثم نفروا ابل المسلمین بلعباتٍ اتخذوها فنفرت ورجعت بهم وهم لا یملکونها اِلی المدینة ولم یصبهم شئ وظن القوم بالمسلمین الوهن فبعثوا الی ذی القصة یستقدمونهم ثم خرج ابوبکر فی التعبیة وعلی میمنة النعمان ابن مقرن وعلی میسرةٖ عبداللہ ابن مقرن و علی الساقة سوید بن مقرن و طلع علیهم من الفجر واقتتلوا فما ذرقرن الشمس الا وقد هزموهم وَغنموا معهم من الظهر و قتل حبال واتبعهم ابوبکر الی ذی القصة مجهز بها النعمان بن مقرن فی عدد ورجع الی المدینة و وثب بنو ذبیان و عبس علی من کان فیهم من المسلمین فقتلوهم و فعل ذالک غیرهم من المرتدین۔[1]

قریش اور ثقیف کے ماسوا، پورے عرب سے، عوام وخواص کے ارتداد کی خبریں آئیں، مسیلمہ کذاب کا معاملہ سنگین ہوگیا جبکہ قبیلہ بنی اسد اور طے کے لوگ، طلیحہ کی نبوت پر متفق ہو گئے، قبیلہ غطفان بھی مرتد ہوا، مگر ہوازن کے لوگوں نے توقف سے کام لیا اور اپنے صدقات روکے رکھے۔ بنی سلیم کے نمایاں افراد بھی مرتد ہوئے، اور یہی صورت ہر جگہ لوگوں میں پیدا ہوئی، اور نبی کریم ﷺ کے قاصد یمن، یمامہ بنی اسد سے اور ہر جگہ کے قبائلی سردار اس خبر کے ساتھ آئے کہ عرب میں عموماً اور خصوصاً علیحدگی کی خبریں ہیں۔ (خلیفۂ وقت نے) اگرچہ خطوط اور ایلچیوں کے ذریعہ (سرد) جنگ جاری رکھی مگر فوجی تصادم کے لیے وہ جیشِ اسامہ کی واپسی کے منتظر رہے، لیکن عبس اور بنو ذبیان نے جلد بازی سے کام لیا اور وہ ابرق کے مقام پر جمع ہوئے جبکہ دیگر لوگ ذی قصہ کے مقام پر اکٹھے

---

[1] تاریخ ابن خلدون، جلد۲، صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۶۶

Marfat.com

ہوئے۔ ان میں بنی اسد کے علاوہ، بنی کنانہ کے وہ لوگ بھی شامل تھے، جو بنی اسد سے انتساب رکھتے تھے، انہوں نے ابوبکرؓ کی طرف وفد بھیجا جو مدینہ کے چیدہ چیدہ افراد سے مل کر یہ مطالبہ کرتا رہا کہ انہیں زکوٰۃ کی رعایت دے کر، محض نماز کی حد تک وابستہ رہنے کی اجازت دی جائے، مگر ابوبکر نے انکار کر دیا اور مدینہ کے راستوں پر، علی، زبیر، طلحہ اور عبداللہ بن مسعود کو متعین کر دیا نیز اہل مدینہ کو مسجد میں حاضری کا پابند کیا (تاکہ بوقتِ ضرورت ان سے دفاع کا کام لیا جا سکے)۔ مرتدین کا یہ وفد ناکام لوٹا تو اپنی قوم کو مدینہ میں افرادی قوت کی قلت کی خبر دی، مرتدین نے مدینہ کے راستوں پر دھاوا بولا۔ متعین شدہ افراد نے ابوبکر کو اطلاع دی، وہ مسجد میں حاضر لوگوں کو لے کر، اونٹوں پر سوار وہاں پہنچے تو حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں نے ذی خشب تک ان کا تعاقب کیا تو دشمنوں نے بعض کھلونا نما اشیا کے ذریعہ مسلمانوں کے اونٹوں کو بدکایا، اونٹ بدکے تو انہوں نے بے قابو ہو کر مدینہ کی راہ لی، مسلمان بغیر کسی نقصان کا سامنا کیے واپس پہنچے، اس واپسی کو دشمنوں نے اہل اسلام کی کمزوری سمجھا اور ذی قصہ والوں کو بھی اقدامی جارحیت پر اکسایا، لیکن اس اثناء میں، ابوبکر لشکر کو ترتیبِ نو دیکر، اس طرح مدینہ سے نکلے کہ دائیں بازو پر نعمان بن مقرن، بائیں پہلو پر عبداللہ بن مقرن اور عقبی دستے پر سوید بن مقرن کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ وہ پو پھٹتے ہی دشمن پر آن پڑے، اور ابھی سورج کی ٹکیہ روشن نہ ہوئی تھی کہ دشمن شکست کھا چکا تھا، (طلیحہ اسدی کا بھائی) حبال قتل ہوا اور سواری کے جانور بطور مالِ غنیمت، مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ابوبکرؓ نے ذی قصہ تک ان کا پیچھا کیا اور نعمان بن مقرن کو پوری تیاری اور ساز و سامان کے ساتھ، وہاں چھوڑ کر واپس مدینہ آ گئے، پھر بنو ذبیان اور عبس بقیہ مسلمانوں پر، جو ان قبائل میں رہ گئے تھے، پل پڑے، انہیں قتل کیا اور یہی کچھ دیگر مرتدین نے بھی (اپنے اپنے قبائل میں) کیا۔

Marfat.com

اس اقتباس سے سلسلۂ واقعات کی جو کڑیاں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ----- وفاتِ رسول کے بعد، ارتداد کی بہت بڑی لہر اٹھی، مرتدین میں سے منکرینِ زکوٰۃ نے زکوٰۃ کے بارے میں جو رعایت مانگی، ابوبکرؓ نے انکار کر دیا، اور ساتھ ہی محسوس کیا کہ مرتدین کے کسی گروہ کی طرف سے مدینہ کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

(۲) ----- اس متوقع خطرہ کے پیشِ نظر ابوبکرؓ نے دو انتظامات کیے، اولاً، مدینہ کے راستوں پر پہرے دار بٹھا دیے، ثانیاً، اہلِ مدینہ کو مسجد میں رہنے کا پابند کیا، تا کہ فوری ضرورت کے وقت، ان سے دفاع کا کام لیا جاسکے۔

(۳) ----- دشمن مدینہ پر حملہ کرنے میں ناکام رہے وہ پہریداروں کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے، جب حضرت ابوبکرؓ کمک لیکر پہنچے تو دشمنوں کو مقامِ ذی حسب تک دھکیل دیا گیا۔

(۴) ----- یہاں، دشمنوں کی ایک جنگی چال کے باعث، مسلمانوں کے اونٹ بدک گئے اور وہ بے قابو ہوکر مدینہ کو واپس ہوئے، لیکن اہلِ مدینہ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔

(۵) ----- بعد ازیں، حضرت ابوبکرؓ، پوری تیاری کے ساتھ فوج لیکر نکلے اور دشمن کے مقام پر علی الصبح دھاوا بول دیا، نورِ آفتاب کے پھیلنے سے قبل، دشمن شکست کھا چکا تھا۔

(۶) ----- اس شکست کے بعد، دشمن نے بوکھلا کر، اپنے اپنے قبائل کے ان مسلمانوں پر قاتلانہ حملے کیے، جو اپنے اسلام پر برقرار رہ گئے تھے، تب اس کے بعد، ابوبکرؓ نے قسم کھائی، کہ وہ مرتدین سے بدلہ لیکر رہیں گے۔

یہ ہے اصل صورتحال، جس میں عبس اور ذبیان کے قبائل کا اپنے اپنے قبائل کے مسلمانوں پر حملہ کرنا، سلسلۂ واقعات کی فی الواقع، آخری کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے جسے طلوع اسلام نے، ابتدائی تمام کڑیوں کو نظر انداز کر کے (وفاتِ رسولؐ کے بعد) اسے اولین کڑی قرار دیا ہے۔

طلوع اسلام کی صحافتی خیانت یا دیانت؟......مورخ طبری نے بھی سلسلۂ

Marfat.com

واقعات کی بالکل یہی کڑیاں پیش کی ہیں لیکن طلوع اسلام کی ''دیانت و امانت داری'' ملاحظہ فرمایئے کہ جس طرح تاریخ ابن خلدون کا ادھورا اقتباس، سیاق و سباق سے کاٹ کر، واقعات کی ابتدائی کڑیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، آخری کڑی کو، وفاتِ رسولؐ کے بعد، اولین واقعہ قرار دیا گیا ہے، بالکل اسی طرح، یہی حربہ، تاریخ طبری کا اقتباس پیش کرتے ہوئے بھی اختیار کیا گیا ہے، لیکن طوالت کے خوف سے، تاریخ طبری کے اس حوالہ کو نظر انداز کرتے ہوئے: اردو کی ایک کتاب کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جو طلوع اسلام کی اس خیانت کا پردہ چاک کرنے کے لیے کافی ہے، چنانچہ مصنف کتاب، منکرینِ زکوٰۃ کی طرف سے، زکوٰۃ کی بابت، کیے گئے مطالبہ کو مسترد کیے جانے کے بعد کے واقعات کو، --- ''وفود کی ناکام واپسی اور مدینہ کی حفاظت کے انتظامات'' --- کے زیرِ عنوان، یہ تحریر کرتے ہیں کہ:

بارگاہِ خلافت سے مایوس ہو کر، یہ ارکان وفد، اپنے اپنے قبیلوں کی طرف، واپس ہوئے، یہاں مدینہ میں دیکھ ہی گئے تھے کہ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد، حضرت اسامہ کے ساتھ جا چکی تھی، اور یہاں تھوڑے سے صحابہ رہ گئے تھے، ان لوگوں نے اپنے قبیلوں کو آمادہ کیا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر حملہ کر دیا جائے، ادھر یہ لوگ یہ منصوبہ باندھ رہے تھے اور ادھر حضرت ابوبکرؓ نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے، مدینہ کی حفاظت و نگرانی کا بندوبست شروع کر دیا، آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ کبار صحابہؓ یعنی حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں، مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کر دیے، اور جو اہل مدینہ تھے، ان پر مسجد میں حاضر ہونا لازمی کر دیا تاکہ کوئی ہنگامی صورت اچانک پیدا ہو جائے تو ان کو فوراً اطلاع ہو سکے، اور سب کو خبردار کر دیا کہ ''اے مسلمانو! یہ وفد تمہاری قلتِ تعداد دیکھ کر گیا ہے، اس لیے تم نہیں جانتے کہ یہ صبح کو حملہ کر دیں یا شب میں، یہ لوگ مسافت کے اعتبار سے تو آخر تم سے قریب ہیں ہی، یہ لوگ ہم سے معاملہ طے کرنے اور بہت

Marfat.com

کچھ توقعات لیکر آئے تھے، لیکن ہم نے ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا ہے، اس لیے تم تیار ہو جاؤ اور ہوشیار رہو"۔

مدینہ پر شب خون ..... حضرت ابوبکرؓ کا جو اندیشہ تھا، وہ آخر صحیح ثابت ہوا، وفد کو ناکام گئے، ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ ان قبیلوں نے جو طلیحہ اسدی کے زیر اثر تھے، اپنے آپ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کیا، ایک حصہ مقام ذی حسیٰ میں چھوڑا، جو مدینہ کے قریب نجد کے راستہ میں واقع ہے، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ کمک کا کام دے، رہا دوسرا حصہ، تو اس نے مدینہ پر غارتگری کے ارادہ سے چڑھائی کر دی، مدینہ کی حفاظت پر، جو دستہ متعین تھا اس نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع پہنچائی۔ آپ نے حکم دیا کہ تم اپنی جگہوں پر رہو، اور ادھر آپ خود مسلمانوں کو اونٹنیوں پر لے کر گئے، باغی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ پڑے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا، باغی مقام ذوحسیٰ تک پہنچے تو جو لوگ، یہاں پہلے سے موجود تھے وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے، مسلمان اونٹنیوں پر ان کا تعاقب کرتے آ ہی رہے تھے کہ ذوحسی والوں نے کیا حرکت کی؟ چمڑے کے تھیلے جو ان کے ساتھ تھے، ان میں پھونک بھری، غبارہ کی شکل بنا کر ان میں رسیاں باندھ دیں اور اونٹوں کی طرف پھینک مارا، مسلمانوں کے یہ اونٹ، جنگ کی فریب کاریوں کے عادی نہ تھے، اس لیے بھاگ پڑے اور سیدھے مدینہ آ کر ٹھہرے۔

مدینہ پر حملہ کی تیاریاں ..... قبیلہ عبس وذبیان، نبومرہ اور بنو کنانہ وغیرھم، جو ان کے حلیف تھے، سمجھے کہ مسلمان پسپا ہو کر بھاگ گئے ہیں، اس لیے اب ان کا حوصلہ بڑھا، اور انہوں نے مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے ذوالقصہ (یہ مقام بھی مدینہ کے قریب، نجد کے راستہ پر ہے) والوں کو بھی پیغام بھیجا کہ ان کے ساتھ شریک ہو جائیں، طلیحہ کا بھائی (حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بھائی لکھا ہے) حبال ان کی قیادت کر رہا تھا، ادھر یہ لوگ، مدینہ پر حملہ کا خواب دیکھ رہے تھے اور ادھر حضرت ابوبکرؓ

Marfat.com

نے مدینہ واپس پہنچ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، آتے ہی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، باقاعدہ فوج کی ترتیب کی، فوج کے دائیں بازو پر نعمان بن مقرن کو، بائیں بازو پر عبداللہ بن مقرن کو، اور پچھلا حصہ، اُن کے بھائی سوید کے سپرد کیا، ابھی ایک پہر شب باقی تھی کہ روانہ ہو گئے، صبح کی پوپھٹی بھی نہیں تھی کہ دشمن پر جا پہنچے، یہ لوگ بے خبر آرام سے سو رہے تھے مسلمانوں نے تلوار چلانی شروع کر دی، یہ لوگ بدحواس ہو کر جو بھاگے تو ذوالقصہ میں دم لیا خلیفۂ رسول نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا لیکن اب ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے حضرت نعمان بن مقرن کو ان کے دستہ کے ساتھ ذوالقصہ میں چھوڑ کر خود مدینہ واپس تشریف لے آئے، یہاں مسلمانوں کی اس کامیابی پر جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد، پہلی مرتبہ حاصل ہوئی تھی، مسرت کی لہر دوڑ گئی، پھر اس پر مزید یہ کہ مختلف قبائل کے جو سردار مسلمان تھے، وہ اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچ گئے، اس سے جہاں مالی اعتبار سے تقویت ہوئی اور مسلمانوں کو امداد پہنچی، یہ بھی ثابت ہو گیا کہ باغیوں اور مرتدوں کی کثرت کے باوجود، متعدد بیرونی قبائل کے رؤساء پکے اور سچے مسلمان تھے، اس احساس نے خوشی دوچند کر دی......

عبس و ذبیان کی غدّاری ..... حضرت ابوبکرؓ کی ذوالقصہ سے واپسی کے بعد، قبیلہ عبس و ذبیان کا اور کوئی بس نہ چلا تو یہاں تھوڑے بہت جو مسلمان تھے، ان کو دھوکہ سے قتل کر ڈالا۔ صدیق اکبرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو قسم کھائی کہ جب تک وہ ان قبیلوں سے مسلمانوں کے خونِ ناحق کا بدلہ نہیں لیں گے، چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اسی اثناء میں، حضرت اسامہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ گئے تھے، اب حضرت ابوبکرؓ کو اور زیادہ اطمینان ہوا، آپ نے اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور فرمایا۔ اَرِیحُوا واستریحوا تم لوگ اب آرام کرو۔

ذوالقصہ کو روانگی..... اس انتظام سے فارغ ہو کر، آپ نے بنفس نفیس،

Marfat.com

ایک فوج لیکر ذوالقصہ کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا تا کہ غدّار قبیلوں کو ان کی غداری کی سزا دیکر، مسلمانوں کا انتقام لیں...... چنانچہ آپ اپنا لشکر لیکر، ذی حسی اور ذوالقصہ کی طرف روانہ ہو گئے، مقام ابرق میں، اہل ربذہ پر حملہ کیا، حارث اور عوف، یہاں کے لیڈر تھے، ان کو شکست دی، بنو عبس اور بنو بکر خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ حضرت ابوبکرؓ ابرق میں چند روز قیام فرمانے کے بعد، آگے بڑھے اور بنو ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا، اور آخر اس طرح عبس و ذبیان نے جن مسلمانوں کو شہید کیا تھا، ان کا انتقام لے کر، فتح و کامرانی کے پرچم اڑاتے ہوئے، مدینہ واپس آ گئے۔ [1]

یہ طویل اقتباس، اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جیشِ اسامہؓ کی مدینہ واپسی سے قبل، جو لشکر کشی کی تھی، وہ صرف، ارتداد کے جرم کی سزا دینے کے لیے تھی، کیونکہ اس وقت تک عبس و ذبیان کے قبائل تو رہے ایک طرف، کسی بھی قبیلے کے مرتدین نے، اپنے ہم قبیلہ مسلمانوں کو قتل نہیں کیا تھا لہٰذا اس وقت کی دربارِ خلافت کی طرف سے کی گئی عسکری کاروائی، بغاوت کے خلاف نہ تھی بلکہ فتنۂ ارتداد ہی کے خلاف تھی، بعد میں، جب عبس و ذبیان وغیرہ شکست سے دوچار ہوئے، تو اس شکست کے ردِعمل میں، انہوں نے اپنے ہم قبیلہ مسلمانوں کو قتل کیا کیونکہ وہ مرتدین کی دعوتِ ارتداد قبول نہیں کر رہے تھے۔ اس طرح ان مرتدین نے اپنے جرمِ ارتداد کے ساتھ، جرمِ محاربہ کو بھی جمع کر لیا تھا، اب وہ محض مرتد ہی نہ تھے بلکہ باغی بھی تھے۔

''قرآنی صحافت'' اور روزمرہ کی صحافت...... اُردو کے اس تفصیلی اقتباس سے بھی، اور تاریخ ابن خلدون کے طویل اقتباس سے بھی یہ امر واضح ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' اور طلوعِ اسلام، عبارات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر، پورے اقتباس سے مجموعی مفہوم اخذ کرنے کی بجائے، ادھورے اقتباس سے مفیدِ مطلب مفہوم برآمد کرتے ہیں، نیز اپنی مطلب برآری کے

---

[1] صدیق اکبرؓ، از مولانا سعید احمد اکبر آبادی، صفحہ ۱۷۴ تا صفحہ ۱۷۸

لیے قطع و برید، کتر بیونت اور مسخ وتحریف کا ہر ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں تاکہ حقائق کو توڑ مروڑ کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جائے حقیقت یہ ہے کہ ''مفکر قرآن'' کی یہ ''قرآنی صحافت''، ہمارے دور کی اس روزمرہ کی صحافت پر، کچھ بھی اخلاقی فضیلت نہیں رکھتی جس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں کہ

بھلے مانسوں کے معاشرہ میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی جھوٹ ثابت اور ظاہر ہو جائے، تو وہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرے گا، فرط ندامت سے اس کا برا حال ہوگا، دوبارہ جھوٹ بولنا تو ایک طرف، وہ محفل میں سچی بات کہنے سے بھی جھجکے گا کہ مبادا لوگ اسے بھی جھوٹ ہی نہ سمجھ لیں۔ اسے اپنا کھویا ہوا اعتماد دوبارہ حاصل کرنے کے لیے، اس جھوٹ کا بہت بڑا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

لیکن ہمارے ہاں ایک مخلوق بستی ہے جس کی کیفیت عجیب وغریب ہے اس مخلوق کا تعلق ہماری صحافت سے ہے، حالت یہ ہے کہ ایک اخبار میں ایک دن کوئی خبر شائع ہوتی ہے اور جس کے متعلق کوئی خبر شائع ہوتی ہے وہ دوسری صبح روتا چیختا، دہائی دیتا نظر آتا ہے کہ ''میں نے ایسا قطعاً نہیں کہا یہ خبر، میری طرف غلط منسوب کردی گئی ہے''۔

اس پر نہ اخبار کی طرف سے کوئی معذرت شائع ہوتی ہے، نہ کسی قسم کا اظہارِ ندامت۔ بلکہ دوسرے دن پھر اسی قسم کی ایک اور جھوٹی خبر بڑے دھڑلے سے شائع ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ مسلسل اور متواتر جاری رہتا ہے۔ اس افترا سازی کا کاروبار کرنے والے نامہ نگار ہوں، یا ایڈیٹر، وہ بڑے دھڑلے سے مجلسوں میں آتے ہیں۔ بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔ نہ ان کے چہرے پر کسی قسم کی ندامت کے آثار ہوتے ہیں، نہ آنکھوں میں شرمساری کی ذراسی بھی جھلک۔ اور جس بیچارے کے متعلق اس قسم کی خبریں شائع کی گئی تھیں، وہ ایک کونے میں محجوب و مرہوب دبکے بیٹھا ہے کہ اگر میں نے کچھ کہا تو نمعلوم یہ کل کو اور کیا کچھ نہ شائع

کردیں۔اس کے ہاتھوں نہ کسی بہو بیٹی کی عزت محفوظ ہے، نہ بہن اور بیوی کی آبرو مصئون۔ جس کے خلاف جی چاہا، ایک افسانہ وضع کر دیا اور پھر اسے نہایت رنگین سرخیوں کے ساتھ جلی حروف میں شائع کر دیا، اس کے تدارک کے لیے کہنے کو ازالۂ حیثیتِ عرفی کا ایک قانون ملک میں رائج ہے لیکن اس قانون کی رو سے انصاف حاصل کرنے کے لیے، جن زہرہ گذار مراحل میں سے گزرنا پڑتا ہے، اس کے مقابلہ میں ایک شریف آدمی، اسی میں عافیت سمجھتا ہے کہ خاموشی سے اس ذلت کو برداشت کر لیا جائے۔ اس سے اس مخلوق کے حوصلے اور بھی بڑھ جاتے ہیں--- یہ ہے ہماری صحافت۔ [1]

سوال یہ ہے کہ کیا کبھی طلوع اسلام اور ''مفکر قرآن'' نے بھی امانت و دیانت کو ملحوظ رکھ کر کسی کا ایسا اقتباس پیش کیا ہے جو سیاق و سباق سے کاٹا نہ گیا ہو، جس میں کانٹ چھانٹ نہ کی گئی ہو؟ کیا انہوں نے تاریخ ابن خلدون اور تاریخ طبری کے دونوں اقتباسات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش نہیں کیا؟ کیا انہوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے ادھورا اقتباس پیش نہیں کیا؟ ادھورے اقتباس سے جو صورتحال انہوں نے پیش کرنا چاہی ہے، کیا پورا اقتباس ایک دوسری ہی صورتِ واقعہ سامنے نہیں لاتا؟ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ''مفکر قرآن'' کی ''قرآنی صحافت'' بڑے دھڑلے سے ان ہی قلمی خیانتوں پر عمل پیرا ہے جن کا پردہ، علماء، کئی بار چاک کر چکے ہیں۔

عہد ابی بکر میں قتل مرتد کا ایک اور واقعہ..... عہد ابی بکرؓ میں ایک عورت مرتد ہوئی تو خلیفہ الرسولؐ نے اسے سزائے قتل دی۔ یہ واقعہ امام بیہقی نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے ہم اس حدیث کو ''تلخیص الحبیر'' میں سے پیش کر رہے ہیں۔

ان ابابکر استتاب امراۃ من بنی فزارۃ ارتدت البیھقی من طریق بن وھب عن اللیث عن سعید بن عبدالعزیز ان امراۃ یقال لھا ام قرفۃ

---

[1] طلوع اسلام، اپریل ۱۹۷۱ء، صفحہ ۶۳

Marfat.com

کفرت بعد اسلامہافاستتابھاابو بکر فلم تتب فقتلھا [1]

ابو بکرؓ نے بنی فزارہ کی ایک ایسی عورت سے توبہ کا مطالبہ کیا جو مرتد ہو گئی تھی بیہقی، نے اسے ابن وہب کے طریق سے لیث سے، اور لیث نے سعید بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت، جسے ام قرفہ کہا جاتا تھا، اسلام لانے کے بعد پھر کافر ہو گئی تو ابو بکرؓ نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جب اس نے توبہ نہ کی تو اسے قتل کر دیا۔

یہ روایت، اس امر میں بالکل واضح ہے کہ اس نے ارتداد کے سوا کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ واحد جرم، جو مذکور فی الحدیث ہے، جرم ارتداد ہی ہے، لیکن اس ارتداد کی جگہ بغاوت کا جرم، ام قرفہ کے کھاتے میں ڈالنے کے لیے المبسوط کے حوالہ کی صورت میں ڈوبتے ہوئے طلوع اسلام کو تنکے کا سہارا مل گیا۔

وام قرفہ کان لھاثلاثون ابناء کانت تحرضھم علی قتال المسلمین وفی قتلھا کسر شوکتھم (المبسوط - جلد ۱۰ - صفحہ ۱۱۰)

ام قرفہ کے تیس لڑکے تھے، جنہیں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارتی تھی، اس کے قتل سے اس کے لڑکوں کا زور ٹوٹتا تھا۔ [2]

قطع نظر اس سے کہ کسی عورت کے تیس بیٹے ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں، اور قطع نظر اس امر کے کہ صاحب المبسوط نے اس کا کوئی حوالہ بھی دیا ہے یا نہیں، اور قطع نظر اس کے صاحب المبسوط (محمد بن احمد ابو بکر سرخسی) پانچویں صدی کے عالم ہیں جو ۴۸۳ھ فوت ہوئے، ان سے پہلے کسی کو بھی ام قرفہ کے اس جرم کا علم نہ ہوا اور کسی کتاب میں یہ مذکور بھی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی کا اپنی اولاد کو قتال المسلمین پر اکسانا کیا واقعی محاربہ و بغاوت ہے؟ بغاوت تو یہ ہے کہ مرکزیتِ مملکتِ اسلامیہ کو تسلیم نہ کیا جائے، یا اسلامی مملکت کے اندر ہ کر ایک اور سٹیٹ کی تعمیر کی جائے

---

[1] تلخیص الحبیر، جلد٤، کتاب الردہ، تحتِ حدیث ١٧٤٣

[2] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ٦٦

Marfat.com

یامملکت سے ہٹ کرالگ اپنی قانون سازی کی جائے یا قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے، یا پرامن راستوں کوسکون وسلامتی سے محروم کیا جائے ،یاڈکیتی اوررہزنی کی وارداتوں سے خلق خداپرخوف وہراس کی کیفیت کومسلط کیا جائے ،یاحکومت کاتختہ الٹنے کی کوشش کی جائے۔آخر ان میں بغاوت کاوہ کونساجرم ہے جوام قرفہ سے صادرہواتھا؟محض اپنے گھرمیں اپنی اولادکومسلمانوں کے خلاف اکسانا،تواپنے نظریئے کے مطابق، اپنی اولادکی تربیت کرنے کا وہ حق ہے جوہرقوم کوحاصل ہے۔کیامسلمان اپنی تربیت اولادمیں،انہیں کفراورکفارکے خلاف ،قتال وجہادکی تعلیم نہیں دیتے؟پھرکیایہ بھی کفارکے خلاف بغاوت قرارپائے گی؟ایسی ہی ''مفکرانہ تشریحاتِ اسلام'' کفرکے ہاتھ میں،اسلام کے خلاف اسلحہ فراہم کرتی ہیں۔

قتلِ مرتد اوردورِفاروقی......عہدصدیقی کے بعددورفاروقی کے واقعات کوملاحظہ فرمایئے۔دورفاروقی کی ایک اہم نظیرطلوع اسلام ہی سے پیش کی جاتی ہے، جسے اس نے تردیداً پیش کیاہے۔

> حضرت عمروابن العاص، حاکم مصرنے حضرت عمرؓکوخط لکھاکہ ایک شخص اسلام لایاتھاپھرکافرہوگیا،پھراسلام لایاپھرکافرہوگیا،یہ فعل وہ کئی مرتبہ کرچکاہےاب اس کااسلام قبول کیاجائے یانہیں؟حضرت عمرؓنے جوابدیاکہ جب تک اللہ اس سےاسلام قبول کرتاہےتم بھی کیے جاؤ۔اس کےسامنےاسلام پیش کرو،مان لے، توچھوڑدو،ورنہ گردن ماردو(مرتدکی سزا -صفحہ۱۸) [۱]

اس مشہورواقعہ کاجس میں مرتدکی سزاصریحاًقتل ثابت ہوتی ہے،طلوع اسلام نے جو تردیدی جواب دیاہے،اسے بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

> کیایہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓاس فرمان خداوندی کے خلاف فیصلہ دیتے ان الذین امنواثم کفرواثم امنواثم کفرواثم ازدادواکفرالم یکن اللہ لیغفرلھم ولیھدیھم سبیلا (۴/۱۳۷) [۲]

---

[۱] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۶ [۲] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۶

Marfat.com

یقیناً حضرت عمرؓ کسی بھی فرمانِ خداوندی کے خلاف فیصلہ نہ دے سکتے تھے۔ اس آیت میں صرف اخروی سزا بیان کی گئی ہے۔ رہی دنیاوی سزا تو یہ آیت نفیاً یا اثباتاً اس بارے میں کچھ نہیں کہتی۔ یعنی اس آیت میں نہ تو یہ مذکور ہے کہ فلاں سزا (مثلاً قتل) مرتد کو دنیا میں دی جائے اور نہ ہی یہ مذکور ہے کہ فلاں سزا (مثلاً قتل) مرتد کو نہیں دی جائے گی۔ آیت مرتد کی دنیاوی عقوبت کے بارے میں ساکت وصامت ہے۔ وہ جس چیز کو بیان کر رہی ہے، وہ اخروی سزا ہے۔ حضرت عمرؓ نے، بہر حال، جو دنیاوی سزا (گردن ماردو) کے فرمان سے دینے کی ہدایت کی ہے وہ آیت سے کوئی تصادم نہیں رکھتی ؟ اور نہ ہی کسی آیت میں اخروی سزا کے مذکور ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس جرم کی دنیاوی سزا ہے ہی نہیں۔ اسی سورۃ النساء میں قتل عمد کی اخروی سزا آیت (۴/۹۳) میں مذکور ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قتل عمد کی دنیاوی سزا چونکہ مذکور نہیں ہے لہٰذا ایسی کوئی سزا وجود ہی نہیں رکھتی قطعی غلط ہے۔ جس طرح قتل عمد کی اخروی سزا بیان کرنے کے باوجود، دنیاوی سزا، خارج از آیت کسی اور مقام سے لی جائے گی بالکل اسی طرح مرتد کی زیر بحث آیت، میں اخروی سزا کے مذکور ہونے کا بھی، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مرتد کی کوئی دنیاوی سزا ہے ہی نہیں۔ بلکہ اس دنیاوی سزا، کا حکم کسی اور مقام سے لیا جائے گا اور ہم قرآن ہی سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، وہ مرتد کو قتل کرنا تو رہا ایک طرف، بلکہ کسی کو مرتد بنانے کے خوف واندیشہ کی بناء پر، اسے قتل کر دینے کو (بقول پرویز صاحب) ایک رسول کا طرز عمل قرار دیتا ہے اور دوسرا رسول، اس پر صاد کرتا ہے اور ہمیں بہر حال انبیاء کی اقتداء کا یہ کہہ کر حکم دیا گیا ہے کہ فبھدا ھم اقتدہ" ان کی ہدایت کی آپ بھی پیروی کریں" ہمارے پیغمبر محمد ﷺ نے بہر حال ہمیں خوف واندیشے کی بناء پر قتل کرنے کی بجائے عملاً ارتداد اختیار کر لینے والے ہی کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ورنہ اگر کوئی واقعی قرآن بلا محمد ﷺ ہی کا قائل ہے تو اسے قرآن کی پیروی میں آگے بڑھ کر محض خوف واندیشے کے پیش نظر ہی اس شخص کو قتل کر دینا چاہیے جو کسی کو مرتد بنانا چاہتا ہو۔

قتلِ مرتد اور فاروقی دور کی دوسری نظیر..... دورِ فاروقیؓ کی دوسری نظیر بھی ہم طلوع

Marfat.com

اسلام ہی سے پیش کررہے ہیں، جسے سابقہ نظیر کی طرح انہوں نے (استشہاداً نہیں بلکہ) تردیداً ذکر کیا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص اور ابوموسی اشعریؓ نے تستر کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ قاصد نے حضرت عمرؓ کے پاس حالات کی رپورٹ پیش کی۔ آخر میں حضرت عمرؓ نے پوچھا ''کوئی اور غیر معمولی بات؟'' اس نے عرض کیا ''ہاں اے امیر المومنین! ہم نے ایک عرب کو پکڑا، جو اسلام لانے کے بعد کافر ہوگیا تھا'' حضرت عمرؓ نے پوچھا ''تم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟'' اس نے کہا ''ہم نے اسے قتل کردیا'' اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ''تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اسے ایک کمرے میں بند کرکے دروازہ کا تیغہ لگادیتے پھر تین دن تک روزانہ ایک روٹی اس کے پاس پھینکتے رہتے شاید کہ اس دوران وہ توبہ کرلیتا، خدایا یہ کام میرے حکم سے نہیں ہوا؟ نہ میرے سامنے ہوا، نہ میں اسے سنکر راضی ہوا'' لیکن حضرت عمرؓ نے اس پر حضرت سعد اور ابوموسیٰ اشعری سے کوئی باز پرس نہیں کی اور نہ کوئی سزا تجویز کی۔ (مرتد کی سزا - صفحہ ۱۸) [۱]

اس واقعہ میں مذکور قتل مرتد کی تردیدی توجیہ، ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے

یہ جنگ کا زمانہ تھا اور حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے کہ اسے کمرے میں بند کرکے دروازہ کا تیغہ لگادیتے (یعنی قید کرلیتے) سے یہ واضح طور پر مترشح ہوتا ہے کہ وہ دشمن کا جاسوس تھا۔ عام مرتد کے لیے تو یہ شرط نہیں ہے کہ اس سے توبہ کرانے کے لیے اسے قید میں رکھا جائے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوموسی اشعریؓ نے اس ڈر سے کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے، اس کا جلدی سے خاتمہ کردیا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ [۲]

ترقی کے اس دور میں شاید ''مترشح ہوتا ہے'' بھی ایک ٹھوس دلیل قرار پا گئی ہے، اس بات

---

[۱] + [۲] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۶

کی کہ وہ دشمن کا جاسوس تھا۔ قتل مرتد کے لیے صحابہؓ کا اجماعی عمل تو کوئی دلیل ہی نہیں ہے، مگر یہ "مترشح ہوتا ہے کہ وہ دشمن کا جاسوس تھا" بجائے خود ایک حجت قرار پا رہا ہے۔ ٹھوس دلائل کے سیلاب کے مقابلہ میں ترشحات کی صورت میں یہ لوگ کس قدر تنکوں کا سہارا لیتے ہیں، یہ اس کی واضح مثال ہے۔ "عام مرتد کے لیے تو یہ شرط نہیں ہے کہ....." معلوم نہیں کہ طلوعِ اسلام کو عام اور خاص مرتد میں تفریق کرنے والی وحی کس آسمان سے اتری ہے۔ مرتد، بہرحال، مرتد ہے اس میں عام اور خاص مرتد میں یہ فرق کیسا؟

پھر یہ بھی کیا خوب فرمایا ہے کہ عام مرتد کے لیے تو یہ شرط نہیں ہے کہ توبہ کرنے کے لیے اسے قید میں رکھا جائے یعنی خاص مرتد کے لیے واقعی یہ شرط ہے کہ اسے قید میں رکھا جائے، آخر اس کی قرآنی دلیل کیا ہے؟

مرتد خواہ عام ہو یا خاص، بہرحال، وہ مرتد ہی ہے اور اسے قتل کرنے سے پہلے، مطالبۂ توبہ کیا جائے گا، لیکن کب تک؟ تین دن تک؟ ایک ماہ تک؟ یا دو ماہ تک؟ بہرحال اس مدت میں اسے آزاد نہیں چھوڑا جائے گا اگر وہ توبہ کر کے، راجع الی الاسلام ہو جائے تو فبہا، ورنہ قتل کیا جائے گا۔

قید کرنے کے نظائر، عہد نبوی میں بھی اور خلافت راشدہ میں بھی ملتے ہیں۔ عہد نبوی کا وہ واقعہ جس میں ابوموسیٰ اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجے جانے کا ذکر ہے، اس میں جس یہودی کے اسلام لا کر پھر مرتد ہونے کا ذکر ہے، اسے دو ماہ تک قید میں رکھا گیا تھا۔

عن ابی بردہ قال :قدم علی ابی موسی الاشعری معاذ بن جبل واذابرجل عندہ فقال ما ھذا فقال رجل کان یھودیافاسلم ثم تھودونحن نریدہ علی الاسلام منذ.احسبہ قال شھرین قال معاذ واللہ لااقعدحتی تضربواعنقہ فضربت عنقہ ثم قال معاذقضاء اللہ ورسولہ [1]

---

[1] المحلی لابن حزم، جلد۱۲، صفحہ ۱۱۲

Marfat.com

ابو بردہ نے کہا کہ یمن میں معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری سے ملنے آئے۔ اس وقت ان کے ہاں ایک شخص (بندھا ہوا) تھا۔ معاذ نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو ابو موسیٰ نے جواب دیا "یہ ایک آدمی ہے جو یہودی تھا پھر مسلمان ہوا، اور پھر یہودی ہوا۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ پھر اسلام پر آ جائے" میں گمان کرتا ہوں کہ اس نے کہا کہ دو ماہ سے ہم یہ چاہ رہے ہیں تو معاذ نے کہا "خدا کی قسم جب تک اس کی گردن نہ ماردی جائے، میں نہیں بیٹھوں گا؟" پھر میں نے اس کی گردن ماردی پھر معاذ نے کہا "اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے"۔

جامع صحیح بخاری میں اسی مرتد کے متعلق یہ الفاظ موجود ہیں فاذا رجل عنده موثق "وہاں اس وقت ایک بندھا ہوا آدمی موجود تھا" لیجئے! طلوع اسلام کے نزدیک تو یہ شرط نہیں ہے کہ مرتد سے طلب توبہ کے لیے اسے قید میں رکھا جائے مگر خود عہد نبوی کا یہ واقعہ نہ صرف یہ کہ مرتد کے محبوس ہونے کو ظاہر کرتا ہے، بلکہ اس کے جکڑا ہوا ہونے کو بھی واضح کرتا ہے۔

یہ بھی کیا خوب رجماً بالغیب ہے کہ--- "دونوں جلیل القدر اصحابِؓ رسولؐ نے، اس خوف سے کہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے، اسے قتل کر دیا" --- کیا اس خوف سے اطمینان، قتل کے سوا کسی اور صورت میں ممکن نہ تھا؟ کیا اسے قید نہیں کیا جا سکتا تھا؟ کیا عین حالت جنگ میں قادسیہ کے میدان میں ابو محجن ثقفی کو قید نہیں کیا گیا تھا؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ قید کرنے والے یہی سعد بن ابی وقاص ہی تھے، جواب ابو موسیٰ اشعری کی معیت میں، بھاگ جانے کے خوف کے پیش نظر، خون ناحق بہا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب حقائق قدم قدم پر آدمی کے اپنے موقف کے خلاف ہوں، تو وہ اسی طرح کی سخن سازی پہ اترا کرتا ہے وہ حقائق کا مقابلہ کرنے کے لیے ظن و تخمین کے گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے، اور حقائق کی روشنی میں ہدف تک پہنچنے کی بجائے، اندھیرے میں تیر چلاتا ہے۔ ایک صاف اور سیدھی بات کو نہ ماننے کی خاطر، بیسیوں باطل توجیہات پیش کرتا ہے، مثلاً اسی واقعہ میں مرتد کی سزائے قتل کو مان لیا جائے تو کوئی اشکال، کوئی الجھاؤ، کوئی پیچیدگی اور کوئی پریشانی نہیں رہتی۔ لیکن اس سیدھی بات سے گریز اں

Marfat.com

ہو کر، کبھی ''مترشح ہوتا ہے'' کی اساس پر مقتول کو جاسوس قرار دیا جاتا ہے، جس کی سزا از روئے قرآن نہ قید ہے اور نہ ہی قتل۔ پھر اس جاسوس کو قتل بھی کیا جاتا ہے تو محض اس بناء پر کہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ مت پوچھئے کہ اس خوف کی بناء پر کہ وہ بھاگ نہ جائے، قتل کر دینا، قرآن کے کس مقام پر مذکور ہے۔ پھر اس قتل کو اجتہادی غلطی قرار دیا جاتا ہے، تاویلات کے اتنے پاپڑ صرف اس لیے بیلے جا رہے ہیں کہ کہیں مرتد کی سزائے قتل کو ماننا نہ پڑ جائے۔

تری ہر ادا میں بل ہے، تری ہر نگاہ میں الجھن
مری آرزو میں لیکن کوئی پیچ ہے، نہ خم ہے

ہاں! یہ درست ہے کہ حضرت عمرؓ کی نگاہ میں ان دونوں اصحاب رسول سے اجتہادی غلطی ہوئی۔ مگر وہ اجتہادی غلطی نہ تو یہ تھی کہ انہوں نے محض ''ترشحات'' کی بناء پر کسی کو جاسوس سمجھ لیا، اور نہ ہی یہ تھی کہ انہوں نے جاسوس کے بھاگ جانے کے خوف سے اس کا خون ناحق بہا دیا، بلکہ یہ تھی کہ انہوں نے اسے قتل کرنے سے قبل، استتاب نہیں کیا تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ کے اسوہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ مرتد سے، قبل از قتل، توبہ طلب کیا کرتے تھے، جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔

واستدل ابن القصار لقول الجمهور بالاجماع يعنى السكوتى لان عمر كتب فى امر المرتد: هلا حبستموه ثلاثة ايام واطعمتموه فى كل يوم لعله يتوب فيتوب الله عليه [1]

ابن القصار نے جمہور کے قول میں اجماع سکوتی سے دلیل اخذ کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مرتد کے بارے میں لکھا کیوں نہ تم نے اسے تین دن تک قید میں رکھا اور ہر روز اسے کھانا کھلاتے رہے شاید کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ بھی مہربانی کے ساتھ، اس پر پلٹ آتا۔

---

[1] فتح البارى، كتاب استتابة المرتدين ....، باب حكم المرتد والمرتده، جلد ۱۲، صفحه ۲۶۹

دورِ فاروقی میں قتلِ مرتد کی تیسری نظیر......طلوع اسلام نے دورِ فاروقی کی اس نظیر کو بھی تردید کے پیش نظر، بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کو اطلاع ملی کہ بنی حنیفہ کی ایک مسجد میں، کچھ لوگ شہادت دے رہے ہیں، کہ مسیلمہ، اللہ کا رسول ہے، یہ سنکر حضرت عبداللہ نے پولیس بھیجی اور ان کو گرفتار کرکے بلالیا۔ جب وہ لوگ ان کے سامنے پیش ہوئے تو سب نے توبہ کرلی اور اقرار کرلیا کہ ہم آئندہ ایسا نہ کریں گے حضرت عبداللہ نے اوروں کو تو چھوڑ دیا مگر ان میں سے ایک شخص، عبداللہ بن النواحہ، کو موت کی سزا دی۔ لوگوں نے کہا ''یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ایک ہی مقدمہ میں دو مختلف فیصلے کیے؟'' حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ ''یہ ابن النواحہ وہ شخص ہے جو مسیلمہ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے پاس سفیر بنکر آیا تھا۔ میں اس وقت حاضر تھا۔ ایک دوسرا شخص، حجر بن وثال، بھی اس کے ساتھ سفارت میں شریک تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا ''کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' ان دونوں نے جوابدیا ''کیا آپ شہادت دیتے ہیں کہ مسیلمہ، اللہ کا رسول ہے؟'' اس پر حضورؐ نے فرمایا ''اگر سفارتی وفد کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا'' یہ واقعہ بیان کرکے حضرت عبداللہ نے کہا کہ ''میں نے اسی وجہ سے ابن النواحہ کو سزائے موت دی۔

(طحاوی۔ مرتد کی سزا بحوالہ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۷) [1]

اس واقعہ کا جواب دیتے ہوئے، طلوع اسلام نے لکھا ہے کہ:

مرتد کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کرلے تو وہ مرتد نہیں رہتا۔ یہاں سب لوگوں نے توبہ کرلی۔ اس لیے وہ ارتداد کے دائرہ سے نکل کر اسلام میں داخل ہو چکے تھے...... تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابن النواحہ کو ارتداد کے جرم میں قتل

---

[1] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۷

Marfat.com

نہ کیا تھا کیونکہ وہ اس سے تو تائب ہو چکا تھا بلکہ دوسرے جرم کی وجہ سے۔ ۱

اب طلوعِ اسلام کو یہ بات کون سمجھائے کہ زمان و مکان کے اختلاف سے ،یا تغیر احوال سے جرم کی سنگینی میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور کبھی یہ اضافہ، سنگینی جرم کو اتنا شدید بنا دیتا ہے کہ اس کا قبول اسلام، آخرت میں مقبول ہو تو ہو، مگر دنیا میں وہ بے اثر اور بے معنی ہی رہتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ پر طعن کرتے ہوئے یا آپ پر اتہام باندھتے ہوئے یا آپ سے گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے، ارتداد اختیار کرتا ہے تو قبول اسلام کے باوجود بھی اس کا مباح الدم ہونا، ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو فتح مکہ سے قبل ہی اپنے ارتداد سے تائب ہو کر اور از سر نو اسلام لا کر، حضرت عثمانؓ کے گھر چھپ گیا تھا، وہ قبول اسلام کے باوجود، مباح الدم ہی رہا جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

قدروی عن عکرمة ان ابن ابی سرح رجع الی الاسلام قبل فتح مکة وکذلك ذکر اخرون ان ابن ابی سرح رجع الی الاسلام قبل فتح مکة اذنزل البنی ﷺ بها وتقدم عنه انه قال لعثمان قبل ان یقدم به علی النبی ان جرمی اعظم الجرم وقد جئت تائباً وتوبة المرتد اسلامه

ثم انه جاء الی النبی ﷺ بعد الفتح وهدوء الناس وبعد ماتاب، فاراد النبی ﷺ من المسلمین ان یقتلوا حینئذ وتربص زمانا ینتظر فیه قتله ویظن ان بعضهم سیقتله وهذا دلیل واضح علی جواز قتله بعد اسلامه ۲

عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن ابی سرح فتح مکہ سے قبل ہی اسلام کی طرف پلٹ آیا تھا اور دوسروں نے بھی ابن ابی سرح کے رجوع اسلام کا ذکر کیا ہے جبکہ

---

۱ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۷

۲ الصارم المسلول علی شاتم الرسول، لابن تیمیہ صفحہ ۱۱۸

Marfat.com

حضور ابھی مکہ میں نزول فرما ہی ہوئے تھے، اور ابن ابی سرح کے متعلق یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے کہ قبل اس کے کہ عثمانؓ اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتے، خود اس نے یہ کہا تھا کہ "میرا جرم بہت بڑا ہے میں تائب ہو کر آیا ہوں اور مرتد کی توبہ بہر حال قبول اسلام ہی ہے"۔

پھر وہ فتح مکہ کے بعد، اور لوگوں کے پرسکون ہو جانے کے بعد، نیز (ارتداد سے) توبہ کر لینے کے بعد، خدمت نبوی میں آیا تو حضور اکرمؐ نے اہل اسلام سے یہ چاہا کہ وہ اس وقت اسے قتل کر دیں، اور کچھ وقت تک اس کے مقتول کیے جانے کا انتظار بھی کیا۔ آپؐ کا گمان تھا کہ کوئی مسلمان اسے قتل کر دے گا۔ اور یہ اس کے اسلام لے آنے کے بعد بھی، جوازِ قتل کی واضح دلیل ہے۔

بالکل ایسا ہی سنگین معاملہ، عبداللہ بن النواحہ کا بھی تھا، جس کی گستاخی آنحضرت ﷺ کے ہاں اتنی شدید تھی کہ اس کی توبہ اور قبول اسلام، آخرت میں مقبول ہو تو ہو، مگر دنیا میں وہ مباح الدم ہی رہا، اور عبداللہ بن مسعود نے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر ابن النواحہ کے قتل کے بعد، عبداللہ بن مسعود کی طرف سے کی گئی اس توجیہ کو، سب نے قبول کیا کسی ایک نے بھی اعتراض نہ کیا۔

یہاں یہ کہنا کہ "اس کا جرم بغاوت تھا"، کسی طرح بھی درست نہیں کہ کیونکہ روایات میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ خود اس نے عملاً بغاوت میں کوئی حصہ لیا ہو۔ جس بات کا یقینی ثبوت ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اس نے اپنی سفارت کے دوران، شدید گستاخی کرتے ہوئے، نبی اکرم ﷺ سے مسیلمہ کی رسالت پر شہادت طلب کی تھی۔ جھوٹے نبی کے حق میں، سچے پیغمبر سے استشہاد کرنا، رسولؐ برحق کی اتنی بڑی توہین اور گستاخی تھی کہ خود حضورؐ نے یہ فرما دیا تھا کہ اگر تم دونوں سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ اس وقت تو اس کی حیثیتِ سفارت اسے قتل سے بچا گئی، مگر اس کے بعد، اس کی توبہ بھی اسے موت سے نہ بچا سکی۔

قتلِ مرتد در عہدِ عثمانؓ...... قبل اس کے کہ عہد عثمانؓ سے مرتد کی سزائے قتل کے

Marfat.com

واقعات پیش کریں خود خلیفہ سوم کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے، جس میں خود انہوں نے جواز قتل کی تین صورتوں کا ذکر کیا تھا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ یقول لایحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلاث، رجل زنی بعد احصانہ فعلیہ الرجم او قتل عمدا فعلیہ القود و ارتداد بعد اسلامہ فعلیہ القتل [1]

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرما رہے تھے کہ کسی مرد مسلمان کا خون بہانا تین میں سے کسی ایک صورت کے سوا جائز نہیں ہے کسی شخص کا شادی شدہ ہو کر زنا کرنا، اس کی سزا رجم ہے۔ عمداً قتل کرنا، اس کی سزا قتل قصاص ہے۔ اسلام کے بعد مرتد ہو جانا، اس کی سزا قتل ہے۔

اس روایت کے بعد خود ان کا واقعہ بھی مرتد کی سزائے قتل پر شاہد عدل ہے۔ محاصرے کے دوران جب کہ باغی آپ کے قتل کے درپے تھے، آپ نے حدیث رسول کے حوالہ سے قتل مومن کی یہی تین صورتیں پیش کی تھیں۔ اور استفسار کیا تھا کہ جب، ان تین صورتوں کے علاوہ، قتلِ مسلم کی کوئی اور صورت نہیں ہے اور میں نے ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی اختیار نہیں کی، تو تم کس وجہ سے میرے قتل کے درپے ہو؟ میں نے کون سا جرم کیا ہے، جس کی پاداش میں میری جان لینا چاہتے ہو؟

.....حدثنی ابو امامة ابن سھل و عبداللہ ابن عامر بن ربیعة قالا کنا مع عثمان و ھو محصور و کنا اذا دخلنا مدخلا نسمع من البلاط فدخل عثمان یوما ثم خرج فقال انھم لیتواعدونی بالقتل قلنا یکفیکھم اللہ قال فلم یقتلونی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لایحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلاث، رجل کفر بعد اسلامہ او زنی بعد احصانہ او قتل نفسا بغیر نفس، فواللہ ما زنیت فی جاھلیة ولا فی اسلام

---

[1] سنن نسائی، کتاب المحاربة، باب الحکم فی المرتد

Marfat.com

ولاتمنيت ان لی بدينی بدلامنذ هدانی الله ولاقتلت نفسافلم يقتلوننی ؎۱

ابوامامہ بن سہل اورعبداللہ بن عامر بن ربیعہ دونوں نے کہا کہ ہم اس وقت عثمانؓ کے پاس تھے جبکہ وہ محصور تھے جب ہم داخل ہونے کی جگہ میں داخل ہوئے تو موضع بلاط میں جولوگ تھے ہم نے ان کی باتیں سنیں عثمان ایک دن داخل ہوئے پھر نکلے تو فرمایا ''یہ لوگ مجھے قتل کی دھمکی دیتے ہیں' ہم نے کہاان کے مقابلے میں تمہارے لیے اللہ کافی ہوگا'' تب عثمان نے کہا یہ لوگ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہانا تین میں سے کسی بھی ایک صورت کے سوا جائز نہیں یا کوئی شخص اسلام کے بعد کفر کرے یا شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا بغیر نفس کے کسی کو قتل کرے اللہ کی قسم میں نے عہد جاہلیت یا دور اسلام میں کبھی بھی زنا نہیں کیا، نہ میں نے اپنا دین بدلنے کی کبھی تمنا کی، نہ میں نے جرم قتل کا ارتکاب کیا پھر یہ کیوں مجھے قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

یہ حدیث آپ نے باغیوں کو بھی سنائی۔ صحابہؓ کو بھی سنائی۔ کسی ایک نے بھی اس میں مذکور قتل مرتد کی سزا کو نشانہ نکیر و تردید نہیں بنایا۔ اس لیے کہ قتلِ مرتد ایک عام اسلامی قانون کی حیثیت سے معروف و مسلم امر تھا۔

قتلِ مرتد بحکمِ عثمانؓ...... دورعثمانی میں ایک مرتد کو ان کے عمال نے خود خلیفہ ثالث کے حکم پر قتل کیا

عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبةبن مسعودعن ابيه قال: اخذابن مسعودقومًاارتدواعن الاسلام من اهل العزاق فكتب فيهم الى عثمان فردالیه عثمان ان اعرض عليهم دين الحق وشهادة ان لا اله

؎۱ سنن نسانی ، كتاب المحاربه ، باب ما يحل به دم المسلم

Marfat.com

الا الله فان قبلوها فخل عنهم وان لم یقبلوها فاقتلهم فقبلها بعضهم فترکه ولم یقبلها بعضهم فقتله [۱]

عبیداللہ اپنے باپ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عتبہ بن مسعود نے کچھ عراقی لوگوں کو پکڑا، جو اسلام سے پھر گئے تھے۔ان کے معاملہ میں انہوں نے خلیفہ وقت حضرت عثمان کو لکھا۔عثمان نے جواباً لکھا کہ ان پر دین حق اور شہادت توحید کو پیش کریں۔اگر قبول کر لیں تو انہیں چھوڑ دو، اور اگر قبول نہ کریں تو انہیں قتل کر ڈالیں۔چنانچہ بعض نے دین اسلام کو قبول کر لیا، انہیں انہوں نے چھوڑ دیا۔بعض نے ایسا نہ کیا، انہیں قتل کر دیا۔

قتلِ مرتد بدستِ عثمانؓ......صرف اتنا ہی نہیں کہ عثمان کے حکم سے مرتد کو قتل کیا گیا، بلکہ خود خلیفۂ ثالث نے اپنے دستِ مبارک سے بھی مرتد کو قتل کیا ہے۔

اخبرنی سلیمان بن موسی انه بلغه عن عثمان بن عفان :انه کفر انسان بعد ایمانه فدعاه الی الاسلام ---- ثلاثا ---- فابی فقتله [۲]

سلیمان نے مجھے خبر دی کہ عثمان بن عفان کی بابت، اسے یہ بات پہنچی کہ ایک انسان نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔انہوں نے اسے تین مرتبہ اسلام کی طرف دعوت دی۔اس نے انکار کیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

حیرت کی بات ہے کہ عین مدینۃ الرسولؐ میں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے، مرتد کو قتل کی سزا دی جائے۔صحابہ وتابعین کی کثیر تعداد موجود ہو۔مگر کوئی اسے ''خلاف قرآن'' نہ سمجھے اور نہ خلیفہ کے اس عمل (سزائے قتل) کو خلافِ قرآن کہہ کر احتجاج کرے۔کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ فی الواقع، صحابہ کے ہاں، ہر وہ سزا اسلامی سزا ہے، جو نبی اکرم ﷺ کے منہ

---

۱ المحلّٰی لابن حزم، جلد۱۲، صفحہ ۱۱۱
۲ المحلّٰی لابن حزم، جلد۱۲، صفحہ ۱۱۱

سے نکلی ہو خواہ وہ مذکور فی القرآن ہو یا نہ ہو۔

قتلِ مرتد اور عہدِ علیؓ ...... خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں بھی متعدد مرتبہ مرتدین کو قتل کی سزا دی گئی ہے چند نظائر درج ذیل ہیں۔

علوی دور کی پہلی نظیر ...... پہلی نظیر، جو مرتد کی سزائے قتل کو واضح کرتی ہے، درج ذیل ہے۔

عن ابی عمرو الشیبانی ان رجلامن بنی عجل تنصر فکتب بذلک عیینه بن فرقد السلمی الی علی ابن ابی طالب، فکتب علی: ان یوتی به، فجیء به، حتی طرح بین یدیه رجل. اشعر علیه ثیاب صوف. موثوق فی الحدید، فکلمه علی، فاطال کلامه وهو ساکت. فقال: لاادری ماتقول؟ غیر انی اعلم ان عیسی ابن الله، فلما قالها قام الیه علی، فوطئه، فلما رای الناس: ان علیا قد وطئه، قاموا فوطئوه فقال علی: امسکوا، فامسکوا حتی قتلوه، ثم امر به علی فاحرق بالنار [1]

ابو عمرو الشیبانی سے روایت ہے کہ بنی عجل کا ایک شخص عیسائی ہو گیا، عیینہ بن فرقد السلمی نے اس کے متعلق حضرت علی کو لکھا، تو انہوں نے جواباً لکھا کہ اسے میرے پاس بھیج دیجیے۔ پس وہ لایا گیا حتی کہ آپ کے سامنے اسے ڈال دیا گیا۔ وہ لمبے بالوں والا تھا اور اس پر صوف کا لباس تھا، بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ حضرت علی نے اس سے گفتگو بلکہ طویل گفتگو کی مگر وہ چپ رہا آخر اس نے کہا ''میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ مجھے اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں'' تب حضرت علی اس کی طرف اٹھے اور اسے روند ڈالا۔ لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی اٹھ کر اسے روندنے لگ گئے۔ حضرت علی نے انہیں ٹھہر جانے کو کہا۔ وہ رک گئے۔ پھر انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر حضرت علی کے حکم پر اسے نذر آتش کیا گیا۔

---

[1] المحلّٰی لابن حزم، جلد ۱۲، صفحہ ۱۱۰ تا صفحہ ۱۱۱

Marfat.com

مجرم کی سزامیں تغلیظ کے لیے اور دوسروں کے لیے اس سزا کو مزید عبرتناک بنانے کے لیے یہ جائز ہے کہ لاش کو مصلوب کیا جائے یا نذر آتش کیا جائے۔ اس عمل کے نظائر، عہد نبوی اور خلافت راشدہ ، دونوں ادوار میں ملتے ہیں۔ ہاں البتہ عام حالات میں کسی کو آگ کا عذاب دیکر، ہلاک کرنے کی ممانعت ہے۔

علوی دور کی دوسری نظیر......

عن ابی عمرو الشیبانی قال :اتی علی ابن ابی طالب بشیخ کان نصرانیا فاسلم، ثم ارتد عن الاسلام فقال له علی: لعلك انما ارتددت لان تصیب میراثا ثم ترجع الی الاسلام؟ قال: لا قال: فلعلك خطبت امرئة فابوا ان یزوجوکها فاردت ان تزوجها ثم تعود الی الاسلام ؟ قال: لا، قال: فارجع الی الاسلام قال: لا، حتی القی المسیح ،قال: فامر به علی فضربت عنقه ورفع میراثه الی ولده المسلمین [1]

ابوعمرو الشیبانی سے روایت ہے علی بن ابی طالب کے پاس ایک بوڑھا لایا گیا جو عیسائی تھا، پھر مسلمان ہوا، اور پھر عیسائی ہو گیا، تو علیؓ نے اسے کہا ''شاید تو یہ چاہتا تھا کہ عیسائی ہو کر اپنی میراث پالے اور پھر مسلمان ہو جائے'' اس نے کہا ''نہیں'' علیؓ نے کہا ''شائد تو کسی عیسائی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا، عورت والوں نے انکار کیا حالانکہ تیرا ارادہ تو یہ تھا کہ تو شادی کر کے دوبارہ اسلام کی طرف آجائے'' اس نے کہا ''نہیں'' پھر علی نے کہا ''اب اسلام کی طرف آجا'' اس نے کہا ''نہیں، یہاں تک کہ میں حضرت مسیح سے جا ملوں'' تب حضرت علی نے حکم دیا اور اس کی گردن ماردی گئی اور اس کی میراث اس کی مسلمان اولاد میں جاری کر دی گئی۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل بھی فراہم کرتا ہے کہ اگر خلیفہ چاہے تو اس کا امتحان بھی لے

---

[1] المحلّٰی لابن حزم، جلد۱۲، صفحہ ۱۱۰ تا صفحہ ۱۱۱

Marfat.com

سکتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا ارتداد قلب کی پوری آمادگی کے ساتھ واقع ہوا ہے، یا محض دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے، یا کسی مجبوری کے تحت، اس حال میں کہ اس کا دل، ایمان واسلام پر مطمئن تھا۔ جب حضرت علیؑ کو یقین ہو گیا کہ اس کا ارتداد کسی دنیاوی مفاد کے لیے نہیں، بلکہ کفر کی شدید رغبت ہی کے باعث تھا، تو انہوں نے مرتد کی سزائے قتل نافذ کر دی۔

علوی دور کی تیسری نظیر......

عن ابی العلاء عن عثمان النهدی : ان علیا استتاب رجلا کفر بعد اسلامه شهر افابی فقتله [1]

ابوالعلا نے عثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک ایسے آدمی سے توبہ کا مطالبہ ایک ماہ تک کیا، جو اسلام لا کر پھر کافر ہو گیا تھا اس نے توبہ سے انکار کیا تو آپ نے اسے قتل کر ڈالا۔

یہ واقعہ ایک طرف جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ مرتد کی سزا فی الواقع قتل ہی ہے دوسری طرف اس امر کو بھی واضح کر دیتا ہے کہ استتابہ کی مدت تین دن تک ہی نہیں بلکہ اس سے زائد مدت تک بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ مرتد سے رجوع الی الاسلام کی امید باقی رہے، لیکن جب یہ امید منقطع ہو جائے تو پھر اس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

علوی دور کی چوتھی نظیر......

عن ابی عمرو ابن الشیبانی: ان المسور العجلی تنصر بعد اسلامه فبعث به عتبة ابن ابی وقاص الی علی فاستتابه به فلم یتب فقتله فساله النصاری جیفته بثلاثین الفافابی علی واحرقه [2]

ابوعمرو الشیبانی سے مروی ہے کہ مسور العجلی اسلام لانے کے بعد عیسائی ہو گیا عتبہ ابن ابی وقاص نے اسے حضرت علی کے پاس بھیج دیا حضرت علی نے اس سے

---

[1] المحلّٰی لابن حزم، جلد۱۲، صفحه ۱۱۲

[2] المحلّٰی لابن حزم، جلد۱۲، صفحه ۱۱۱

Marfat.com

کہا ''توبہ کرلو'' اس نے توبہ نہ کی تو علی نے اسے قتل کر دیا عیسائیوں نے اس کی نعش کے حصول کے لیے تیس ہزار پیش کیے مگر حضرت علی نے انکار کیا اور لاش کو جلا دیا۔

یہ ہے ایک نظریاتی اور اصولی حکومت کا رویہ، کہ وہ محض اپنے خزانے میں مال کا اضافہ کرنے کے لیے لاشوں کی خرید و فروخت کا کاروبار نہیں کرتی بلکہ وہ اپنے مالی اور معاشی مفادات پر فکری اور نظریاتی مصالح کو ترجیح دیتی ہے۔

بہرحال یہ جملہ نظائر اس بات کی دلیل ہیں کہ خود عہدِ رسالت میں بھی، اور دورِ خلافتِ راشدہ میں بھی، مرتد کی سزائے قتل کو روایتاً بھی بیان کیا گیا ہے اور عملاً نافذ بھی کیا گیا ہے۔ یہ سب واقعات ایسے ہیں کہ ان میں مجرد ارتداد ہی کا جرم مذکور ہے، جس کی سزا قتل بیان کی گئی ہے۔ ارتداد کے ساتھ کوئی اور جرم مذکور نہیں ہے کہ قتل کو ارتداد کے سوا اس جرم کی سزا قرار دیا جائے۔ میں نے خالصتاً وہی واقعات پیش کیے ہیں جن میں صرف اور صرف ارتداد اور اس کی سزائے قتل ہی کا ذکر ہے، پھر اس کے علاوہ جملہ خلفائے راشدین اور تمام علماءِ فقہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام داؤد ظاہری اور امام ابن حزم وغیرھم سب علماء وفقہاء قتلِ مرتد کی سزا پر متفق ہیں۔ امت کے چودہ صد سالہ دینی لٹریچر میں، ہر دور کا لٹریچر یہی سزا پیش کر رہا ہے۔ صرف امام ابوحنیفہ کا ایک جزئی سے مسئلہ میں اختلاف ہے اور وہ یہ کہ عورت ارتداد کے جرم میں قتل نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ جنگ لڑنے کے قابل نہیں ہوتی۔ رہا مرد، تو وہ اگر مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوحنیفہ کا یہ مسلک دلائل کی روشنی میں انتہائی کمزور مسلک ہے

حافظ ابن حجر نے، ابوموسی اشعری اور معاذ بن جبل کے اس واقعہ والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں یہودی مرتد کو قتل کی سزا دی گئی ہے بڑی طویل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

واستدل به على قتل المرتدة كالمرتد وخصه الحنفية بالذكر وتمسكوا بحديث النهى عن قتل النساء وحمل

الجمهور النهی علی الکافرۃ الاصلیۃ اذالم تباشر القتال و لاالقتل لقوله فی بعض طرق الحدیث النهی عن قتل النسآء لمارای المرئۃ المقتولۃ "ماکانت هذه لتقاتل" ؎۱

اس سے مرتد عورت کے قتل کا بھی اسی طرح استدلال کیا گیا ہے جیسے مرتد مرد کے قتل کا۔ لیکن احناف نے سزائے قتل کو مرد کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور اس حدیث سے تمسک کیا ہے جس میں عورت کو قتل کرنے کی نہی وارد ہوئی ہے جبکہ جمہور علماء نے اس نہی کو (مرتدہ کی بجائے) کافرۂ اصلیہ پر محمول کیا ہے، جبکہ وہ خود جنگ میں ملوث نہ ہو کیونکہ حدیث کے بعض سلسلوں میں یہ مذکور ہے کہ جب آپ نے مقتولہ عورت کو دیکھا تو فرمایا کہ ''یہ تو لڑنے والی نہیں تھی''۔

جمہور کے مقابلہ میں، ابوحنیفہ کا مسلک کمزور ہی کیوں نہ ہو، منکرین حدیث کے ڈوبتوں کے لیے، تو یہی تنکوں کا سہارہ ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ دعوی کرڈالتے ہیں کہ ''عورت کو جرمِ ارتداد میں قتل نہیں کیا جائیگا'' اگر ایسی جملہ احادیث کو اکٹھا کر کے ایک نظر دیکھا جائے جن میں قتل نسآء کی نہی پائی جاتی ہے تو یہ امر واضح ہو جائیگا کہ اس کا تعلق کافرۂ اصلیہ کے ساتھ ہے، نہ کہ اسلام لاکر مرتد ہو جانے والی عورت سے۔ پھر جو، نہی کافرہ اصلیہ کے متعلق ہے، اس سے مرتدہ کا حکم کشید کرنا محض سینہ زوری ہے۔ مرتدہ کے بارے میں یہ ارشادِ رسولؐ بطور خاص مذکور ہے۔

وقد وقع فی حدیث معاذان النبی ﷺ لماارسله الی الیمن قال له: ایمارجل ارتدعن الاسلام فادعه وان عادو الافاضرب عنقه وایما امرئۃ ارتدت عن الاسلام فادعها فان عادت والافاضرب عنقها ؎۲

معاذ کی حدیث میں یہ بھی واقع ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا ''جو مرد بھی اسلام سے پھر جائے اسے دعوت اسلام دو۔ اگر وہ لوٹ آئے تو

؎۱ + ؎۲ فتح الباری، جلد ۱۲، صفحہ ۲۷۲

Marfat.com

بہتر، ورنہ اس کی گردن ماردو۔ اگر کوئی عورت مرتد ہوجائے تو اسے دعوت اسلام دو۔ اگر وہ لوٹ آئے تو بہتر، ورنہ اس کی گردن ماردو۔

منکرین حدیث کا مزاج یہ ہے کہ اگر انہیں کوئی چیز بال برابر بھی اپنے موافق نظر آئے تو اسے پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز پہاڑ جیسی وزنی بھی، ان کے موقف کے خلاف ہو، تو اسے بال برابر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی وہ پہاڑ سی جسیم دلیل کو تاویل وتحریف کے ڈائنامائیٹ سے اڑا دینے کی کوشش میں جت جاتے ہیں۔

طلوع اسلام کی مغالطہ آفرینی...... کتب احادیث میں سے کسی طبقے کی کوئی کتاب بھی اٹھالیجئے ہر کتاب میں ایسی روایات وواقعات بکثرت مل جائیں گے، جن میں مجرم کا صرف ایک ہی جرم "ارتداد" اور پھر اس جرم کی ایک ہی سزا "قتل" مذکور ہے۔ لیکن طلوع اسلام نے اپنی فقیہانہ مہارت و بصیرت کو، اس وقت طشت از بام کردیا جبکہ سزائے ارتداد کو سزائے بغاوت قرار دینے کے لیے نہایت مغالطہ آمیز استدلال کیا۔ ان کا فرمان یہ ہے کہ وہ تمام احادیث وواقعات، جن میں مجرد ارتداد کی سزا، قتل مذکور ہے انہیں بھی "حارب اللہ ورسولہ" کی قید سے مقید ہی جاننا چاہیے حالانکہ ارتداد ایک الگ جرم ہے اور بغاوت ایک الگ جرم ہے، جسے حرابہ بھی کہا جاتا ہے۔ نہ تو مرتد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ محارب بھی ہو، اور نہ ہی محارب کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ محارب ہونے کے ساتھ ساتھ مرتد بھی ہو۔ قرآن وحدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ ارتداد کے بغیر، مجرد حرابہ اور حرابہ کے بغیر، مجرد ارتداد کا جرم وقوع پذیر نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی یہ کسی آسمانی یا غیر آسمانی کتاب میں آیا ہے کہ ارتداد اور حرابہ کا وجود، لازماً ایک ہی شخص میں متحقق ہوتا ہے۔ اور نہ کہیں کسی نوشتۂ مذہب میں یہ مرقوم ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی جرم دوسرے کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اگر کسی وجود میں (جرم ارتداد اور جرم بغاوت) دونوں جرائم مجتمع ہوجائیں اور ہر جرم کی سزا قتل ہی ہو تو اس سزا کو کسی ایک جرم کی سزا قرار دینا اور دوسرے جرم کی سزائے قتل سے انکار کرنا، عرفاً، عقلاً، شرعاً کسی طرح بھی جائز نہیں۔

Marfat.com

اب ملاحظہ فرمایئے کہ طلوع اسلام نے اپنی مطلب برآری کے لیے کس طرح ایک فقہی اصول کو مغالطہ انگیزی کا ذریعہ بنایا ہے۔

آیت وَاَشْهِدُوْا ذَوَی عَدْلٍ مِنكُمْ میں گواہوں کے لیے عدالت کی شرط ہے اس لیے اس کے بعد گواہی دینے کا جو حکم ہوگا اس میں یہ قید لازم تسلیم کرنا پڑے گی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ (اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو) اس آیت میں عدالت کی شرط نہیں، لیکن پہلے حکم کی بناء پر یہ گواہی بھی عدالت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ [1]

اولاً، تو یہ بات ہی غلط ہے کہ 'اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو' کے فرمان خداوندی میں عدل کی شرط موجود نہیں ہے، کیونکہ آگے چل کر ممن ترضون من الشہداء کے الفاظ موجود ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ "اے ایمان والو! یہ گواہ ان لوگوں میں سے بنالو جو پسندیدہ ہوں" اور ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کی نظر میں "پسندیدہ" وہی ہوں گے جو عادل ہوں، نہ کہ وہ جو ظالم، فاسق، فاجر اور کاذب ہوں۔

ثانیاً، یہ کہ گواہوں کے لیے تو اسلامی نقطہ نظر سے بھی اور عقلی زاویۂ نگاہ سے بھی یہ ضروری ہے کہ گواہ عادل ہوں اور عدالت، گواہوں کی شرط لازم ہو، لیکن مرتد ہونے کے لیے باغی ہونا یا باغی ہونے کے لیے مرتد ہونا، نہ کوئی شرط ہے اور نہ لازم ہے۔ باغی کا جرمِ بغاوت، ارتداد سے عاری، اور مرتد کا جرمِ ارتداد، بغاوت سے مبرا بھی ہوسکتا ہے۔ دونوں جرم اپنے جداگانہ وجود رکھتے ہیں، اور ہر جرم دوسرے کے بغیر بھی وقوع پذیر ہوسکتا ہے، اس لیے کوئی جرم بھی دوسرے جرم کے لیے شرط کی حیثیت نہیں رکھتا کہ وجودِ شرط کے بغیر، وجودِ جرم متحقق ہی نہیں ہوسکتا۔ دیکھیے وضو نماز کی شرط ہے جس کے بغیر نماز کا وجود قائم ہی نہیں ہوسکتا۔ اب اگر کسی بزرگ کے متعلق یہ مذکور ہو کہ اس نے نماز پڑھی، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے وضو کر کے ہی نماز پڑھی ہوگی کیونکہ وضو، شرط نماز ہے۔ اگر نماز پڑھنے کی اطلاع کے ساتھ وضو کرنے کا ذکر نہ

---

[1] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۴ء، صفحہ ۵۸

بھی ہو، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن مسئلہ زیر بحث میں نہ تو حرابہ ہی، فعلِ ارتداد کی لازمی شرط ہے اور نہ ہی ارتداد، فعلِ حرابہ کی ناگزیر شرط ہے۔ اگر حدیث میں یہ مذکور ہو کہ ''مرتد کو قتل کی سزا دی گئی ہے'' یا ''محارب کو قتل کی سزا دی گئی ہے'' تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ''جس مرتد کو قتل کی سزا دی گئی ہے، اس نے لازماً حرابہ کا ارتکاب بھی کیا ہوگا'' یا ''جس محارب کو یہی سزا دی گئی ہے اس نے لازماً ارتداد کا جرم بھی کیا ہوگا''، یہ حقیقتِ نفس الامری کے قطعی خلاف ہے۔ اس ''مجتہدانہ بصیرت'' اور ''فقیہانہ استدلال'' کی حیثیت ایک مغالطہ دہی کے سوا کچھ نہیں، اور مغالطہ دہی یا تو جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے یا پھر اپنی مطلب برآری کے لیے شرارت کا کرشمہ۔

قتلِ مرتد کی مخالفت کا پس منظر...... آج دنیا کی غالب تہذیب وتمدن سیکولرزم کی پیداوار ہے۔ لادینیت کی یلغار نے مذہب کی اساس پر قائم ہونے والے اصول ومبادی اور اخلاقی اقدار کو، مکمل طور پر بے وزن قرار دیکر، نظر انداز کر دیا ہے۔ دین ومذہب کی گرفت اگر کہیں موجود بھی ہے، تو وہ زندگی کے نہایت محدود سے مذہبی دائرہ میں ہے۔ اس دائرہ سے باہر کی پوری زندگی، دین ومذہب (اور بالخصوص وہ دین ومذہب جو آسمانی ہدایت پر قائم ہے) کے اثر سے آزاد ہے۔ معیشت، معاشرت، سیاست، تمدن، تہذیب، تعلیم، عدالت، حکومت، صلح وجنگ، غرضیکہ اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو سیکولرزم کی قاہرانہ گرفت میں نہ ہو اور سیکولرزم بجائے خود ایک دین اور نظام حیات ہے، جس کے ہر شعبہ حیات میں اپنے اصول وضوابط ہیں، ردوقبول کے اپنے پیمانے ہیں، اخذ وترک کے اپنے معیار ہیں، لین دین اور معاملات باہمی کے اپنے سٹینڈرڈ ہیں، جو کسی بھی دین، اور بالخصوص دین اسلام کے عین ضد میں واقع ہوئے ہیں۔ سیکولرزم کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ایک محدود سی مذہبی دنیا میں لوگ کس عقیدہ وعمل کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس کو اگر دلچسپی ہے تو اس پہلو سے کہ کسی کا عقیدہ وعمل، سیکولرزم سے کس حد تک متصادم ہے۔ اسے اس امر سے کوئی سروکار نہیں کہ رعایا کا کوئی فرد مندر کو جاتا ہے، یا گرجے کو، یا مسجد کی راہ لیتا ہے، یا کسی بت خانے کی۔ اسے

Marfat.com

اگر سروکار ہے تو اس سے کہ کسی کا طرزِ عمل سیکولرزم کے کن اجتماعی گوشوں سے ٹکراتا ہے۔ اسے کسی کے ان افکار و عقائد سے کوئی پرخاش نہیں، جن سے سیکولرزم کے نظریات و معتقدات کا ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے اصول و ضوابط، لادینیت کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتے ہیں جو اس کی فکری بنیادوں کے لیے خطرہ بن جائیں۔ آج پوری دنیا کو سیکولرزم کے رنگ میں رنگ دینے کے لیے ہر پہلو سے یلغار ہو رہی ہے، فکری یلغار بھی اور ثقافتی یلغار بھی۔ یہ یلغار اپنی لپیٹ میں معیشت، معاشرت، سیاست، حکومت، عدالت، سفارت، تعلیم، صنعت، زراعت، الغرض ہر شعبے کو لے رہی ہے، اور وہ لوگ جو خود کوئی نظامِ زندگی نہ رکھتے ہوں، جن کا کوئی اپنا نظریۂ زندگی اور ضابطۂ حیات نہ ہو جن کا کوئی اپنا نصب العین اور ہدفِ زندگی نہ ہو، جنکے اپنے اخلاقی اصول اور تمدنی معیار نہ ہوں، وہ اس سیلاب میں خشک تنکوں کی طرح بہے چلے جا رہے ہیں۔ اور لادینیت کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں۔ وہ سیکولرزم کی فکری ہی نہیں، ثقافتی اسیری کا بھی شکار ہیں۔ اس لیے ایسے غلام فطرت افراد، سیکولرزم کے ہاں تعریف و تحسین کے مستحق قرار پاتے ہیں، کیونکہ وہ ''تنگ نظر'' نہیں کہ اپنے دین ہی کے ساتھ سختی سے وابستہ رہیں، بلکہ ''وسیع النظر'' اور لبرل ہیں کہ اپنے دین سے باہر بھی ''حقائق'' کے متلاشی ہیں۔ وہ قدامت پسند نہیں کہ چودہ سو سالہ وحی اور اس کے حامل پیغمبر کی اطاعت پر مصر ہوں، بلکہ ''ترقی یافتہ'' ہیں کہ ''وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے'' پر آمادہ ہیں۔ ہمارے ہاں کے غلامانہ ذہنیت رکھنے والے دانشور، جب مغربی افکار و نظریات کو، معیارِ حق جان کر، قرآن و حدیث کو دورِ حاضر کے تقاضوں سے، ''ہم آہنگ کرنے'' کے لیے، اجتہاد کے نام پر اختراع و اختلاق کی روش اختیار کرتے ہیں، تو مغربی سکالرز کے ہاں، ان کی خوب پذیرائی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جس قدر اتفاقی اور اجماعی مسائل میں نزاع و انتشار کی راہ لیتے ہیں، اسی قدر مغرب کے ہاں قابلِ تحسین و تعریف قرار پاتے ہیں۔ علماءِ مغرب کے ہاں، عالمِ اسلام کا ہر وہ شخص معتوب و مغضوب ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو بلا کم و کاست، خدا کی زمین پر، بالفعل قائم دیکھنا چاہتا ہے، اور ہر وہ ''دانشور''، انہیں محبوب و عزیز ہے جو اسلام کو چھیل چھال کر مغرب کے ڈھب

Marfat.com

پرلانا چاہتا ہے۔ اگرچہ اسلام بھی انسانی حقوق کا علمبردار ہے، مگر اس کا تصور، مغرب کے حقوقِ انسانیہ کے تصور سے قطعی مختلف ہے، اور چونکہ آج کی غالب تہذیب، مغرب ہی کی تہذیب ہے، لہٰذا پوری دنیا میں اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے معاملات کو حقوقِ انسانیہ کے اُسی تصور کی کسوٹی پر پرکھا جائے، جسے خود مغرب نے پیش کیا ہے، اور جہاں کہیں اس تصور سے کوئی معاملہ میل نہیں کھاتا، وہیں کارفرمایانِ مغرب، مداخلت کرنے کو اپنا جبری حق قرار دیتے ہیں۔ اسلامی عقائد کے پہلو سے توہینِ رسالت کا مسئلہ، ایک ایسا مسئلہ ہے، جو مغرب کے انسانی حقوق کے تصور سے ٹکراتا ہے۔ مغرب کی مادر پدر آزاد سوسائٹی میں زنا بعض حالتوں میں سرے سے کوئی جرم ہی نہیں ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کی سزا کوڑے مارنا ہو یا رجم۔ لہٰذا یہ سزا بھی مغربی معیارِ معاشرت کی رو سے وحشیانہ قرار پاتی ہے، وہاں آزاد جنسی معاشرت، ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا ہمارے معاشرے میں اس پرادنیٰ سی پابندی بھی، ضمیرِ مغرب پر گراں گزرتی ہے، اور ہر وہ قدم، جو جنسی آزادی کی طرف اٹھے، اس پر دادو تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ مغرب میں برہنگی، ''ذوقِ لطیف'' کی افزائش کا ذریعہ ہے اور ہمارے دانشوروں کا پہلا قدم جو مخالفتِ حجاب ونقاب میں اٹھایا جاتا ہے، وہ چونکہ منزلِ عریانیت کی طرف بھی، ایک قدم قرار پاتا ہے لہٰذا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سراہا جائے۔ اس طرح مذہب چونکہ سیکولرزم کے ہاں، ایک فرسودہ چیز ہے (خواہ وہ عیسائیت ہو یا بدھ مت یا کوئی اور مذہب ہو) اور اسلام کو بھی ان کے ہاں ویسا ہی ایک مذہب گردانا جاتا ہے جیسے مذہب سے (یعنی عیسائیت سے) انہیں سابقہ پیش آیا تھا۔ اس لیے وہ اسے بھی اسی طرح ناقابل التفات سمجھتے ہیں، جس طرح وہ اپنے ہاں کے مذہب کو ناقابلِ توجہ سمجھتے ہیں۔ جب مذہب کی یہی قدر وقیمت قرار پائی تو ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جانا (یا ارتداد اختیار کر لینا) ایک لایعنی مشغلہ ٹھہرا، جس پر اسے سزا دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس لیے ان کے ہاں ارتداد کوئی جرم ہی نہیں ہے جس پر کسی مرتد کو سزا دیجائے، کجا یہ کہ وہ سزا بھی قتل ہو۔ لہٰذا مغرب کے ہاں ایسی سزا یقیناً ظلم ہے، اور حقوقِ انسانیہ کیخلاف

بھی۔ ہمارے ہاں کے دانشور، جب قتلِ مرتد کی مخالفت کرتے ہیں، تو وہ شعوری یالاشعوری طور پر، اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرتے ہیں۔ایسی ''دانشورانہ'' کاروائیوں پر، مغرب، اولاً تو اس لیے خوش ہے کہ دینِ اسلام میں، جن مسائل پر چودہ صدیوں کے دوران، امت متفق اور مجتمع رہی ہے، آج انہیں بھی نزاع وانتشار کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ یہ سب کچھ مغربی فکر وعمل کی ہم آہنگی کے پیش نظر کیا جاتا ہے، یا پھر مغرب سے یہ موافقت، اس طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ قرار پاتی ہے، اور مغرب، مسلمان دانشوروں کی، جانبِ مغرب، اس پیش قدمی پر خوش بھی ہو جاتا ہے اور مطمئن بھی، کہ

ع اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

اور ایک بین الاقوامی سیکولر ماحول، مرمتِ اسلام کی ان ''دانشورانہ کارگزاریوں'' پر پشت پناہ بن جاتا ہے اور ہمارے یہ غلام فطرت دانشور، مغرب کے ہاں سے دادِ تحسین پا کر، اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ ان کے نظریات کی پذیرائی ہو رہی ہے۔قرآن مغرب میں ''پھیل رہا'' ہے، اور دینِ خداوندی کو وہاں ''فروغ'' حاصل ہو رہا ہے۔ اس پسِ منظر میں، قتلِ مرتد کا مسئلہ، جس طرح تہذیبِ غالب کو گراں گزرتا ہے، بالکل اسی طرح --- بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر--- یہ مسئلہ ہمارے دیسی دانشوروں کو بھی گراں گزرتا ہے، اور جب یہ اپنی مرضی کے خلاف مسلمان گھروں میں پیدا ہو کر، اس کی خود مخالفت کرتے ہیں، تو مغرب اس پر مسرور و مطمئن ہو جاتا ہے کہ خدام شاہ، شاہ سے بڑھ کر اس کے وفادار ہیں۔

پرویز کا محمدؐ رسول اللہ سے معارضہ و مقابلہ...... یہاں مزاجِ پرویز کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ وہ قرآن کا نام لیکر، خود صاحبِ قرآنؐ سے اختلاف اور معارضہ کرتے ہیں۔ وہ قرآن کی طرف اپنے جی سے ایک بات گھڑ کر منسوب کرتے ہیں اور پھر اسے معیار جان کر، احادیثِ رسول کو اس پر پرکھتے ہیں، اور جب کوئی حدیث، منسوب الی القرآن مفہومِ پرویز کے معیار پر پوری نہیں اترتی، تو اسے'' خلافِ قرآن'' قرار دیتے ہیں۔ اب رسولِ خدا (فداہ ابی وامی) ﷺ کی ذاتِ اقدس واطہر، جس

Marfat.com

پر قرآن نازل ہوا، اور جو خود مہبطِ وحی ہے، وہ خواہ کس قدر تکرار کے ساتھ یہ فرمائیں۔

لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلاث رجل زنی بعد احصانه فعلیه الرجم او قتل عمداً فعلیه القود او ارتد بعد اسلامه فعلیه القتل [۱]

کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں مگر تین میں سے کسی ایک صورت میں۔ کسی نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو تو اس پر سزائے رجم ہے۔ کسی نے عمداً قتل کیا ہو تو اس پر قصاص ہے۔ کوئی بعد از اسلام مرتد ہو، تو اس کی سزا قتل ہے۔

لیکن "مفکرِ قرآن" محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں باصرار یہ کہتے ہیں کہ ---

"قرآن نے ارتداد کو جرم ہی قرار نہیں دیا، تو اس پر سزا کیسی؟" --- نیز حضور ﷺ سے معارضہ کرتے ہوئے "مفکرِ قرآن" سزائے رجم کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ

یہ سزا قرآن کریم کے یکسر خلاف ہے اس میں کہیں یہ سزا مقرر نہیں کی گئی۔ [۲]

اب "مفکرِ قرآن" اور اس کی امت کو یہ کون سمجھائے کہ یہ دونوں سزائیں (رجم اور قتلِ مرتد) ایسی ہیں کہ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن سے زائد ہیں مگر قرآن کے خلاف نہیں ہیں۔ قرآن کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کسی چیز کا حکم دے اور فرمانِ رسولؐ اس سے منع کرے، یا یہ کہ قرآن کسی چیز سے منع کرے اور حدیثِ رسولؐ ٹھیک اسی چیز کا حکم دے۔ ایسی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اختلاف و تعارض ہے لیکن اگر قرآن ایک جرم کی دنیاوی سزا بیان نہ کرے اور حدیث اس کی دنیاوی سزا بیان کرے، تو اسے خلافِ قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں اسے زائد از قرآن حکم قرار دیا جائے گا جسے ماننا فی الواقع اطاعتِ رسول کا منطقی اور لازمی تقاضا ہے کیونکہ رسولؐ کی ذمہ داری، صرف تبلیغِ قرآن تک ہی محدود و مقید نہیں ہے، بلکہ اس کی تشریح و تبیین کرنا بھی، اس کا فرضِ منصبی ہے جیسا کہ:

۱۔ سنن نسائی، کتاب المحاربه، باب الحکم فی المرتد

۲۔ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۳۸

Marfat.com

﴿ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ (النحل - ۴۴)

ہم نے تیری طرف ذکر نازل کیا تا کہ تو لوگوں کیلیے اس کی توضیح وتشریح کردے۔

--- سے واضح ہے، پھر نبی، خود شارع بھی ہے، اور مقنن بھی، جیسا کہ خود قرآن بیان کرتا ہے کہ:

﴿ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ﴾ (الاعراف - ۱۵۷)

وہ (رسول) انہیں حکم کرتا ہے نیک کاموں کا اور انہیں روکتا ہے برے کاموں سے، اور تمام پاک اشیاء کو ان کے لیے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر پڑے ہوئے بوجھ اور زنجیریں ان پر سے اتارتا ہے۔

لہٰذا آپ کی مقننانہ اور شارعانہ حیثیت کی رو سے، آپ کی تقنینات اور تشریعات کو قبول کرنا، اسی حیثیتِ رسالت کا ایک حصہ ہے، جس پر اپنے ایمان کی بدولت ہم اطاعتِ نبی پر مامور ہیں، پس ایسے قانونی امور (خواہ وہ تعزیرات وعقوبات سے متعلق ہوں یا زندگی کے دیگر شعبوں سے متعلق ہوں) میں بھی پیغمبر کی اطاعت، ایمان بالرسالت کا ناگزیر تقاضا ہے۔

ہمارے ''مفکر قرآن'' جناب غلام احمد پرویز صاحب، نبیؐ کی اس شارعانہ، مقننانہ اور مطاعانہ حیثیت کو ختم کر کے، خود اس منصب پر اس طرح براجمان ہیں کہ اپنی زبان سے مرزا غلام احمد کی طرح دعویٰ رسالت کیے بغیر مگر اپنے خود ساختہ منسوب الی القرآن مفاہیم کی بناء پر، انہیں ''قرآنی مفاہیم'' قرار دیتے ہیں اور نبیؐ کے فرمودات کو ''خلافِ قرآن'' قرار دیتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ ان کے منسوب الی القرآن مفاہیم کو اپنایا جائے اور ''خلاف قرآن'' تصورات کو ٹھکرایا جائے۔ رسولِ صادق ومصدوق پر، ''مفکر قرآن'' کی بالاتر حیثیت کا یہ عالم ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ مرتد کی سزا، قتل قرار دیں یا شادی شدہ زانی کی سزا، رجم بیان کریں تو وہ فرماتے ہیں کہ --- قرآن میں تو کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ شادی شدہ زنا کار کی

Marfat.com

سزا رجم اور مرتد کی سزا قتل ہے" --- لیکن وہ خود کئی ایسے جرائم کی سزا موت قرار دیتے ہیں، جن کا قرآن میں قطعاً ذکر نہیں ہے، مثلاً رشوت کی سزا اور اس کا علاج، انہوں نے پھانسی قرار دیا اور دھڑلے سے یہ کہا کہ:

آج کسی ایک راشی افسر کو چوراہے میں پھانسی پر لٹکا دیجیے، دیکھئے کل ہی کسطرح رشوت، ختم ہو جاتی ہے۔ [1]

مزید برآں، اغواء برائے تاوان، کی سزا بھی، ان کے نزدیک سزائے موت ہے۔ ایوب خاں کے دور میں ایک شخص نے تعزیراتِ پاکستان میں ترمیم کا مسودۂ قانون پیش کرتے ہوئے اغواءِ اطفال کے سنگین جرم کے لیے یہی سزا پیش کی، تو طلوع اسلام نے اسے خوش آئیند اور باعثِ مسرت قرار دیتے ہوئے، اس رکنِ معزز کو خراج تحسین پیش کیا۔ جس نے یہ مسودہ قانون پیش کیا تھا (دیکھئے طلوع اسلام، جنوری ۱۹۶۳ء، صفحہ ۸)۔

سوال یہ ہے کہ:

(۱) رشوت کی یہ سزا ''پھانسی'' اور ''اغواءِ اطفال'' کی سزا، ''موت'' قرآن کریم کی کس نص پر مبنی ہے؟

(۲) کیا ان سزاؤں کو ''قرآن کے خلاف'' کہا جائے گا یا ''قرآن سے زائد؟''

(۳) آج کی یہ حکومت، نہ تو علماء کے تصور کے مطابق ''اسلامی حکومت'' ہے اور نہ ہی ''مفکر قرآن'' کے تصور کے مطابق ''قرآنی حکومت'' ہے، اگر ان حکومتوں کو ''خلافِ قرآن'' یا زائد از قرآن قوانین، بنانے کا اختیار ہے، حالانکہ ان حکومتوں پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی، اور نہ ہی وحی کا وہ کڑا پہرہ ان پر قائم رہتا ہے، جو انبیاء و رسل کا خاصہ ہے، تو آخر وہ ذاتِ گرامی جس پر قرآن نازل ہوا ہے، اور جس کی پوری زندگی کو مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے، اور جس پر زندگی کے ہر لمحہ، اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت کا پہرہ برقرار رہا ہے (فانك باعيننا --- الطور - ۴۸) اور جس کی اطاعت، ہمارے

---

[1] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۴۸ء، صفحہ ۹

Marfat.com

ایمان بالرسالت کا بھی اور اطاعتِ خداوندی کا بھی تقاضا ہے، اُسے آخر کیوں یہ اختیار اور یہ حق حاصل نہیں کہ زنا بعدِ احصان کی سزا، رجم قرار دے، اور مرتد کی سزا ''قتل'' طے کر دے؟

کیا ''مفکرِ قرآن'' کا یہ کھلا کھلا معارضہ ومقابلہ نہیں ہے جو انہوں نے قرآن کی آڑ میں، محمد رسول اللہ ﷺ کے مدمقابل اختیار کر رکھا ہے؟

غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز دونوں نے امتِ مسلمہ کو، اطاعتِ رسول سے ہٹا کر، اپنی اطاعت میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ اول الذکر نے دعوائے رسالت کے ذریعہ اور ثانی الذکر نے دعوائے رسالت کی حماقت کیے بغیر، یہ کام کیا۔ پرویز صاحب نے رجوع الی القرآن کی آڑ میں، ایک دامِ ہمرنگِ زمین بچھایا، اور اپنے خود ساختہ مفاہیم کو منسوب الی القرآن کرکے، انہیں ''قرآنی حقائق'' قرار دیا اور پھر ان کی اتباع کو، اتباعِ قرآن کا نام دیا۔ نتیجہ یہ کہ نام تو اتباعِ قرآن کا لیکن عملاً اطاعت، اس مفہوم کی، جسے ''مفکرِ قرآن'' نے قرآن کے گلے مڑھ دیا ہے۔

☆..........☆..........☆

Marfat.com

باب پنجم

(۵) حدِّ زنا

عفت و عصمت کی اہمیت، اسلام میں ......اسلامی نظامِ حیات میں عفت وعصمت، نہایت گراں مایہ جوہر ہیں۔اسلامی حکومت جس طرح لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کرتی ہے، بالکل اسی طرح وہ عفت وعصمت کی صیانت کی بھی ذمہ دار ہے۔ اس جوہر کے احساسِ تحفظ کی کمی بیشی بلکہ وجود وعدم ہی دراصل وہ چیز ہے جو کسی معاشرے کے فاسد اور صالح ہونے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔اس لیے اسلام، اپنی قلمرو میں مدنیتِ صالحہ کی تعمیر کے لیے، عفت وعصمت کی حفاظت وصیانت پر بہت زور دیتا ہے۔ وہ مرد وزن، ہر دو سے، عفت مآب زندگی کا تقاضا کرتا ہے۔اور ہر اس خطرے کا دروازہ بند کرتا ہے جو کسی صورت بھی ایک پاکیزہ زندگی کے منافی ہو۔ اسلام جذبہ شہوت کو نہ تو اس قدر سنگین برائی قرار دیتا ہے کہ اسے بالکل فنا کر دیا جائے، اور انسان خصی ہو کر اس کے تقاضوں سے جان چھڑا لے، اور نہ ہی وہ اس بات کا روادار ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی کو جذبۂ شہوت کی تسکین ہی کے لیے وقف کر دے، اور انسان اپنی جنسی خواہشات ہی کا غلام بن کر رہ جائے۔ وہ اس جذبہ کو اعتدال کے ساتھ اس طرح کام میں لاتا ہے کہ ایک طرف تو ایک فرد، عفت مآبی کی زندگی گزارتا ہے، اور دوسری طرف، یہی چیز، صالح تمدن کی تشکیل وتعمیر میں ممد ومعاون بنتی ہے۔کسی بھی فرد کے لیے عفت وعصمت کی زندگی کے لیے نکاح، ایک بنیادی چیز ہے۔ارشاد نبوی ہے کہ

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج [1]

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو قوتِ رجولیت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم + مشکوٰۃ

Marfat.com

وہ شادی کرے، اس لیے کہ شادی نگاہوں کو بچانے کا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔

نوجوانوں سے، یہ خطاب اس لیے کہ یہی دورِ شباب، وہ عرصہ حیات ہے، جس میں جنسی خواہشات زوروں پر ہوتی ہیں، اور آدمی کے بننے اور بگڑنے کی عمر بھی یہی ہوتی ہے، اس لیے ایسی عمر میں شادی کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسلام، محض پوجا پاٹ اور چند ظاہری مراسمِ عبودیت کے مجموعہ کا نام نہیں، بلکہ وہ انفرادی زندگی میں معائب ورذائل سے پاک ہونے، اور اخلاقی فضائل سے آراستہ ہونے کا نام ہے، جبکہ اجتماعی زندگی میں عبادتِ رب کا دم بھرتے ہوئے، ایک پاکیزہ معاشرہ اور صالح تمدن قائم کرنے کا نام ہے۔ اسے ایسے نوجوانوں کی ضرورت نہیں جو اپنی اجتماعی زندگی سے منقطع ہو کر اور دنیا سے منہ موڑ کر، زاویہ نشینی کی ایسی روش اختیار کر لیں جس میں کوئی شخص اپنی قوتِ رجولیت کو فنا کر کے، ہزار دانوں کی سبحہ خوانی ہی کو، معراجِ کمال تصور کرے۔ نیز اسلام کو ایسے نوجوان بھی مطلوب نہیں ہیں، جو فرائڈ کے فلسفہ جنسیات کا مجسمہ بن کر، اپنی پوری زندگی کو جذبۂ شہوت ہی کے تابع کر دیں، اور قضائے شہوت کے سوا، ان کا کوئی بلند تر نصب العین ہی نہ رہے۔ اسلام مرد وزن کو اعتدال کے مقام رکھ کر، بذریعہ نکاح ان کی اخلاقی حفاظت بھی کرتا ہے، اور انہیں اخلاقی مضرات سے بچانے کے لیے، ایک دوسرے کا لباس بھی قرار دیتا ہے۔ جس طرح لباس، موسمی مضرات سے بچاتا ہے، اسی طرح نکاح، اخلاقی مفاسد سے محفوظ رکھتا ہے، اور یوں وہ ایک صالح اور پاکباز سوسائٹی بھی تعمیر کرتا ہے۔ اسلام نے عفت وعصمت اور انساب واحساب کی حفاظت پر بہت زور دیا ہے اور اپنی حدود حکومت میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ایسی حرکات کا سدباب کیا جائے، جو عفت وعصمت کے منافی ہوں۔ بلکہ اس کے برعکس، ان بھلائیوں کو فروغ دیا جائے، جو جوہرِ عصمت کی حفاظت میں ممد ومعاون ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے جن امور پر بیعت لی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مبایعین ومبایعات، اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کریں گے اور زنا کے قریب تک نہ پھٹکیں گے۔ اسلامی معاشرت کے معیارِ شائستگی کا اندازہ، اس بات سے لگایا جا

Marfat.com

سکتا ہے کہ کسی شخص کا، کسی دوسرے فردِ کو ماں، بہن یا بیٹی اور بیوی کے حوالے سے نشانہ تعریض بنانا، ایک قابل تعزیر جرم ہے، جبکہ آج کے روشن دور میں، متمدن اور مہذب معاشروں کا یہ حال ہے کہ وہاں نگینۂ عصمت کا ٹوٹنا، کانچ کی چوڑی کے ٹوٹنے سے بھی کم تر حادثہ جانا جاتا ہے، بلکہ حادثہ کیا معنی، وہاں تو زنا محض تفریحِ طبع (Having a Good Time) کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کثرتِ زنا نے پوری سوسائٹی کو، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان، مرد ہوں یا خواتین، کنوارے ہوں یا شادی شدہ، سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور بچوں تک میں جنسی جرائم کی فراوانی اور کثرت، انتہاء کو پہنچ چکی ہے، اس لیے اسلام نے زنا کو ذنوبِ کبائر میں شامل کیا ہے۔ صرف زنا ہی کو نہیں، بلکہ باعصمت افراد پر منافی عصمت، تہمت دھرنا بھی، فوجداری جرم ہے۔ تہمتِ زنا ہو یا ارتکابِ جرمِ زنا، یہ بہرحال عزت وناموس اور عفت وعصمت پر سنگین حملہ ہے، جو غیرت وحمیت کو مشتعل کر کے، قتل در قتل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اس لیے اسلام، سخت اقدامات کرتا ہے تا کہ یہ جرائم اس کی سوسائٹی میں سر نہ اٹھا سکیں اور معاشرتی فضا میں ہر فرد کو عزت وآبرو کے تحفظ کا احساس حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے زنا اور تہمتِ زنا کو ایسے سنگین جرائم قرار دیا ہے، جن کی سزائیں بھی، مجرم کی اہانت وحقارت کا مفہوم مضمر ہے، کیونکہ اس کا جرم بھی دراصل دوسروں کی عزت وآبرو پر حملہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آیئے، زنا اور تہمت زنا کے دونوں جرائم کی سزا کا مطالعہ کریں۔

جرمِ زنا اور حدِّ زنا

زنا سے مراد، کسی مرد یا عورت کا دائرہ نکاح سے باہر صنفِ مخالف کے کسی فرد سے، وہ تعلق قائم کرنا ہے، جو صرف میاں بیوی ہی میں پایا جاتا ہے۔ اسلام میں ایسا تعلق قائم کرنے والے افراد، اگر کنوارے ہوں تو انہیں سو کوڑوں کی سزا، اگر وہ شادی شدہ ہوں، تو انہیں رجم کی سزا دی جائے گی۔

آیت (۴/۲۵) پر بحث...... جس طرح قرآن نے حرمتِ خمر میں تدریج کا پہلو

Marfat.com

پیشِ نظر رکھا ہے، بالکل اسی طرح سزائے زنا میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھا ہے۔ سزائے زنا کے بارے میں، سب سے پہلے سورۃ النسآء کی، وہ آیت نازل ہوئی، جس کے الفاظ، درج ذیل ہیں۔

﴿ وَالّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآءِ كُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنكُمْ فَاِنْ شَهِدُوا فَاَمْسِكُوهُنَّ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْيَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً ﴾ (النساء – ۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے وہ خواتین، جو بے حیائی پر اتر آئیں، ان پر چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دیں (اور جرم ثابت ہو جائے) تو انہیں گھروں میں ہی روک رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ نکال دے۔

فاحشہ سے مراد ہر وہ بدی بے حیائی اور غیر شائستہ و ناپسندیدہ قول یا عمل ہے، جس کے اثرات دوسروں تک وسیع یا متعدی ہوں۔ جنسی اعمال میں سے خفیف ترین عمل بھی فاحشہ ہے اور انتہائی عمل --- جماع و مجامعت --- بھی، فاحشہ کے مفہوم داخل ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قرآن میں فاحشہ کا اطلاق زنا پر بھی ہوا ہے، اور جب وہ امتِ محمدیہ کے لیے قابلِ سزا جرم کے طور پر فاحشہ کا ذکر کرتا ہے، تو اس سے مراد زنا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ماسوا چند معتزلہ کے، پوری امت کے علماء و مفسرین اور فقہاء و محدثین، آیتِ زیرِ بحث میں، فاحشہ سے مراد زنا ہی لیتے ہیں (نہ کہ عام سرسری یا ہلکی بے حیائی کی کوئی بات یا حرکت)۔ لیکن پرویز صاحب کو اس سے اختلاف ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> اس آیت میں ''الفاحشة'' کا ترجمہ عام طور پر زنا کیا جاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم نے زنا کی سزا، سو کوڑے مقرر کی ہے (۲۴/۲) اور یہاں سزا، صرف پابندِ مسکن کرنا ہے۔ اس لیے اس سے مراد، زنا نہیں، بلکہ ایسی بے حیائی کی باتیں ہیں جنہیں اگر روکا نہ جائے تو وہ زنا پر منتج ہو سکتی ہیں۔ اس لیے ہم نے اس کا مفہوم، مبادیاتِ زنا لیا ہے۔ علاوہ ازیں، اس آیت میں صرف عورتوں کا ذکر ہے۔ زنا میں عورت اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں، تنہا

Marfat.com

عورتوں سے زنا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس میں فاحشہ کا لفظ زنا کے لیے نہیں آیا۔ ؎۱

پرویز صاحب نے، آیت ۴/۱۵ میں "فاحشہ" سے مراد، "زنا" کے نہ ہونے پر، دو "دلیلیں" پیش کی ہیں۔

اولاً ----- یہ کہ، آیت میں خواتین کی سزا "پابندِ مسکن" کرنا ہے جبکہ زنا کی یہ سزا نہیں ہے بلکہ سو کوڑے مارنا ہے۔

ثانیاً ----- یہ کہ، آیات میں صرف، خواتین ہی کا ذکر ہے، جبکہ زنا میں عورت اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں فاحشہ سے مراد زنا نہیں ہے

موقفِ پرویز کا جائزہ...... "مفکر قرآن" کی یہ دونوں دلیلیں، اس حقیقت سے صرفِ نظر کا نتیجہ ہیں کہ زنا کی سزا میں شدت، تدریجاً واقع ہوئی ہے۔ آیت (۴/۱۵) وہ پہلی آیت ہے جس میں پہلی اور ابتدائی سزائے زنا، امساك فی البیوت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک عارضی سزا تھی جسے ایک مدت کے بعد ایک دوسری سزا کے لیے جگہ خالی کرنا تھی۔ او یجعل اللہ لھن سبیلا (یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ کھول دے) کے الفاظ اس امر کو واضح کر دیتے ہیں کہ یہ سزا صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ اللہ کوئی اور راہ نہیں کھول دیتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت (۴/۱۵) میں مذکور سزا، ہے تو سزائے زنا ہی، مگر وہ ایک عارضی اور وقتی سزا تھی، جسے بعد میں ایک اور سزا کا پیش خیمہ بننا تھا۔

رہی "مفکر قرآن" کی یہ دلیل کہ --- "آیت میں صرف خواتین کا ذکر ہے، اور زنا میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوتے ہیں، اس لیے یہاں فاحشہ کا لفظ، زنا کے لیے نہیں بلکہ مبادیات زنا کے لیے ہے" --- تو یہ دلیل بھی "مفکر قرآن" کی کم نگاہی اور قلت تفکر کا نتیجہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر زنا میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوتے ہیں اور تنہا عورتوں سے زنا نہیں ہو سکتا، تو پھر مبادیات زنا میں بھی تو، عورت اور مرد دونوں ہی شامل ہوں گے، یا پھر کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مبادیاتِ زنا کا مرحلہ تو خواتین تنہا ہی طے کر لیں گی، مگر اس مرحلہ کے

؎۱ تفسیر مطالب الفرقان، جلد۴، صفحہ ۳۰۶

Marfat.com

بعد، زنا کے لیے وہ مردوں کے پیچھے پڑ جائیں گی، کیونکہ ''تنہا عورتوں سے زنا ہو نہیں سکتا......''

پھر یہ بھی کیا خوب ''مفکرانہ نکتہ'' ہے کہ --- ''چونکہ آیت میں، صرف خواتین کا ذکر ہے، اور زنا میں مرد اور عورت، دونوں شامل ہوتے ہیں، تنہا عورتوں سے زنا ہو نہیں سکتا، لہٰذا اس آیت میں فاحشہ کا لفظ زنا کے لیے نہیں آیا'' --- حالانکہ قرآن کریم میں کئی اور آیات بھی ہیں جس میں تنہا خواتین ہی کا ذکر ہے، لیکن ''مفکر قرآن'' صاحب، یہ نکتہ بھول کر، وہاں زنا ہی مراد لیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے، یہ الفاظِ آیت:

﴿ فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ (النسآء - ۲۵)

پھر جب وہ حصار نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور اس کے بعد بدچلنی کی مرتکب ہوں، تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو خاندانی عورتوں کے لیے مقرر ہے۔

یہ الفاظ، بلکہ پوری آیت کی ساخت، بالکل وہی ہے جو زیر بحث آیت کی ہے، یہاں بھی سب مؤنث ہی کے صیغے ہیں۔ لیکن پرویز صاحب یہاں یہ ترجمہ کرتے ہیں۔

جب یہ لونڈیاں، تمہارے نکاح میں آ جائیں اور اس کے بعد بے حیائی (زنا) کی مرتکب ہوں، تو ان کی سزا، آزاد عورتوں کی سزا (۲۴/۲) سے نصف ہے۔ [۱]

کیا یہاں اُحْصِنَّ اور اَتَيْنَ بفاحشةٍ میں عورتوں ہی کا ذکر نہیں ہے؟ پھر یہاں تنہا عورتوں سے زنا کا وقوع کیونکر ممکن ہو گیا؟

یہ ساری الجھن ''مفکر قرآن'' کو صرف اس لیے لاحق ہو رہی ہے کہ وہ علماءِ سلف وخلف، اور صحابہ وتابعین، علماء ومفسرین اور فقہاء ومحدثین کی موافقت میں آیت زیر بحث میں الفاحشہ سے مراد، زنا نہیں لینا چاہتے، کیونکہ چودہ سو سال کے اگلے پچھلے علماء کی راہ پر چلنا ''مفکر قرآن'' کے نزدیک، اندھوں کی قطار میں شامل ہونا ہے، اس لیے وہ جمہور کی ہم آہنگی میں ''تقلید کی پامال راہ'' اختیار نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ ان کے نزدیک جمیع علماء سلف وخلف سے

---

[۱] تفسیر مطالب الفرقان، جلد۴، صفحہ ۳۱۲

Marfat.com

اختلاف کرتے ہوئے، کسی نئے تصور کو پیش کرنا ہی، ''علمی نکتہ'' اور ''اجتہادی کارنامہ'' قرار پا سکتا ہے، اس لیے حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ، تابعین وتبع تابعین، مفسرین، محدثین، فقہاء اور مورخین کی مخالفت ہی، وہ واحد راستہ ہے جس پر ''مفکر قرآن'' کی ''جودتِ فکر'' اور ''نابغیتِ اجتہاد'' کا اظہار ممکن ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیت بھی خواتین ہی کے ذکر پر مشتمل ہے، اور اس میں بصراحت زنا ہی کا ذکر ہے۔

يَـا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَايَزْنِيْنَ ..... فَبَايِعْهُنَّ ﴾ (الممتحنہ- ۱۲)-

اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں، اس بات پر بیعت کرنیکے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک نہ کریں گی۔ اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی ...... تو ان سے بیعت لیجیے۔

اس آیت میں باصراحت عورتوں کے زنا ہی کا ذکر ہے۔ جس کے نہ کرنے کی بیعت، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''زنا تنہا عورتوں سے ہو نہیں سکتا'' کا اصول، خدائے قدوس کو بھی یاد نہ رہا جس کی تلافی، نزول قرآن کے چودہ سو سال بعد، اب ''مفکر قرآن'' فرما رہے ہیں۔

طلوع اسلام کے مزید دلائل...... پرویز صاحب کی آیت (۴/۱۵) کی تحریف کے بعد، طلوع اسلام ہی کے ایک ''فاضل درسِ نظامی'' کے دلائل پر نظر ڈالنا بھی مناسب ہے۔ وہ آیت ۴/۱۵ میں الفاحشہ سے مراد، سحاقت لیتے ہیں، اور آیت ۴/۱۶ میں لواطت۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ (۴/۱۵) کو، زنا کی سزا، اور چار گواہوں کی شرط کی بنیاد بنانا غلط ہے۔ اس آیت کا تعلق زنا کے فعل سے نہیں ہے۔ [1]

---

[1] طلوع اسلام، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ ۳۴

Marfat.com

اس کے بعد وہ اپنے موقف کے حق میں چار دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک دلیل کا جائزہ، مندرجہ ذیل سطور میں لیا گیا ہے۔

پہلی دلیل اور اس کا جائزہ......اس دلیل میں وہ فرماتے ہیں

> کسی بھی ایک جرم کی ایک ہی سزا ہو سکتی ہے۔ایک جرم کی دو مختلف سزائیں نہیں ہوسکتیں۔قرآن کریم نے سورۃ النور میں زنا کی سزا، سو کوڑے مقرر فرمادی ہے۔ لیکن یہاں فاحشہ کی سزا ''پابندِ مسکن'' کرنا ہے۔اس لیے ظاہر ہے کہ زنا کا جرم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جرم زنا کی دو مختلف سزائیں، یعنی کہیں کوڑے، اور کہیں پابندِ مسکن کرنا نہیں ہوسکتیں۔ [1]

چھوڑیئے اس بات کو کہ سورۃ المائدہ میں حرابہ کے ایک ہی جرم کی چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں تو غور طلب بات یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث میں او یجعل الله لهن سبيلا کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ''پابندِ مسکن'' ہونے کی سزا ایک وقتی اور عارضی سزا ہے جسے بعد میں نازل ہونے والی سزا تک ہی قابل عمل رہنا ہے۔ پھر طلوع اسلام کے مقالہ نگار نے اس بات کو بھی فراموش کر دیا کہ سارا قرآن یک بارگی نازل نہیں ہوا بلکہ بالاقساط نازل ہوا ہے۔ جب پابندِ مسکن کی سزا دی جارہی تھی تو اس وقت سزائے تازیانہ کا حکم موجود ہی نہیں تھا۔ اور جب کوڑوں کی سزا نازل ہوئی تو پابندِ مسکن کی سزا باقی نہ رہی۔ ہر دور میں ایک ہی جرم (زنا) کی سزا ایک ہی رہی۔

دوسری دلیل اور اس کا جائزہ......آیت (۴/۱۵) میں، اتیان الفاحشه سے مراد، زنا نہ ہونے کی دوسری دلیل، ان الفاظ میں مذکور ہے

> زنا کے ارتکاب کے لیے مرد اور عورت دونوں کا ہونا ضروری ہے، لیکن اس آیت کریمہ میں صرف عورتوں ہی کا ذکر ہے، مرد کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ یہ کیسا زنا ہے کہ جس میں مرد موجود ہی نہیں ہیں۔ اس کی وضاحت ہمارے علماء کرام ہی

---

[1] طلوع اسلام، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ ۳۵

فرماسکتے ہیں۔ [۱]

اوپر دو ایسی آیات پیش کی جا چکی ہیں جن میں سے ایک آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے تنہا خواتین ہی کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ان کا زنا بالصراحت مذکور ہے۔ اور دوسری آیت (۴/۲۵) میں بھی صرف اور صرف خواتین ہی کا ذکر ہے۔ لیکن خود ''مفکر قرآن'' صاحب نے بھی اس سے مراد زنا ہی لیا ہے۔ اور ''فاضل درس نظامی'' بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ تاہم ''فاضل درس نظامی'' پر اتمام حجت کے لیے، اُن ہی کی پیش کردہ ایک آیت پیش کی جا رہی ہے۔ جس میں باوجود یکہ تنہا عورتوں ہی کا ذکر ہے اور وہ خود اس میں مذکور لفظ فاحشہ سے مراد زنا ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ پہلے آیت (۳۰/۳۳) کا ترجمہ بایں الفاظ کرتے ہیں کہ..... ''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی، تو اُسے دوگنی سزا دی جائے گی۔'' پھر یوں استدلال کرتے ہیں:

> ''کیونکہ ازواج مطہرات شادی شدہ تھیں، لہٰذا اس آیت میں شادی شدہ عورتوں کو Pin-Point کر دیا گیا ہے۔ اس آیت کی رُو سے شادی شدہ عورتوں کے لیے، زنا کی سزا ایسی ہونی چاہیے جسے دوگنا کیا جا سکے۔ رجم کی سزا کو دوگنا نہیں کیا جا سکتا۔'' [۲]

اب آیت میں بھی، تنہا خواتین (ازواجِ مطہرات) ہی کا ذکر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آیت (۴/۱۵) میں صرف خواتین ہی کا ذکر ہے۔ ''مرد کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے''۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسا زنا ھے جس میں مرد موجود ھی نہیں، اس کی وضاحت، طلوع اسلام کے ''فاضل درسِ نظامی'' ھی کر سکتے ھیں.....

اس آیت میں فاحشہ سے مراد کیا ہے؟ آیت کا سیاق وسباق واضح کر دیتا ہے کہ اس سے مراد زنا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ عمل ہے جو نبی ﷺ کے لیے آزردگی طبع کا باعث ہو۔ سیاق وسباق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے قبل والی آیات تخییر کی رو سے، ازواجِ مطہرات کی

---

۱ طلوع اسلام، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ ۳۵ ۲ طلوعِ اسلام، اگست ۲۰۰۶، صفحہ ۴۳

Marfat.com

طرف سے طلب دنیا کا مطالبہ، حضورِ اکرم ﷺ کے لیے آزردگیٔ طبع کا باعث بن چکا ہے۔ تاہم، سیاق وسباق کی رو سے مفہومِ آیت میں، وسعت بھی پیدا کی جائے تو اس میں نشوز اور سوئے معاشرت کے گناہ داخل ہو سکتے ہیں۔ اس سے اپنے نظریات کی حمایت کے جوش میں زنا مراد لینا، اور وہ بھی کھلا کھلا زنا (فاحشۃ مبینہ)، اور وہ بھی ازواجِ مطہرات سے، یہ سب کچھ نہایت گھٹیا اور گندی فطرت کے مظاہرے ہیں۔

پھر یہ بات بھی عجیب ہے کہ جب آیت (۴/۱۵) میں جرم زنا پر چار گواہوں کی شہادت کا استدلال کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ زنا تو ایک ایسا فعل ہے جو خلوت میں کیا جاتا ہے لہٰذا اس کے لیے چار گواہوں کی فراہمی ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن جب معاملہ ازواجِ مطہرات کا آتا ہے تو منکرین حدیث، اپنی دناءتِ فطرت اور طینتِ سیہ کے باعث، اُن سے ''کھلے کھلے زنا'' کے امکان کو وابستہ کر ڈالتے ہیں، تاکہ اپنے مزعومات کے لیے، اس آیت سے دلیل کشید کی جائے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

تیسری دلیل اور اس کا جائزہ...... طلوعِ اسلام کے ''فاضل درس نظامی'' کی تیسری دلیل بایں الفاظ مذکور ہے۔

> او یجعل اللہ لھن سبیلا سے جو یہ مراد لیا جاتا ہے کہ یہ وہ وعدہ ہے کہ جس کے مطابق، سورہ نور میں زنا کی سزا، مقرر کی گئی ہے۔ تو یہ بات بھی درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر سزا کا ذکر ہوتا، تو لھن کی جگہ علیھن آنا چاہیے تھا۔[۱]

اب یہ بات ''فاضل درس نظامی'' کو کون سمجھائے کہ عربوں کے ہاں، حرفِ جار لام، علیٰ کے معنٰی میں بھی استعمال ہوا کرتا ہے۔ اور لاریب یہاں لھن، علیھمن ہی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ خود قرآن مجید میں اس استعمال کی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً

(۱) ﴿ وان اسأتم فلها ﴾ (بنی اسرائیل — ۷)
اگر تم نے برائی کی تو اس کا وبال تم ہی پر پڑے گا۔

---

[۱] طلوع اسلام، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ ۳۵

Marfat.com

(۲) ﴿ یخرون للاذقان سجدا ﴾ (بنی اسرائیل - ۱۰۷)

وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

(۳) ﴿ دعانا لجنبه ﴾ (یونس - ۱۲)

وہ ہمیں ہر کروٹ پر پکارتا ہے۔

(۴) ﴿ وتلهٗ للجبین ﴾ (الصافات - ۱۰۳)

پیشانی کے رخ پر اسے لٹا دیا۔

پہلی آیت میں فلها ، دوسری آیت میں للاذقان تیسری میں لجنبه اور چوتھی آیت میں للجبین میں واقع حرف لام ، علیٰ ہی کے معنوں میں واضح ہے اور یہی صورت آیتِ زیرِ بحث میں بھی موجود ہے۔ اگر ''فاضل درس نظامی'' عربی گرائمر کی موشگافیوں میں پناہ لینے سے قبل، قرآن ہی کا مطالعہ فرما لیتے تو اس قسم کی بودی دلیل پیش نہ کرتے۔

چوتھی دلیل اور اس کا جائزہ......مقالہ نگار اپنی چوتھی دلیل پیش کرنے سے قبل، منکرین حدیث کی عام روش کے مطابق، سلف وخلف کے جملہ علماءِ کرام کو، خاطی اور لغزش کار قرار دیتے ہوئے، فرماتے ہیں۔

ہمارے مفسرین کرام نے الفاحشہ کے لفظ سے لغزش کھائی ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں الفاحشہ کا لفظ آیا ہے۔ علمائے کرام نے زبردستی اس کا مفہوم زنا لے لیا۔ [۱]

منکرین حدیث کی یہ عام عادت ہے کہ وہ جہاں جی چاہتا ہے، سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے، تہذیبِ مغرب کی ذہنی غلامی کا شکار ہو کر من پسند معانی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو، جو نظم آیات کی روشنی میں درست معنیٰ لیتے ہیں، نشانے پر رکھ لیتے ہیں۔

اب یہاں دیکھئے کہ آیت (۴/۱۵) میں خواتین کی ایسی الفاحشہ کا ذکر ہے، جس کے اثبات کے لیے چار گواہوں کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ صریحاً ایسا جرم ہے جو مستوجبِ سزا ہے۔ اور اس کی سزا تادمِ مرگ، امساک فی البیوت ہے۔ اس شناعت کے ساتھ مذکور جرم کو،

---

[۱] طلوع اسلام، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ ۳۶

جرمِ زنا قرار نہ دینا اور اسے خواتین کی باہم ہم جنس پرستی کا جرم قرار دینا، ایک ایسی غیر حکیمانہ بات ہے جو خدا کے متعلق، اس بدگمانی پر قائم ہے کہ وہ زنا جیسے کثیر الوقوع جرم کو نظر انداز کرتا ہے اور سحاقت جیسے انتہائی نادر الوقوع جرم کو زیادہ درخورِ اعتناء سمجھتا ہے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ جنسی جرائم میں سے سب سے زیادہ کثرت کے ساتھ جس جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، وہ زنا ہے۔ اور زنا کے مقابلے میں، لواطت کا جرم اس قدر قلیل ہے کہ زنا کے سو واقعات کے مقابلے میں بمشکل چار پانچ واقعات ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ رہا جرمِ سحاقت تو وہ اس سے بھی قلیل تر، بلکہ انتہائی شاذ اور از حد نادر الوقوع ہے۔ منکرینِ حدیث کے نزدیک، اصلاح معاشرہ کے لیے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انتہائی شاذ اور نادر الوقوع جرم، جرمِ سحاقت سے تعرض کیا اور اس کی سزا مقرر کی۔ اور پھر اس جرمِ لواطت کو زیرِ بحث رکھا جو جرم زنا کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل الوقوع ہے، اور سب سے آخر میں کثیر الوقوع جرم اور پھر اس سزا کا قانون پیش کیا۔ یہ اس پہلو سے حکمتِ خداوندی پر کھلا ہوا طعن ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے والا خدا ان مسائل سے تو بحث نہیں کرتا جو انسانی زندگی کے اخلاق و قانون کی شاہراہ پر پیش آتے ہیں لیکن گلیوں اور پگڈنڈیوں پر عارض ہونے والے ضمنی مسائل کو اپنی بحث کے لیے مرکزِ توجہ بناتا ہے۔ حالانکہ ایسے ضمنی مسائل کو انسانی اجتہاد پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

مزید برآں منکرین حدیث نے، اس بات پر کبھی غور نہیں فرمایا کہ اگر آیت (۴/۱۶) واقعی جرم لواطت ہی کی سزا بیان کرتی ہے۔ جو محض ایذا ہے۔ اور پھر یہ آیت اس عقوبت کے لیے نصِ قطعی ہے، تو پھر صحابہ کرام، تو (معاذ اللہ) اس قدر بلید الذہن، کودن دماغ اور غبی الفہم تھے کہ جب جرم لواطت کی سزا کا مسئلہ ان کے سامنے آیا تو وہ خواہ مخواہ اختلافِ رائے کا شکار ہوئے۔ اور یہ نہ جان سکے کہ خود خدائے قدوس، نے اس آیت میں یہ مسئلہ طے کر دیا ہے۔

منکرین حدیث کی تحریف کی بنیاد، دراصل یہ بات ہے کہ آیت (۴/۱۵) میں صرف خواتین ہی کا ذکر ہے، جس کی بنیاد پر، وہ، آیت میں مذکور الفاحشہ کو سحاقت کے مفہوم میں لیتے ہیں، حالانکہ آیت میں تنہا خواتین کا ذکر، محض اس وجہ سے ہے کہ فعل زنا کا ایک فریق

Marfat.com

ہونے کی بنا پر، وہی مسلمانوں کے معاشرے سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ من نساء کم (تمہاری عورتوں میں سے) کے قرآنی الفاظ صرف انہی کے اسلامی معاشرے سے وابستہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ رہا فریق ثانی جو مردوں پر مشتمل ہے، وہ غیر مسلم ہونے کی بناء پر، اسلامی قانون کے نفاذ کی عمل داری سے خارج ہے۔ اس لیے آیت، فریق ثانی (مردوں) کے ذکر سے خالی ہے۔

اس سے اگلی آیت (۴/۱۶) میں والذان یاتینھا منکم کے الفاظ میں (جہاں الذان کا تثنیہ کا صیغہ، تغلیباً مرد اور عورت، دونوں پر اسی طرح مشتمل ہے جس طرح والدین کا لفظ ماں اور باپ دونوں پر مشتمل ہوا کرتا ہے)، الفاحشہ کا ارتکاب کرنے والے دونوں ہی، یہاں، مسلم معاشرے (منکم) کے افراد ہیں۔ اس لیے یہاں دونوں کو سزا دینے کا ذکر ہے۔

اس بنیادی حقیقت کو، شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، نظر انداز کر دینے کے باعث، منکرینِ حدیث، تحریفِ آیات پر اتر آتے ہیں۔

الفاحشہ سے مراد، زنا ہی ہے..... حقیقت یہ ہے کہ آیتِ زیرِ بحث (سورۃ النسآء کی آیت ۱۵) میں الفاحشہ سے مراد زنا ہی ہے اس لیے کہ:

ا ----- قرآن مجید میں جہاں بھی ''اتیان الفاحشہ'' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے، تو اس سے مراد زنا یا اس کے ہم پلہ کوئی دوسرا جرم ہی مراد ہے، مثلاً قوم لوطؑ کا جرم ''لواطت'' قرآن میں، جہاں بھی مذکور ہے، اسی ترکیبِ الفاظ کے ساتھ ہی مذکور ہے۔

ا --- ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا اَحَدٌ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

(الاعراف — ۸۰)

کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے سارے جہاں میں کسی نے نہیں کی۔

۲ --- ﴿ وَلُوْطًا اِذْقَالَ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾

(النمل — ۵۴)

اور لوطؑ نے جب کہا کہ تم آنکھوں دیکھتے ہوئے بے حیائی پر اتر آئے ہو۔

Marfat.com

۳ ---- ﴿ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا اَحَدٌ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (العنکبوت - ۲۸)

بیشک تم بے حیائی کا وہ کام کرتے ہو، جو تم سے قبل، جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

ان تمام آیات میں اتیان الفاحشہ کی ترکیب، دراصل، اس جرم کے لیے استعمال ہوئی ہے جو قومِ لوط میں رائج تھا، اور جو اپنی قباحت وشناعت میں کم وبیش زنا ہی کی مثل ہے، بالکل اسی طرح اتیان الفاحشہ کی یہی تعبیر، زنا کے لیے قرآن نے دوسرے مقامات پر بھی اختیار کی ہے۔ جسے شرع محمدی کے قانون کی حیثیت حاصل ہے بطور مثال چند آیات ملاحظہ فرمایئے:

۱ ---- ﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ (النسآء - ۱۹)

اور تم عورتوں کو اس لیے نہ روکے رکھو کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لے سکو مگر یہ کہ وہ کھلی ہوئی بیحیائی (زنا) کی مرتکب ہوں۔

۲ ---- ﴿ اِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ (النسآء - ۲۵)

پھر اگر وہ بیحیائی (زنا) کا کام کریں تو ان پر نصف سزا ہے اس سزا میں سے جو آزاد عورتوں پر ہے۔

۳ ---- ﴿ وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ (الطلاق - ۱)

تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ ہی وہ خود نکلیں، مگر اس صورت میں کہ وہ کھلی بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں۔

ان تمام آیات میں اتیان فاحشۃ ہی کی ترکیب واقع ہوئی ہے۔ اس سے مراد

Marfat.com

وہ بے حیائی ہے جسے زنا کہا جاتا ہے، لیکن جہاں اتیان الفاحشہ کی ترکیب وارد نہیں ہوئی، وہاں اس سے مراد، زنا یا لواطت کے سوا کوئی اور بیہودگی یا بیحیائی بھی مراد لی جاسکتی ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ﴾ (اٰل عمران - ۱۳۵)

اور وہ لوگ جو بے حیائی کر بیٹھیں یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو پھر وہ اللہ کو یاد کریں تو اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش مانگیں۔

﴿ وَاِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ (الاعراف - ۲۸)

اور جب وہ بے حیائی کریں تو کہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور - ۱۹)

بیشک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الاعراف - ۳۳)

آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے حرام قرار دیا ہے بے حیائیوں کو، خواہ ان میں سے ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ﴾ (الشوریٰ - ۳۷)

وہ لوگ، جو بچتے ہیں، کبیرہ گناہوں سے، اور بے حیائیوں سے۔

﴿ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَم ﴾

(النجم — ۳۲)

جو لوگ معمولی گناہوں کے سوا، بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں۔

قرآن کریم کی یہ وہ آیات ہیں جہاں فاحشہ (یا اس کی جمع فواحش) کا لفظ اتیــــان فــاحشــہ کی تعبیر کے بغیر آیا ہے، ایسی تمام آیات میں، ہر وہ بے حیائی بھی مراد ہو سکتی ہے جو حدِ زنا کو نہ پہنچی ہو، لیکن جہاں اتیان فاحشہ کی ترکیب واقع ہے، وہاں جرمِ زنا یا اس کے مماثل کوئی جرم (مثلاً لواطت) ہی اس سے مراد ہے، اور آیت (۴/۱۵) میں بھی، یہی ترکیب آئی ہے، جو زنا پر ہی دلالت کرتی ہے۔

۲ ----- ایک مقام پر تو قرآن نے کھل کر زنا کو فــاحشــہ کہہ کر بات ہی صاف کر دی ہے۔

﴿ ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وسآء سبیلا ﴾

(بنی اسرائیل — ۳۲)

تم زنا کے قریب بھی پھٹکو، یہ بلاشبہ بے حیائی اور بُرا راستہ ہے۔

۳ ----- قرآن کریم میں چار گواہوں کی شرط، مقدمۂ جرمِ زنا کے ساتھ وابستہ ہے، اور آیت (۴/۱۵) میں خواتین کے اتیــان فــاحشــہ پر چار گواہوں ہی کی شرط مذکور ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آیت میں زنا ہی کی شہادت وعقوبت مذکور ہے۔

جرم زنا میں چار گواہوں کی شرط...... لیکن ہمارے ''مفکرِ قرآن'' ہیں کہ اول تو آیت میں فــــاحشـــــہ سے زنا مراد لینے کی بجائے، مقدماتِ زنا مراد لیتے ہیں اور ثانیاً، چار گواہوں کی شہادت کو زنا کی بجائے، مقدماتِ زنا سے وابستہ کرتے ہیں، اور پھر قضیۂ زنا کے لیے، وہ سرے سے گواہوں کی شہادت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں۔

قرآن نے جرمِ زنا کے لیے چار عینی شاہدوں کی ضرورت نہیں بتائی۔ عام بے حیائی کی باتوں کے لیے (جو جرمِ زنا تک لیجانے کا موجب بن سکتی ہیں) چار

Marfat.com

گواہوں کی شرط عائد کی ہے۔ [۱]

جرم زنا کے ثبوت کے لیے گواہوں کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ [۲]

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ مبادیاتِ زنا کے لیے تو چار گواہوں کی شرط ہو، مگر خود جرمِ زنا کے لیے یہ شرط ہی نہ ہو۔ زنا کے لیے آخر یہ شرط کیوں نہیں؟ وہ لکھتے ہیں:

جنسی اختلاط ایک ایسا فعل ہے کہ دنیا میں بے حیا انسان بھی اسے گوارا نہیں کرسکتا کہ وہ کسی ایسی جگہ، اس کا مرتکب ہو، جہاں اس پر دوسرے لوگوں کی نگاہ پڑے۔ زنا تو رہا ایک طرف، میاں بیوی تک بھی اسے گوارا نہیں کرسکتے کہ کوئی شخص انہیں اس فعل میں مصروف پائے، حالانکہ اس کا ہر ایک کو علم ہوتا ہے کہ شادی، جنسی اختلاط ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس کا نتیجہ بھی بچوں کی صورت میں دنیا کے سامنے آ جاتا ہے۔ اس قسم کی اتفاقی صورتیں تو کبھی کبھار پیدا ہو جاتی ہیں کہ کسی جوڑے نے، کسی ایسی جگہ، اس امر کا ارتکاب کیا، جہاں اسے اطمینان تھا، کہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا۔ اور اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ کوئی راہ گیر ادھر سے آ نکلا، اور اس نے انہیں دیکھ لیا، لیکن یہ چیز کہ لوگ سرِ راہے اور کھلے بندوں جنسی اختلاط میں مصروف ہو جائیں (اور وہ بھی زنا کے طور پر) انسان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔ [۳]

''مفکر قرآن'' نے اس عبارت میں، جس صورتحال کا ذکر کیا ہے، وہ دراصل نتیجہ ہے، انبیاءِ کرام کی شرم و حیا کی اُس تعلیم کا (جو آج کی فاسد تہذیب اور فاسق تمدن کے غلبہ کے باوجود) مسلم ممالک میں کسی حد تک پائی جاتی ہے، ورنہ اگر مسلم معاشرے سے باہر نکل کر دیکھا جائے؛ تو جن لوگوں کا فلسفہ حیات یہ ہو کہ وہ ارتقاء کی منزلیں طے کرتے ہوئے، حیوانات کی زندگی سے گزر کر، انسانی منزل تک پہنچے ہیں، ان کی عملی زندگی میں، یہ حیوانیت اور بہیمیت، آج بھی عروج پر نظر آتی ہے۔ جس طرح حیوانات، قدرتی لباس میں ملبوس ہوتے

---

[۱] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۳۵۸ [۲] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۰۲

[۳] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۳۵۵

Marfat.com

ہیں، بالکل اسی طرح وہ انسانوں کو بھی فطری لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ برہنہ رقص گاہیں، یہ ہیجان انگیز جنسی مناظر، جو فلم کی سکرین پر، یا کسی تھیٹر کے سٹیج پر نظر آتے ہیں، اور پھر یہ ننگی بزم اور محفلیں، (NUDE CLUBS) یہ سب اسی کھلے جنسی اختلاط ہی کی منازل ہیں، جو خلوت گاہوں میں ہی نہیں، بلکہ تفریحی پارکوں تک میں کھلے عام دکھائی دیتے ہیں۔ آج کی دنیا میں اس غالب مگر انتہائی فسادزدہ تہذیب کے علمبردار، اس حیوانی فلسفہ کا شکار ہو کر، اور حیوانات ہی کو اپنا مورث اعلیٰ قرار دے کر، حیوانیت ہی کے راستے کو اختیار کر رہے ہیں۔ جس طرح، حیوانات کی زندگی میں، نکاح کا کوئی تصور نہیں، بالکل اسی طرح، یہ دو ٹنگے جانور بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی بھی نکاح کے بندھنوں سے پاک رہے۔ حیوانی دنیا میں جس طرح ہر کتیا ہر کتے کے لیے اور ہر گدھیا ہر گدھے کے لیے، جنسی اختلاط کے لیے آزاد ہوتی ہے، بالکل اسی طرح تہذیبِ جدید کے علمبردار بھی، یہ چاہتے ہیں کہ ہر عورت کو ہر مرد کے لیے آزاد ہونا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغرب میں کھلے عام، تفریحی پارکوں میں، اختلاطِ جنس کے مناظر، سرعام دکھائی دیتے ہیں، بلکہ اگر کہیں پولیس آن ڈیوٹی موجود ہو، تو اس کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ قضاءِ شہوت کے اس حیوانی عمل کو، دیگر اشخاص کی مداخلت سے محفوظ رکھے۔ مغرب میں کتنے ہی تھیٹر ایسے ہیں جن میں جنسی عمل اور صنفی اختلاط کو ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں سٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور اُن کی تقلید میں، ہمارے غلام فطرت مستغربین بھی، اس ماحول کو، امتِ مسلمہ میں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش فرما رہے ہیں (اور ہمارے ''مفکر قرآن'' بھی خیر سے ان لوگوں میں شامل ہیں جو ارتقاء کے ڈارونی فلسفہ کی بناء پر، حضرتِ انسان کو اولادِ حیوانات قرار دیتے ہیں) اور یہ لوگ، صرف نظریے کی حد تک ہی نہیں، بلکہ مدنیت و معاشرت کا وہ پورا نقشہ، قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کر رہے ہیں، جو تہذیبِ مغرب کا تشکیل کردہ ہے، مثلاً مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب، مرد و زن کی مطلق اور کامل مساوات، درونِ خانہ فرائض نسواں کی بجائے انہیں بیرونِ خانہ مشاغل میں دھکیل باہر کرنا۔ تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا، اور عورت کو خانگی مستقر سے اکھاڑ کر اسے مردانہ کارگاہوں میں جھونک دینا، خانگی

Marfat.com

زندگی میں --- بچے دو ہی اچھے --- کی آڑ میں عورت کو فطری وظائف سے منحرف کرنا، پھر اسے مردمؤنث نما بنا کر، مردانہ دائرہ کار میں لا پھینکنا، وغیرہ وغیرہ، یہ سب تہذیبِ مغرب کے راستے کے، وہ اولین نقطہ ہائے آغاز ہیں، جس کی آخری منزل وہی بے حیائی، فحاشی، بے غیرتی، بے حمیتی اور عریانیت ہے، جس پر "مفکرِ قرآن" جیسے دانشور، ہمیں پہنچانا چاہتے ہیں۔

زنا میں چار گواہوں کا انکار بھی اور اقرار بھی...... بہرحال، ہم کہہ یہ رہے تھے کہ "مفکرِ قرآن" نے مقدمہ زنا میں چار گواہوں کی شرط کا انکار کیا ہے، اور اپنے انکار کو شرم و حیا، کی فلسفیانہ بنیاد پر استوار کیا ہے، لیکن ایک دوسرے مقام پر، معلوم نہیں، کس مصلحت کے تحت، انہیں مقدمۂ زنا میں، گواہوں کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

> تہمت تراشی کے سلسلے میں، چار گواہوں کا ذکر، سورۃ النور کی آیت ۱۳ میں بھی آیا ہے، وہاں اس کے لیے افک کا لفظ آیا ہے، ان آیات میں جرم تو تہمت تراشی کا ہے، لیکن اس سے زنا کے سلسلہ میں یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ اگر ان شہادات کی رو سے تہمت صحیح ثابت ہو جائے، تو اس سے گویا جرمِ زنا کا ثبوت ہو جائے گا، یوں جرمِ زنا کے ثبوت کے لیے، بالواسطہ چار گواہوں کی شہادت کی تائید مل سکتی ہے۔[۱]

الحمدللہ "مفکرِ قرآن" نے یہ رٹ چھوڑ دی کہ --- "جرم زنا کے ثبوت کے لیے، گواہوں کا ذکر، قرآن میں نہیں آیا" ---

ع کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

جملۂ معترضہ - تضاد پرویز...... چلتے چلتے یہاں "مفکرِ قرآن" کا ایک اور تضاد بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

جرمِ زنا کے گواہوں کے متعلق، وہ ایک ہی کتاب میں، متضاد موقف اختیار کرتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر، تو، وہ یہ فرماتے ہیں کہ

---

[۱] طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۰

Marfat.com

قرآن کریم نے فعلِ زنا کے ثبوت کے لیے، گواہوں کا ذکر نہیں کیا۔ [۱]

چار گواہوں کا ذکر، سورۃ النور کی چوتھی آیت اور پھر تیرہویں آیت میں بھی ہے، کیا گواہانِ قذف، زنا کے گواہ نہیں بن سکتے؟ اس پر وہ لکھتے ہیں:

سورۃ النور کی آیت نمبر ۴ میں چار گواہوں کا ذکر ہے، لیکن وہ تہمت تراشی (قذف) کے سلسلے میں ہے اور قذف کے لیے ایک الگ قانون ہے۔ [۲]

لیکن چند ہی صفحات آگے چل کو وہ زنا کی سزا کے تحت گواہان زنا کے وجود کو تسلیم کرنے پر اتر آتے ہیں اور فرماتے ہیں

یہ جرم بھی دو طرح سے ثابت ہوتا ہے، ایک مجرم کے اپنے اقرار سے، اور دوسرے گواہوں کی گواہی سے۔ [۳]

فکری الجھاؤ اور ذہنی پراگندگی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ جرمِ زنا کا اثبات (اقرار مجرم کے علاوہ) گواہوں کی گواہی سے بھی ہوتا ہے اور دوسری طرف بڑے مفکرانہ لب و لہجے میں یہ کہا جاتا ہے کہ --- ارتکابِ زنا، تو، خلوت میں انجام پاتا ہے، زنا تو رہا ایک طرف، بیوی کے ساتھ مجامعت بھی محجوب و مستور رہ کر کی جاتی ہے، ایسی صورت میں قرآن نے فعلِ زنا کے لیے گواہوں کا ذکر ہی نہیں کیا --- تو پھر یہ گواہ آئیں گے کہاں سے، جن کی گواہی سے جرمِ گناہ ثابت ہوگا؟ حرام ہے جو کبھی ''مفکرِ قرآن'' نے ان تضادات پر غور کیا ہو۔

سزائے تازیانہ اور سزائے رجم...... سورۃ النسآء کی آیت ۱۵ میں جو عقوبتِ زنا مذکور ہے وہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، ایک وقتی اور عارضی سزا ہے جسے تدریج کی پہلی منزل کی سزا کے طور پر پیش کیا گیا ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ ''عبوری دور'' کی سزا ہے، یہ کوئی مستقل اور دائمی سزا ہے ہی نہیں، خود قرآن نے او یجعل اللہ لھن سبیلا کہہ کر اسے واضح کر دیا ہے،

---

[۱] قرآنی فیصلے، ج ۲، صفحہ ۲۷۹ [۲] قرآنی فیصلے، ج ۲، صفحہ ۲۸۰
[۳] قرآنی فیصلے، ج ۲، صفحہ ۲۹۰

Marfat.com

اورآیت میں جس ''سبیل کے کھولنے'' کی طرف اشارہ ہے، اسے خود نبی اکرم ﷺ نے یہ فرما کر واضح کر دیا، کہ

خذوا عنی خذوا عنی قد جعل الله لهن سبيلا البكر بالبكر جلد مائة و نفى سنة الثيب بالثيب جلد مائة والرجم [1]

لے لو مجھ سے، لے لو مجھ سے، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق راہ کھول دی ہے، کنوارے کو کنوارے کے ساتھ سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی، جبکہ شادی شدہ کو شادی شدہ کے ساتھ، سو کوڑے اور رجم۔

بلاشبہ اس فرمانِ نبوت میں کنوارے کی سزا میں سو کوڑوں کے ساتھ، سال بھر کی جلاوطنی اور شادی شدہ کی عقوبت میں، رجم کے ساتھ، سو تازیانے بھی مذکور ہیں۔ سو کوڑوں پر جلا وطنی کی سزا اور رجم پر تازیانوں کی سزا کا اضافہ، حاکمانہ تعزیر سے متعلق ہے، جو فرداً فرداً ہر کیس میں، وقت کا حکمران اگر مناسب سمجھے تو دے سکتا ہے، ورنہ نبی اکرم ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ آپ کنوارے زانی کو سو کوڑوں کی سزا اور شادی شدہ زناکار کو رجم کی سزا دیا کرتے تھے۔ حکام میں سے بہرحال حضرت علیؓ نے حاکمانہ تعزیر سے کام لیتے ہوئے، اصل سزا پر اضافہ کیا ہے، جبکہ دیگر خلفاء راشدین نے شاید ہی اصل سزا پر، تعزیر کا اضافہ کیا ہو۔

الغرض یہی فرمان رسول آیت (۴/۱۵) میں مذکور سبیل کی توضیح کر رہا ہے اور سورۃ النور کی آیت ۲ میں مذکور حکم کو کنوارے افراد تک محدود و مخصوص کر ڈالتا ہے۔

کیا سنت، قرآنی حکم کی تبیین اور تخصیص و تقیید کر سکتی ہے؟

......اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا سنت یا صاحبِ سُنت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قرآنی حکم کی تبیین کر دیں یا کسی دوسرے حکم کی تقیید و تخصیص کر دیں؟ اس کا جواب بلکہ مثبت جواب خود قرآن یہ کہہ کر دیتا ہے کہ یہ بات، پیغمبر کے فرائض منصبی میں داخل ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اسے کتاب دی ہی اس لیے گئی ہے کہ اس کی تبیین کرے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا

Marfat.com

﴿ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ ﴾

(النحل - ۴۴)

ہم نے ذکر کو آپ کی طرف نازل اس لیے کیا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے، اس امر کی وضاحت کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

قرآن کریم میں چار مقامات پر کتاب اللہ کے حوالہ سے پیغمبر کے درج ذیل فرائض بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) تلاوتِ قرآن

(۲) تعلیمِ کتاب

(۳) تعلیمِ حکمت

(۴) تزکیۂ نفوسِ انسانیہ

تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفس کے فرائض کو تو فی الحال چھوڑیئے۔ جہاں تک تلاوتِ کتاب کے فریضہ کا تعلق ہے، صاف ظاہر ہے کہ وہ محض کتاب کو پڑھ کر لوگوں کو سنا دینے سے ادا ہو جاتا ہے، لیکن تعلیمِ کتاب کا فریضہ، کتاب کی تلاوت سے بڑھ کر قولاً یا عملاً تبیین و توضیح کے بغیر ممکن ہی نہیں، اور چونکہ یہ تبیین و توضیح، پیغمبرانہ فرائض کا لازمی جز ہے، اس لیے امت کے لیے اسے قبول کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ خود پرویز صاحب سورۃ الجمعہ کی آیت ۲ کے تحت، جس میں پیغمبر خداؐ کے یہ ہی فرائض مذکور ہیں، لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں رسولؐ اکرم کے منصب رسالت میں تین بیّن اور مستقل چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) تلاوتِ قرآن

(۲) تزکیۂ نفوس

(۳) تعلیمِ کتاب و سنت

اگر لتبیـــن میں تبیین سے مراد، وحی الٰہی کو محض لوگوں پر ظاہر کر دینا ہی ہے، اگر

Marfat.com

ماعلی الرسول الاالبلاغ میں بلاغ کے معنی، پہنچادینا (یعنی وضاحت نہ کرنا محض پہنچادینا) ہی ہے تو ظاہر ہے کہ اتنا کام منصب نمبر۱ (تلاوت قرآن) میں پورا ہو گیا۔ جب رسول نے خدا کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنادیں تو مانزل الیھم (جو کچھ ان کی طرف بھیجا گیا ہے) کا اظہار (بقول معترضین تبیین) ہو گیا، تو اس کے بعد جو بھی دو شقیں اور باقی ہیں، ان سے کیا مطلب ہے؟ شق نمبر۲ کو سرِ دست الگ رہنے دیجیے، لیکن شق نمبر۳ میں "تعلیمِ کتاب وحکمت" تو تلاوت سے علیحدہ چیز ہے، کتاب وحکمت کے واء عطف کی بحث میں نہ الجھئے، کہ یہ تفسیری ہے یا فصلی۔ بہرکیف، تلاوتِ آیات اور تعلیمِ کتاب، دو جداگانہ اور مستقل عنوان ہیں، اظہار وابلاغ تو تلاوت میں آ گیا، اس تعلیم کے لیے کیا باقی رہ گیا...... ورنہ اگر غور وفکر کے لیے، کتاب کی آیات ہی کافی ہوتیں، تو کتاب کسی پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دی جاتی، عوام کے دلوں میں القاء کر دی جاتی، جیسا کہ وہ اکثر اعتراض بھی کیا کرتے تھے کہ ہم پر وحی کیوں نہیں بھیجی جاتی، لیکن اس علیم وحکیم کو خوب علم تھا کہ تعلیم بلا عمل اور کتاب بلا رسول ناقص رہ جاتی ہے، یہی ضرورت تھی جسکو پورا کرنے کے لیے فرمایا کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لیے رسولِ خدا کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے۔ [1]

اور قرآنی احکام کی تبیین میں، تفصیلِ اجمال، ازالۂ شبہات، حلِ اشکالات، تقیید المطلق، اطلاق المقید، تخصیص العام اور تعیم الخاص وغیرہ سبھی کچھ آجاتے ہیں

پیغمبرؐ، شارح کے علاوہ، شارع بھی ہے...... علاوہ ازیں، پیغمبرؐ کا ایک منصب، ان کا شارع ہونا بھی ہے، حلال وحرام یا اوامر ونواہی، صرف وہی نہیں ہیں، جو مذکور فی القرآن ہیں، بلکہ ان کے علاوہ، وہ بھی ہیں جو نطقِ رسولؐ نے بیان کیے ہیں، قرآن نے ان

[1] معارف، جلد ۳۵، نمبر۴، اپریل ۱۹۳۵ء، صفحہ ۲۷۸ تا ۲۷۹

Marfat.com

کے اس منصب کو سورۃ الاعراف کی آیت میں واضح طور پر بیان کیا ہے، بلکہ خود طلوع اسلام کی فائل میں، قائداعظم محمد علی جناح کا یہ فرمان محفوظ ہے، جس میں انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے (صرف مبلغِ قانون ہی نہیں بلکہ) عظیم واضع قانون بھی قرار دیا تھا۔ ان کے الفاظ یہ تھے:

> میں ایک عاجز ترین، انتہائی خاکسار بندۂ ناچیز، ایسی عظیم بلکہ عظیموں کی عظیم ترین ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانۂ عقیدت پیش کر سکتا ہوں، رسول اکرم عظیم مصلح تھے، عظیم ترین راہنما تھے، عظیم واضعِ قانون تھے، عظیم سیاستدان تھے عظیم حکمران تھے (ﷺ) [1]

الغرض، از روئے قرآن، نبی اکرم ﷺ شارع و واضعِ قانون بھی تھے، اور شارح و موضحِ قرآن بھی تھے، شارع ہونے کی حیثیت سے آپؐ قرآن سے زائد بھی کوئی حکم دے سکتے تھے، اور شارح قرآن کی حیثیت سے، آپؐ قرآن کے کسی غیر صریح مدعا کو واضح کرنے، اس کے مطلق اور عام کو مقید اور خاص کرنے کے بھی مجاز و مختار تھے، اس لیے اگر فرمان رسول "خذوا عنی خذو اعنی ......الخ"۔ آیت ۴/۱۵ میں واقع لفظ سبیل کی توضیح کرتے ہوئے، دوسری منزل کی سزائے زنا کو پیش کرتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی آیت ۲/۲۴ میں موجود الفاظ الـزانیۃ والـزانـی کو غیر شادی شدہ افراد تک محدود و مقید کرتا ہے، تو یہ امر عین تقاضائے منصبِ نبوت ہے، اور ایسی تبیین و وضاحت، فرائضِ نبوت کا حصہ ہے، جس کی اطاعت، اہل ایمان پر لازم ہے۔

غلط توجیۂ آیات، علماء کے کھاتے میں ......لیکن منکرین حدیث، فرمان نبیؐ کی بنیاد پر، آیت ۴/۱۵ کے لفظ سبیل کی توضیح کو، اور آیت ۲/۲۴ میں، زانی مرد اور زانی عورت کو کنوارے افراد تک محدود کر دینے کے عمل کو، نہایت مضحکہ خیز صورت میں، علماء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

---

[1] طلوع اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۶۳

Marfat.com

ظاہر ہے کہ یہ قانون، عام بے حیائی کی باتوں کے متعلق ہے، نہ کہ جرمِ زنا کے متعلق، ان حضرات نے پہلے تو آیت کا اطلاق، فعلِ زنا پر کر دیا، اور اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ نہ تو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی، نہ چار عینی گواہ ہوں گے، نہ جرم ثابت ہوگا، نہ سزا ملے گی، جب پوچھا گیا، کہ جرمِ زنا کی سزا (سورہ نور میں) کوڑے بیان کی گئی ہے، اور یہاں سزا صرف پابندیٔ مسکن ہے تو ارشاد ہوا، کہ اس آیت کی سزا کا حصہ، سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہے، اور شہادت کے متعلق، حصہ برقرار ہے، اور سورہ نور کی آیت، حدیث سے منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کے زنا کی سزا، رجم بیان کی گئی ہے۔ [1]

''مفکر قرآن'' کی بہر حال یہ عادت ہے کہ اپنی طرف سے ایک صورتِ واقعہ، خود گھڑ لیتے ہیں اور اسے اپنے مخالفین کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حتّٰی کہ علماءِ کرام، ائمۂ عظام تو رہے ایک طرف، وہ خدا اور رسول کی طرف بھی من گھڑت باتیں منسوب کرنے میں (العیاذ باللہ) کوئی شرم اور جھجک محسوس نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس صورتِ حال کا ناسخ و منسوخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہاں فرمانِ نبوی، آیت (۴/۱۵) کے لیے تبیین و توضیح کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسری آیت کے لیے، تحدید و تقیید کی۔

کیا آیت (۲۴/۲) مطلق زناۃ کے لیے ہے؟ اگرچہ ایک پہلو سے وہ آیت (یعنی سورۃ النور کی دوسری آیت) پہلے ہی مقید ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کے زانی اور زانیہ کا حکم نہیں ہے، جیسا کہ پرویز صاحب کا خیال ہے کہ

الزانی اور الزانیة میں ہر قسم کے مجرم آ جاتے ہیں۔ [2]

حالانکہ اس آیت میں (۲۴/۲) میں، وہ زانی اور زانیہ مجرم مراد ہیں جو آزاد ہیں، نہ کہ غلام، کیونکہ غلاموں کی سزا، ازروئے قرآن، آزاد زانیوں کی نسبت، آدھی ہے، لہٰذا یہ

---

[1] طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۶ء، صفحہ ۷۹ [2] قرآنی فیصلے، ج ۲، صفحہ ۲۲۸

Marfat.com

آیت، مطلق اور ہر قسم کے زناۃ کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ آزاد زناکاروں ہی کے بارے میں ہے، البتہ فرمان رسول نے آیت کے سیاق وسباق کی بناء پر، یا اپنی خداداد پیغمبرانہ بصیرت کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہوئے یا کتاب اللہ کے مبین اور موضح ہونے کی حیثیت سے، یا شارع اور واضعِ قانون ہونے کی بناء پر، اس پر ایک اور قید کا اضافہ کر دیا ہے اور وہ یہ کہ آیت سے نہ صرف یہ کہ آزاد، بلکہ کنوارے زانی مراد ہیں، پہلی قید، اگر بلاواسطہ، خدا کی طرف سے خود قرآن نے بیان کی ہے، تو دوسری قید، بالواسطہ مگر خدا ہی کی طرف سے، رسولِ خدا نے بیان کی ہے جس کی اطاعت کو، اللہ تعالی نے خود اپنی اطاعت قرار دیا ہے، من یطع الرسول فقد اطاع الله (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔

''مفکر قرآن'' کا رسول رحمان سے معارضہ و مقابلہ...... یہاں پہنچ کر ''مفکر قرآن'' کے مزاج کا یہ پہلو، نمایاں ہو کر، ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ رسولِ خداؐ کو، یا ان کی سنت کو قطعاً یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ وہ، قرآن کے کسی حکمِ مطلق کو کسی شرط یا کسی وصف سے مقید کر دیں، آیتِ تازیانہ میں، دراصل، زانیوں کو ''کنوارے مجرموں'' کے لیے محدود و مخصوص کرنے کا جو عمل، نبی اکرمؐ نے کیا ہے، اس سے ہمارے ''مفکر قرآن'' کو سخت اختلاف ہے، وہ اطلاق و تعمیم یا تقیید و تخصیص کی ایسی کارروائی کو، حکم کی قانونی حیثیت کو ختم کر دینے کے مترادف سمجھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

کسی مقید قانون کو مطلق قرار دینے سے، قانون کی حیثیت ہی کچھ نہیں رہتی۔[1]

الغرض نبیؐ کے کسی ایسے اختیار کے تو پرویز صاحب قائل ہی نہیں ہیں، مگر خود اپنے لیے، ایسے اختیار کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتے ہیں بلکہ عملاً استعمال بھی کرتے ہیں، اور قرآنی احکام میں تقیید المطلق، اطلاق المقید، اور تخصیص العام و تعیم الخاص کی صورت میں ہر کارروائی کر گزرتے ہیں، چند ایک امثلہ ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی مثال قرآن کریم، اہل ایمان کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ:

---

[1] طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۱ + مارچ ۱۹۸۴ء، صفحہ ۵۹

Marfat.com

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ
وَاِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ (المائدہ - ۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں، لیکن اگر تم ایسے وقت پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو، تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی، اب تک جو کچھ تم نے کیا، اسے اللہ نے معاف کر دیا، وہ درگزر کرنے والا بردبار ہے۔

اس آیت میں لا تسئلوا عن اشیآء کو مطلق رکھا گیا ہے، کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا ماسوا، اس کے کہ --- "اگر ان امور کو تم پر کھول دیا جائے تو تمہیں ناگوارِ خاطر گزریں" --- اس لیے ایسی اشیاء کے متعلق مت پوچھو کہ اگر ان کا جواب تمہیں دیا جائے، تو تمہارے لیے آزردگی اور کبیدگیٔ خاطر کا سبب بن جائے، لیکن پرویز صاحب، لا تسئلو عن اشیاء کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ تم "فروعات و جزئیات" کے متعلق سوال نہ کیا کرو۔ گویا اصولیات اور کلیات کے متعلق پوچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حالانکہ آیت میں ایسی کوئی قید نہیں ہے مگر "مفکرِ قرآن" اپنی طرف سے یہ قید لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا بعض لوگوں نے چاہا کہ قرآنی اصولوں کی جزئی تفاصیل بھی، قرآن میں بیان کر دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے سوالات سے سختی سے روک دیا، اور کہا کہ یایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیآء ان تبدلکم تسؤکم اے ایمان والو، ان چیزوں کے متعلق (جو قرآن میں بیان نہیں کی گئیں) سوال نہ کیا کرو، اگر انہیں تمہارے لیے ظاہر کر دیا جائے تو وہ باعثِ تکلیف ہو جائیں۔ [1]

"مفکرِ قرآن" کو روایاتِ حدیث سے اس قدر ضد، عناد اور چڑ تھی کہ اگر ان میں

---

[1] طلوعِ اسلام، مئی جون ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۲

Marfat.com

نزولِ آیات کا کوئی شانِ نزول یا سببِ نزول مذکور ہو، تو انہیں قابلِ قبول نہیں، اور وہ قرآن کریم کی تعریف وتوصیف کی آڑ میں، شانِ نزول کی روایات کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں:

قرآن کریم کے الفاظ کو شانِ نزول کی روایات کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ [۱]

قرآن، کسی شانِ نزول، موقعِ نزول یا واقعۂ نزول کا پابند نہیں ہے۔ [۲]

لیکن قرآنی آیات کا ''مفہومِ مزعوم'' واضح کرنے کے لیے، وہ خود آیات کا شانِ نزول یا سببِ نزول گھڑا کرتے تھے، چنانچہ اسی آیت کے مفہوم کی وضاحت کے لیے، یہ شانِ نزول یا سببِ نزول، اختراع کیا گیا کہ --- ''جس وقت، قرآن نازل ہو رہا تھا بعض لوگوں نے چاہا کہ قرآنی اصولوں کی جزئی تفاصیل بھی، قرآن میں بیان کر دیں، لیکن اللہ تعالی نے ایسے سوالات سے سختی سے روک دیا''۔ اب روایات میں تو یہ شانِ نزول موجود نہیں ہے (اور اگر ہو بھی، تو ''قرآن مجید کے الفاظ کو شانِ نزول کی روایات کا پابند نہیں بنایا جاسکتا'') پھر پتہ نہیں کہ ''مفکرِ قرآن'' پر اس شانِ نزول کی وحی، کس آسمان سے اتری ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' خود اپنے نفس سے ایک شانِ نزول گھڑا کرتے تھے، اور پھر اس کی روشنی میں، اپنا مدعا ''ثابت'' کیا کرتے تھے، سورہ مائدہ کی اس آیت کی وضاحت میں بھی، یہی ٹیکنیک اختیار کی گئی ہے، ترجمۂ آیت سے قبل، خود ساختہ شانِ نزول کی صورت میں، ایک تمہید باندھی گئی ہے، جسے اپنے مدعا تک پہنچنے کے لیے، بطور زینہ استعمال کیا گیا ہے

دوسری مثال...... قرآن کریم، جرمِ سرقہ کی سزا، بایں الفاظ بیان کرتا ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (المائدہ - ۳۸)

چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ سزا بدلہ ہے ان دونوں کی کمائی کا، اور خدا کی طرف سے عبرت ہے، وہ غالب اور حکیم ہے۔

یہاں ''قرآن'' نے مطلق سارق اور سارقہ کی سزا بیان کی ہے لیکن ''مفکرِ قرآن''

---

[۱] طلوع اسلام، جنوری ۱۹۵۷ء، صفحہ ۶۱ [۲] طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۱

Marfat.com

نے چورمرداور چورعورت کے لیے ''عادی مجرم'' ہونے کی شرط، خوداپنی طرف سے عائد کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

یہ عادی مجرم کی سزا ہے۔ [1]

''مفکر قرآن'' بمقابلہ رسولِ قرآن......سیدھی سی بات ہے کہ اگر وہ ہستی، جوخود، مہبطِ قرآن تھی، الزانیة والزانی والی آیت میں، مجرموں کے ''کنوارہ'' ہونے کی شرط عائد کرتی ہے، تو ''مفکر قرآن'' فرماتے ہیں کہ:

قرآن مجید میں جرمِ زنا کی سزا، صرف کوڑے مقرر کی گئی ہے، بلاتخصیص اس امر کے کہ مجرم شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔ اس میں رجم کی سزا کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا، یہ سزا، قرآن مجید کے خلاف ہے۔ [2]

اب وہ ہستیؐ، جس پر قرآن نازل ہوا ہے، وہ لاکھ فرمائیں کہ ''آیت (۲۴/۲) میں، زانی مرداور زانی عورت سے مراد، وہ لوگ ہیں جو غیر شادی شدہ ہیں، رہے شادی شدہ زنا کار، تو ان کی سزا، رجم ہے'' لیکن پرویز صاحب کو محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان، قرآن کے مخالف نظر آتا ہے، اور وہ خود اگر چورمرداور چورعورت کے متعلق یہ کہیں کہ اس سے مراد ''عادی مجرم سرقہ'' ہے، تو یہ عین مطابقِ قرآن ہے، ایسے کوئی ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں مقامات ہیں، جہاں ''مفکر قرآن'' محمد رسول اللہ ﷺ سے قرآن تو لیتے ہیں (بلکہ چھین لیتے ہیں) اور ان توضیحات وتشریحات کو قبول کرنے سے انکار کرڈالتے ہیں، جو مہبط قرآنؐ نے قولاً وعملاً پیش فرمائی ہیں، یہ پرویز صاحب کی رسول اللہ ﷺ ساتھ، مقابلہ ومعارضہ کی وہ بدترین صورت ہے، جسے قرآن کے نام پر، صاحب قرآنؐ کے خلاف، انہوں نے عمر بھر اختیار کیے رکھا، پھر سینہ زوری کا یہ عالم، کہ پیغمبر آخرالزماں ﷺ کی عائدشدہ وہ قید تو غیر قرآنی (یا بقول، ان کے ''خلافِ قرآن'') ہے، جو آیتِ عقوبتِ زنا (۲۴/۲) میں لگائی گئی ہے، مگر، خود ''مفکر قرآن'' کی طرف

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد۴، صفحہ ۵۰۷
[2] قرآنی فیصلے، ج ۲، صفحہ ۲۹۴

Marfat.com

سے، آیت سرقہ (۵/۳۸) میں، عائد کردہ ''عادی مجرم'' کی قید، عین قرآنی قید ہے، رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں ''مفکر قرآن'' کا یہ معارضہ ومقابلہ، اور یہ تحکمانہ تقدم اور یہ سینہ زوری، ایک ایسا کفر ہے جس میں شک وشبہ کی رتی بھر گنجائش نہیں ہے۔

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(النسآء – ٦٥)

نہیں، تیرے رب کی قسم، وہ ہرگز صاحب ایمان نہیں جب تک کہ اپنے باہمی نزاعات میں تجھے اپنا حکم نہ بنالیں اور پھر تیرے فیصلہ پر وہ دلوں میں گھٹن نہ پائیں اور کما حقہ بسر وچشم قبول کرلیں۔

پھر محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل، جرأت اور دیدہ دلیری کا یہ عالم، کہ رجم کے متعلق، قرآن کی اساس پر، یہ کہتے ہیں کہ:

اس میں رجم کی سزا کا ذکر نہیں، لہٰذا یہ سزا، قرآن کے خلاف ہے۔ [1]

پھر اس خودسر ''مفکر قرآن'' نے اپنے غرورِ علم اور پندارِ مطالعہ میں اتنا بھی نہیں سوچا کہ جب قرآن میں نفیاً یا اثباتاً رجم کا ذکر ہی نہیں ہے، اور قرآن نے، رجم کے وجود یا عدم وجود کے بارے میں مکمل سکوت اختیار کیا ہے تو پھر رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے، شادی شدہ زانی کے لیے، رجم کا اعلان، ''خلافِ قرآن'' کیسے ہوگیا؟ اب اس ''علامہ دہر'' کو کون سمجھائے کہ خلاف قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، کسی چیز کا حکم دے، اور کوئی دوسری ہستی، اس سے منع کرے، یا یہ کہ قرآن، کسی چیز سے منع کرے، اور کوئی اور ہستی ٹھیک اسی چیز کا حکم دے، لیکن اگر قرآن، الزانية والزاني کے مطلق الفاظ بول کر، انہیں ''آزاد افراد'' کی قید سے خود مقید کر ڈالتا ہے، اور غلام زنا کاروں کو اس حکم سے الگ کر دیتا ہے، اور خدا کا رسول، اس میں ایک اور قید ''غیر شادی شدہ'' ہونے کی عائد کرتا ہے، اور شادی شدہ افراد کو، اس حکم سے

[1] قرآنی فیصلے، ج ۲، صفحہ ۲۹۴

Marfat.com

خارج کر دیتا ہے، اور ان کے لیے الگ سزا تجویز کرتا ہے، تو اسے ''خلافِ قرآن'' کہنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

الغرض، رجم کو ''خلافِ قرآن'' نہیں بلکہ ''زائد از قرآن'' قرار دیا جا سکتا ہے، اور پیغمبرؐ کی اطاعت کا تحقق، دراصل ممکن ہی، اس طرح ہے کہ اس کی اطاعت، ان امور میں کی جائے، جو زائد از قرآن ہیں، رہے وہ امور جو قرآن کے مطابق ہیں، ان میں پیغمبر کی اطاعت، تو اتباعِ قرآن بھی کہلا سکتی ہے کیونکہ ایسے (مطابقِ قرآن) امور میں، پیغمبر کوئی حکم نہ بھی دے، تب بھی وہ مذکور فی القرآن ہونے کی بناء پر، یا مطابق قرآن ہونے کی بناء پر، واجب الاطاعت ہیں، پس اطاعتِ پیغمبر کا مفہوم، فی الواقع، ان امور ہی میں ہے، جو قرآن سے زائد احکام ہیں۔

ذاتِ رسولؐ پر، ذاتِ پرویز کا تقدم...... یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے، پرویز صاحب، ذاتِ رسولؐ کو پیچھے دھکیل کر خود کو، ان پر مقدم کرتے ہیں، اور اپنی ''بصیرت'' کو اس امر کا معیار قرار دیتے ہیں کہ کون سی بات ''خلاف قرآن'' ہے اور کون سی ''مطابق قرآن''۔ پھر وہ جملہ امور، جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں، ان میں سے بعض کو یہ کہہ کر قبول کر لیتے ہیں کہ --- ''قرآن نے کہیں بھی، ان سے منع نہیں کیا'' --- اور بعض کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ --- ''قرآن میں سرے سے، ان کا ذکر ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ خلافِ قرآن ہیں اور رد کیے جانے کے قابل ہیں'' --- مثال کے طور پر، درجِ ذیل امور پر ایک نگاہ ڈالیے، یہ قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہیں:

(۱) بچے کی پیدائش پر، کان میں اذان و اقامت کہنا

(۲) عقیقہ کرنا

(۳) ختنہ کرنا

(۴) مردہ کو غسل دینا اور کفن پہنانا

ان چاروں امور کو وہ جائز قرار دیتے ہیں، اور ان کے جواز پر، یوں استدلال کرتے ہیں:

Marfat.com

یہ امور معاشرتی ہیں، نہ کہ دینی۔کسی معاشرہ میں، اگر بعض باتیں، اس قسم کی رائج ہوں، جو دین کے کسی حکم یا عام تعلیم کے خلاف نہ جاتی ہوں، تو انہیں معاشرتی تقریبات کے طور پر منا لینے میں کوئی حرج نہیں، ایسی تقریبات، معاشرتی یکجہتی کے لیے، مفید ہوتی ہیں۔[1]

اس عبارت میں، معاشرتی اور دینی امور کی، جو تفریق کی گئی ہے، وہ بجائے خود غیر قرآنی تصور ہے، دین و معاشرت کی، جس ثنویت کو، پرویز صاحب نے یہاں تسلیم کیا ہے، اس کا ثبوت، قرآن سے ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اب یہاں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے، مگر ''مفکر قرآن'' بڑے سرسری اور سطحی انداز میں ان امورِ اربعہ کو ''رواج پذیر معاشرتی تقریبات'' کہہ کر آگے سرک گئے ہیں، سوال یہ ہے کہ ''بچے کی پیدائش پر، کان میں اذان و اقامت'' کہنے کی یہ تقریب، کیا مشرکینِ مکہ کے ہاں، پہلے سے رواج پذیر چلی آ رہی تھی، جسے اسلام نے برقرار رکھا ہے؟ یا اسے خود، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسے حضور ہی نے جاری فرمایا تھا۔ مشرکین عرب کے ہاں تو نہ یہ اذان تھی اور نہ ہی اقامت ۔ اسی طرح بقیہ امورِ ثلاثہ کی کھوج لگائی جائے، تو یہ واضح ہوگا، کہ دراصل یہ وہ امور ہیں، جو انبیائے سابقین کی تعلیمات پر اساس پذیر ہیں، اور جاہلیت کے دور میں بھی، ان کا وجود برقرار رہا ہے، اور شریعتِ محمدیہ نے بھی انہیں برقرار رکھا ہے۔

بہرحال، یہ چاروں امور، قرآن میں مذکور نہ ہونے کے باوجود بھی ''مفکر قرآن'' کی بارگاہ سے جائز قرار پا گئے ہیں، اس کے بعد، درجِ ذیل چار امور کو دیکھئے، یہ بھی قرآن میں مذکور نہیں ہیں، مگر ان امور کو ''مفکر قرآن'' کی بارگاہ سے شرفِ جواز نہ مل پایا۔

(۱) حق شفع

(۲) انبیاء سابقین کا، معراجِ رسول کی نوعیتِ سفر میں، براقِ نبوی ہی کی سواری استعمال کرنا

---

[1] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۱۶۵

(۳) نبوت کے ابتدائی سالوں میں، حضور اکرمؐ کے ساتھ، بغرض تعلیم، حضرت اسرافیل (فرشتے) کا لگایا جانا

(۴) شادی شدہ زانی کو رجم کرنا

یہ چاروں امور بھی، اگرچہ قرآن میں، موجود نہیں ہیں، مگر ''مفکرِ قرآن'' نے انہیں ناجائز قرار دیا ہے، جہاں تک ''حق شفع'' کا تعلق ہے کسی صاحب نے ''مفکرِ قرآن'' سے چودہ سوالات پوچھے، ان میں سے چوتھا سوال اور اس کا جواب، درج ذیل ہے،

(۴) حق شفع کا قانون، قرآن مجید کے کس حکم کے ماتحت جاری ہے، جس کی وجہ سے مالک جائیداد، اپنی جائیداد کی پوری قیمت وصول نہیں کر سکتا، بلکہ شفع کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے، یا سودا کرتے وقت، ناجائز طور پر، بخوفِ حقِ شفع، اس کی قیمت، حد سے زیادہ فرضی طور پر لکھواتا ہے، کیا اس قانون کی وجہ سے مالکِ جائیداد کے آزادانہ حق فروخت میں دست اندازی، ازروئے قرآن مجید جائز ہے؟ اور اس کا مفاد کیا ہے؟ [۱]

سوال آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اب اس کا جواب بھی دیکھ لیجیے

جواب...... (۴) حق شفع کا قانون، قرآنی نہیں۔ [۲]

رہا دوسرا امر، جو انبیاء سابقین کے ہاتھوں، اپنے معراج کے سفر کے دوران، براق نبوی جیسی سواری کے استعمال سے تعلق رکھتا ہے، تو اس کے متعلق، مولانا مودودیؒ نے واقعہ معراج کے ضمن میں، ایک مقام پر یہ لکھا تھا کہ:

اس کے بعد، آپ کی سواری کے لیے، ایک جانور پیش کیا گیا جس کا رنگ سفید اور قد گدھے سے بڑا، اور خچر سے کچھ چھوٹا تھا، برق کی رفتار سے چلتا تھا، اس کا ہر قدم، حدِ نگاہ پر پڑتا تھا، اور اسی مناسبت سے اس کا نام براق تھا، پہلے انبیاء بھی، اس نوعیت کے سفر میں، اسی سواری پر جایا کرتے تھے۔ [۳]

---

[۱] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۳۷۳ [۲] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۳۷۶

[۳] ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۷۶ء، صفحہ + سیرت سرورِ عالم، صفحہ ۱۴۶

Marfat.com

س کی مخالفت کرتے ہوئے، ''مفکر قرآن'' نے لکھا ہے کہ:

قرآن کریم میں تو کسی نبی کے تذکرہ میں ایسا نہیں کہا گیا۔ [۱]

س اس دلیل سے، یہ امر ''خلافِ قرآن'' قرار پا گیا۔

رہا تیسرا معاملہ، جو حضورؐ کو اسرافیل کی طرف سے تعلیم دینے سے متعلق ہے، تو اس کے متعلق، مولانا مودودیؒ نے ایک مقام پر یوں لکھا تھا کہ:

نبوت کے ابتدائی تین سال تک، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، حضرت اسرافیل کو تعلیم کے لیے لگایا گیا تھا، وہ وحی نہیں لاتے تھے، کیونکہ وحی لانا صرف، حضرت جبریلؑ کا کام تھا، البتہ وہ کسی اور طریق سے، حضور اکرمؐ کو علوم کی تعلیم دیتے تھے۔ [۲]

س واقعہ کی تردید کے لیے، پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

قرآن کریم میں، نہ وحی کے علاوہ، کوئی اور طریقِ ابلاغِ نبوت بتایا گیا ہے، اور نہ ہی اس میں اسرافیل کا لفظ تک آیا ہے۔ [۳]

حالانکہ کسی امر کا قرآن میں مذکور نہ ہونا، اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہے، خود ''مفکر قرآن'' نے ختنہ، عقیقہ اور مردے کو کفن دینے وغیرہ جیسے اعمال کو، اس کے باوجود، جائز ٹھہرایا ہے کہ وہ قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ رہا، آخری امر، یعنی شادی شدہ کے لیے سزائے رجم، تو اس کے متعلق، ''مفکر قرآن'' لکھتے ہیں کہ:

قرآن کریم میں زنا کی سزا، رجم (سنگسار کرنا) کہیں نہیں آئی، نہ شادی شدہ کے لیے، نہ غیر شادی شدہ کے لیے۔ یہ سزا یہودیوں کے ہاں رائج تھی، لیکن قرآن نے اسے تجویز نہیں کیا، ہمارے ہاں، یہ سزا بعد کی وضع کردہ ہے، اور اسے منسوب کیا جاتا ہے، حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کی طرف۔ اس

---

[۱] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۲۴

[۲] ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۷۴ء، صفحہ + سیرت سرور عالم، صفحہ ۶۵۱

[۳] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۲۳

Marfat.com

کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) قرآن کے احکام کے خلاف بھی فیصلے دیا کرتے تھے۔[1]

شادی شدہ زانی کے لیے، سزائے رجم، قرآن میں بالکل اسی طرح، غیر مذکور ہے، جس طرح بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں اذان و اقامت کہنا، غیر مذکور ہے، قبل از اسلام، زمانہ جاہلیت میں، یہ رواج ہرگز نہ تھا کہ پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اذان و اقامت کہی جائے، نبی اکرم ﷺ نے جس طرح نومولود کے کان میں، اذان و اقامت کہنے کو، ایک شرعی عمل کے طور پر، معاشرہ میں جاری کیا، بالکل اسی طرح، شادی شدہ زانی کے لیے، رجم کو ایک شرعی سزا کے طور پر، عملاً جاری و ساری بھی کیا اور قولاً اسے بیسیوں مرتبہ بیان بھی کیا۔ یہ آپ کی وہ سنتِ ثابتہ ہے جس کا انکار کرنا، آفتابِ نصف النہار کا انکار کرنا ہے، لیکن ہمارے "مفکرِ قرآن" کا تحقیقی انکشاف یہ ہے کہ --- "ہمارے ہاں یہ سزا، بعد کی وضع کردہ ہے، اور اسے منسوب کیا جاتا ہے، حضور رسالتمآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کی طرف، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) قرآن کے احکام کے خلاف بھی فیصلے دیا کرتے تھے" ---

"مفکرِ قرآن" کی جملہ کتب پر، جس شخص کی بھی نظر وسیع ہوگی، وہ ان کے تضادات پر انگشت بدنداں ہوگا کہ ان کے دماغ کی سرزمین کسقدر زرخیز تھی، جس میں تضادات کا وسیع خارزار پھیلا ہوا تھا، اور پھر قلم کے ذریعہ، منصۂ شہود پر آ گیا، نمعلوم "مفکرِ قرآن" اپنی تضاد گوئی کی پختہ عادت کے تحت، متناقض باتیں کرنے کے عادی تھے، یا انہیں نسیان و ذہول کا مرض لاحق تھا، اس لیے، انہیں یہ یاد نہ رہا کہ سزائے رجم کو سنت کے مطابق قرار دے کر، خود انہوں نے بھی، "اسے منسوب کیا ہے حضور رسالتمآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کی طرف، اور یہ طنز لوٹ کر، خود "مفکرِ قرآن" ہی پر آن ٹوٹتی ہے کہ۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) قرآن کے خلاف بھی فیصلے دیا کرتے تھے"۔ ملاحظہ فرمایئے ان کی یہ عبارت، جس میں وہ قانون وصیت اور سزائے رجم کے بارے میں، "خلافِ قرآن" ہونے کی رٹ لگانے کے ساتھ ساتھ،

---

[1] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۲۷۷

Marfat.com

یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دونوں مطابقِ سنت ہیں۔

شریعت بنچوں کے لیے فیصلے کا مدار، قرآن وسنت سے مطابقت ہوگا، ابھی تک ہم نے سنت کے بارے میں اختلافات کا ذکر کیا ہے، لیکن ایسے قوانین بھی تو ہوں گے، جو سنت کے مطابق، لیکن قرآن کے خلاف ہوں گے (جیسے قانون وصیت یا سنگسار کرنے کا قانون) ایسے قوانین کی صورت میں معلوم نہیں، شریعت بنچ کیا فیصلہ دیں گے، اور کس طرح فیصلہ کریں گے، اگر وہ سنت کے مطابق، قانون مرتب کریں گے تو وہ قرآن کے خلاف جائے گا، اور اگر قرآن کے مطابق فیصلہ دیں گے، تو وہ سنت کے خلاف ہوگا، اور شرط، ان پر عائد کی گئی ہے کہ ان کا فیصلہ کتاب وسنت دونوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ [1]

پاکستان کے علماء کرام، اس لحاظ سے بڑے بدقسمت واقع ہوئے ہیں کہ انہیں ایک ایسے ''مفکرِ قرآن'' سے پالا پڑا ہے جو ''خلافِ قرآن'' یا ''زائد از قرآن'' جیسے الفاظ کے مفہوم سے بالکل جاہل ہے، یا پھر لوگوں کو گمراہ کرنے کی نیت سے جان بوجھ کر، ''زائد از قرآن'' چیز کو ''خلافِ قرآن'' کہنے کا عادی ہو چکا ہے

رہا قانون وصیت، تو اس کی بحث کو فی الحال نظر انداز کیجئے۔ باقی رہا رجم، تو وہ ہرگز ''خلافِ قرآن'' نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ، اسے ''زائد از قرآن'' کہا جا سکتا ہے، لہٰذا رجم کے بارے میں شریعت بنچ، اگر کوئی فیصلہ مطابقِ سنت کر دیتا ہے، تو وہ ''زائد از قرآن'' تو ہوگا مگر ''خلافِ قرآن'' ہرگز نہیں ہوگا۔

الغرض، ''مفکرِ قرآن'' کی اس عبارت سے یہ واضح ہے کہ رجم کا ثبوت، سنت نبوی سے میسر ہے، اور قرآن میں زنا کی جو سزائے تازیانہ، بیان کی گئی ہے، اسے آپ نے منصب رسالت پر فائز ہوتے ہوئے، واضعِ قانون اور اولین مقننِ اسلام ہونے کی حیثیت سے، کنوارے زناۃ کے لیے مخصوص ومحدود قرار دیا، بالکل اسی طرح، جس طرح، آج کے دور میں، ہمارے ''مفکرِ قرآن''

---

[1] طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۷۹ء، صفحہ ۸ + اکتوبر ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۸

Marfat.com

نے قطع ید کو مطلق سارق کی بجائے "عادی مجرم" کے لیے سزا، قرار دیا، اور ساتھ ہی اس عقوبتِ سرقہ کو انتہائی سزا (THE MAXIMUM PUNISHMENT) بھی قرار دیا، حالانکہ قرآن نے اسے انتہائی سزا کی بجائے، واحد سزا (THE ONLY PUNISHMENT) کے طور پر پیش کیا ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ رسولِ خدا، مامور من اللہ شارع کی حیثیت سے ایسا کرنے کے مجاز تھے، مگر ہمارے "مفکر قرآن" کو ایسا کوئی اعزاز حاصل نہیں ہے، ان کا ایسا کرنا، سینہ زوری کے ساتھ، کتاب اللہ پر خود کو حاکم و قاضی بنانے کے مترادف ہے، لیکن بہرحال "مفکر قرآن" اس بات کے خلاف ہیں کہ سنت کو قرآن پر حاکم و قاضی بنایا جائے، امام اوزاعیؒ نے ایک مقام پر، درست بات کہی تھی کہ

الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب [۱]

کتاب اللہ، سنتِ رسول کی زیادہ محتاج ہے، بہ نسبت اس کے کہ سنتِ نبی، قرآن کی محتاج ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، اپنے مجمل حکم کی تفصیل کے لیے، سنت نبوی کا محتاج ہے، مثلاً قرآن، اقیموا الصلوة کا مجمل حکم دیکر خاموش ہو جاتا ہے نماز کی شکل، اس کی رکعات، اس کا طریقہ کار، اس کا مقام ادائیگی، وغیرہ یہ سب کچھ سنت ہی تفصیل سے بیان کرتی ہے، اس مفہوم کے اعتبار سے امام اوزاعی کا قول، درست ہے، لیکن "مفکر قرآن" اس کلمۂ حق کا ایک باطل مفہوم، اپنے ذہن میں رکھ کر، بڑے سنسنی خیز انداز میں، اپنے قارئین سے کہتے ہیں کہ:

آپ نے غور فرمایا کہ حدیث کے متعلق، عقیدہ کیا ہے؟ یہ کہ (۱) ....

(۲) ....

(۳) حدیث، قرآن کی اتنی محتاج نہیں، جتنا قرآن، حدیث کا محتاج ہے۔

(۴) حدیث، قرآن پر قاضی ہے۔ [۲]

---

[۱] جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، ج ۲، صفحہ ۱۹۱

[۲] مقامِ حدیث، صفحہ ۳۰

اس طرح ''مفکر قرآن'' یہ چاہتے ہیں کہ ''حدیث تو قرآن پر قاضی نہ ہو'' مگر ان کی ''بصیرت'' قرآن پر حاکم وقاضی ضرور رہے، وہ اگر ''زائد از قرآن'' کسی چیز کو ''خلافِ قرآن'' قرار دیدیں، تو لازم ہے کہ ساری مخلوق، اسے ایسا ہی مان لے، اس لیے کہ

ع مستند ہے ان کا فرمایا ہوا

اور ان کی تغیر پذیر ''بصیرت'' کے ساتھ، خود دنیا کو بھی بدل جانا چاہیے۔

علاوہ ازیں، حضور اکرم ﷺ کا عقوبتِ زنا کو ''کنوارے زانیوں'' تک محدود ومخصوص کر دینا، اس پہلو سے بھی درست ہے کہ آپ مامور من اللہ شارع ہونے کی حیثیت میں ایسا کرنے کے مجاز تھے اور اس پہلو سے بھی، کہ آیت (۲۴/۲)، اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے، ہے ہی کنوارے زانیوں کے لیے، کیونکہ اس کے بعد کی آیت میں، ان ہی زانیوں کے لیے (جن کا ذکر الزانیة والزانی کے الفاظ میں ہے) یہ حکم آیا ہے:

﴿ اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْمُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَايَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُئُومِنِيْنَ ﴾ (النور — ۳)

زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ، اور زانیہ کے ساتھ کوئی مرد نکاح نہ کرے مگر وہ جو زانی یا مشرک ہو، اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر۔

سزائے تازیانہ کے ذکر کے بعد، اگلی ہی آیت میں، زناۃ کے لیے ضابطۂ نکاح کا یہ بیان، اس امر پر دلیل ہے کہ آیت (۲۴/۲) میں جو سزا مذکور ہے، وہ ان مجرمین کے لیے ہے جو کنوارے ہیں اور ابھی ان کا نکاح نہیں ہوا۔

سزائے رجم کے متعلق ''مفکر قرآن'' کو یہ اعتراف ہے کہ --- ''یہ سزا، یہود کے ہاں رائج تھی'' --- واقعتاً یہ سزا، ان کی کتب میں موجود تھی، اور حضرات انبیاء کرام، بصورتِ جرم، کتاب اللہ کی یہ سزا، ان پر نافذ بھی فرماتے رہے ہوں گے، اب اگر حضور اکرمؐ کے متعلق یہ مان لیا جائے کہ آپ نے ارشادِ خداوندی فبھداھم اقتدہ کے مطابق، اگر سزائے رجم جاری کی ہے، تو اس میں کیا مضائقہ ہے، کیا انبیائے سابقین کی اقتداء کا آپ کو حکم نہیں دیا

Marfat.com

گیا؟ بہرحال، آپ کا زانیوں کو گذشتہ انبیاء کی پیروی میں سزائے رجم دینا یا خود خدا کے حکمِ وحی پر ایسا کرنا، اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت محمدیہ میں بھی یہ عقوبتِ زنا موجود ہے، جسے آپ نے متعدد مرتبہ، قولاً بھی بیان فرمایا اور عملاً زانیوں پر اسے نافذ بھی فرمایا ہے، یہ بات، عقل سے بعید ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنے دورِ حیات میں، زانیوں کو پتھر مار مار کر ہلاک کرتے رہے، اور اُس خدا نے سزائے رجم کی تردید نہیں کی، جس نے غزوۂ تبوک پر، بعض لوگوں کو محض جنگ سے رخصت دینے کی معمولی سی بات پر، پیغمبر علیہ السلام پر یہ وحی نازل فرما دی کہ:

﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ (التوبة - ۴۳)

(اے نبی) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، لیکن آپ نے انہیں رخصت کیوں دیدی؟ (تمہیں چاہیے تھا کہ رخصت نہ دیتے) یہاں تک کہ تم پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے۔

اگر فی الواقع، رجم ''خلافِ قرآن'' ہوتا تو عہد نبوی میں، متعدد واقعات میں رجم کے نفاذ پر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور وحی نازل ہو جاتی، اور حقیقت واضح کر دی جاتی کہ آپؐ ''خلافِ قرآن'' سزا دے کر، کتاب اللہ کو پسِ پشت پھینکنے کے مرتکب ہو رہے ہیں، حالانکہ اس سے کمتر معاملات میں، اللہ تعالیٰ، بذریعہ وحی، اپنے نبیؐ کو متنبہ کرتا رہا ہے۔

''مفکر قرآن'' کا یہ کہنا کہ --- ''قرآن نے اس (سزائے رجم) کو تجویز نہیں کیا'' --- ایک ادھوری بات کہہ کر، یکطرفہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ پوری بات یہ ہے کہ قرآن نے اگر اسے تجویز نہیں کیا، تو اس سے منع بھی نہیں کیا، بالخصوص جبکہ دورِ نزولِ قرآن میں وحی اتر رہی تھی، اور وحی نے نہایت ہی معمولی اور خفیف فروگذاشتوں پر (مثلاً جنگ سے کسی کو رخصت دے دینا، کسی حلال چیز کو نہ کھانے کا عہد کر لینا، اور ایک محفل میں چند اہم شخصیتوں کو، دین کی دعوت دیتے ہوئے، بظاہر ایک غیر اہم شخصیت کی طرف توجہ نہ دینا، جیسے معمولی معاملات میں) آپؐ سے ترکِ اولیٰ کی صورت میں، جو کچھ واقع ہوا تھا، اس پر آپ کو

Marfat.com

متنبہ کیا، لیکن آپ ؐ لوگوں کو سنگسار کرتے رہے، مگر وحی نہ اتری، جس کا صاف مطلب ہے کہ آپ ؐ کا سزائے رجم دینا، سراپا وحی اور مرضیِ رب کے عین مطابق تھا۔

سزائے رجم کے راوی صحابہ......پھر کثیر التعداد صحابہؓ نے، اس سزا کو اپنی روایات کے ذریعہ، اگلی نسل کو منتقل کیا ہے، چنانچہ صحابہ کرامؓ، جن سے رجم کی سزا مروی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ان روایات میں حکمِ رسول اور عملِ رسول، دونوں موجود ہیں۔

حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہؓ ابن ابی اوفی، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت ابوھریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت زیدؓ بن خالد (ان سب کی روایات، صحیح بخاری میں موجود ہیں) حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت سلمہؓ بن المحبق، حضرت ابو برزہؓ، حضرت ہزالؓ، حضرت جابرؓ بن سمرہ، حضرت لجلاجؓ، حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت بریدہؓ، حضرت ابوذرؓ غفاری، حضرت بصرؓ بن دہر اسلمی، حضرت عمرانؓ بن حصین، حضرت ابوبکرہؓ، حضرت ابوسعیدؓ خدری، حضرت نعمانؓ بن بشیر، حضرت براءؓ بن عازب (ان کی روایات، مسند احمد میں موجود ہیں) حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ بن مسعود (ان کی روایات، امام بیہقی کی السنن الکبری میں موجود ہیں) حضرت قبیصہؓ بن حریث، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عجماءؓ، حضرت سہلؓ بن سعد، حضرت عبداللہؓ بن الحارث بن الجزء (ان کی مرویات، امام الہیثمی کی مجمع الزوائد میں موجود ہیں) حضرت وائلؓ بن حجر (ان کی روایات، محمد بن محمد کی، جمع الفوائد میں موجود ہیں) حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت ابوامامہؓ بن سہل بن حنیف (ان کی روایات، مشکوۃ المصابیح میں موجود ہیں)۔

اس قدر بکثرت صحابہؓ ہیں، جنہوں نے سزائے رجم کو حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان یا عمل کی حیثیت سے روایت کیا ہے۔

روایاتِ رجم......اب ان روایات میں سے بعض کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان و عمل، واضح طور پر، ہمارے سامنے آجائے، پہلا حوالہ تفصیلی ہوگا جبکہ بقیہ

Marfat.com

حوالے، بالاختصار ہوں گے۔

۱ --- عن ابی هريرة وزيد بن خالد انهما قالا ان رجلامن الاعراب اتی رسول الله ﷺ فقال یارسول الله! انشدك الله الا قضيت لی بكتاب الله وقال الخصم الآخروهوافقه منه نعم فاقض بيننابكتاب الله وائذن لی فقال رسول الله ﷺقل قال ان ابنی كان عسيفا علی هذا فزنی بامرء ته وانی اخبرت ان علی ابنی الرجم فافتديت منه بمائة شاة ووليدة فسالت اهل العلم فاخبرونی ان علی ابنی جلد مائة وتغريب عام وان علی امرءة هذا الرجم فقال رسول الله ﷺوالذی نفسی بيده لاقضين بينكما بكتاب الله، الوليدة والغنم رد، وعلی ابنك جلد مائة وتغريب عام، واغد يا انيس! لرجل من اسلم الی امرئة هذافان اعترفت فارجمها قال فغدا عليها فاعترفت فامربهارسول الله ﷺ فرجمت. [۱]

حضرت ابوھریرہؓ اور حضرت زید بن خالد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ''بدوؤں میں سے ایک شخص، خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، تو اس نے کہا کہ ''اے اللہ کے رسول، میرے لیے، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر دیجیے، اس کے مقابل دوسرے شخص نے، جو اس سے زیادہ سمجھدار تھا کہا ہاں، ہمارے درمیان، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیجیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت بخشیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بات کہیے'' اس نے کہا ''میرا بیٹا، اس آدمی

---

۱ صحيح بخاری، كتاب المحاربين ......، باب الاعتراف بالزنا + صحيح مسلم، جلد۲، صفحه ۶۹ + موطا مالك، صفحه ۳۴۹، + سنن ابی داؤد، صفحه ۶۵۶ + سنن نسائی، جلد۲، صفحه ۳۰۸، + جامع ترمذی، جلد۱، صفحه ۱۷۳ + سنن ابن ماجه، صفحه ۱۸۶

کے ہاں مزدور تھا، اور اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا اور مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے، میں نے اس کے بدلہ میں سو بکریاں اور ایک لونڈی اسے دی، پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور ایک سال کی سزائے جلاوطنی عائد ہوتی ہے اور اس شخص کی بیوی پر سزائے رجم ہے" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں تم دونوں کے مابین، کتاب اللہ ہی کے مطابق فیصلہ کروں گا، رہی لونڈی اور تمہاری بکریاں تو وہ تمہاری طرف واپس ہیں، جبکہ تیرے بیٹے پر، سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی ہے، اے انیس (جو قبیلہ اسلم کا ایک شخص تھا) تو کل صبح، اس کی عورت کے پاس جا۔ اگر وہ اعترافِ زنا کرے تو اسے سنگسار کر دے"، اس نے کہا کہ وہ اس کے پاس گیا، اس خاتون نے اعترافِ زنا کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم سزا سنایا اور وہ خاتون سنگسار کر دی گئی۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں

۲ --- عن عبادة ابن الصامت قال قال رسول الله ﷺ خذوا عني خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلا البكر بالبكر جلدمائة ونفي سنة والثيب بالثيب جلدمائة والرجم [۱]

حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے، انہوں نے کہا، کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے، راہ کھول دی ہے، کنوارا مرد اور کنواری عورت، باہم مرتکب زنا ہوں تو ان کی سزا، سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی ہے، جبکہ شادی شدہ

---

[۱] صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الزنا + سنن ابوداؤد، صفحه ٦٠٠،
جامع ترمذی، جلد۱، صفحه ۱۷۳ + سنن ابن ماجه، صفحه ۱۸٦

Marfat.com

مرد اور بیاہی ہوئی عورت، باہم ارتکابِ زنا کریں تو ان کی سزا، سو کوڑے اور رجم ہے''۔

یہ وہ حدیث ہے، جو سورۃ النسآء کی آیت ۱۵ کی تفصیل پیش کرتی ہے، آیت میں عارضی اور وقتی سزا بیان کرنے کے ساتھ ہی، یہ وعدہ مذکور تھا کہ یہ سزا اس وقت تک ہے جب تک کہ اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ نہیں کھول دیتا، اللہ نے ''راہ کھولنے'' کا جو وعدہ کیا تھا، اسے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں ایفاء و تکمیل کا اعلان سنا کر، خدا کی طرف سے پورا کر دیا، اس مستقل سزا کا اعلان بھی، اسی نبیؐ کی زبان مبارک سے کیا گیا، جس کی لسانِ مقدس سے او یجعل اللہ لھن سبیلا کا وعدہ کیا گیا تھا، ایک ہی زبان سے نکلنے والی دو باتوں میں سے ایک کو ماننا، اور دوسری کا انکار کرنا، ایمان بالرسالت کی اس حقیقت کے منافی ہے، جس کے مطابق، آپ کو اسوۂ حسنہ جان کر، آپ کی ہر بات کی اطاعت کرنا، اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

۳ --- عن عبداللہ ابن عمر انہ قال ان الیھود جاء وا الی رسول اللہ ﷺ فذکروا لہ ان رجلا منھم وامرء ۃ زنیا فقال لھم رسول اللہ ﷺ ماتجدون فی التوراۃ فی شان الرجم فقالوا نفضحھم ویجلدون قال عبداللہ ابن سلام کذبتم ان فیھا الرجم فاتوا بالتوراۃ فنشروھا فوضع احدھم یدہ علی ایۃ الرجم فقرء ما قبلھا و مابعدھا فقال لہ عبداللہ ابن سلام، ارفع یدک فرفع یدہ فاذا فیھا آیۃ الرجم قالوا اصدق یامحمد فیھا آیۃ الرجم فامر بھما رسول اللہ ﷺ فرجما فرایت الرجل یحنی علی المرئۃ یقیھا الحجارۃ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یہودی، خدمتِ نبوی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المحاربین ......، باب احکام اھل الذمۃ ...... + صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ ٦٩ + مؤطا مالک، صفحہ ٣٤٦ + سنن ابوداؤد، صفحہ ٦١٠

Marfat.com

میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے، اپنے میں سے ایک مرد اور ایک عورت کا ذکر کیا جو باہم مرتکبِ زنا ہوئے تھے، تو حضور اکرمؐ نے فرمایا ''تم تورات میں سزائے رجم کے متعلق کیا پاتے ہو''؟ تو انہوں نے کہا کہ ''ہم زنا کرنے والوں کو (از روئے تورات) فضیحت کرتے ہیں اور ایسے مجرموں کو سزائے تازیانہ دی جاتی ہے'' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ ''تم نے جھوٹ بولا ہے، تورات میں تو سزائے رجم موجود ہے، لاؤ تورات۔ انہوں نے تورات لا کر کھول دی، تو اس میں سے ایک آدمی نے اپنا ہاتھ، آیت رجم پر رکھ دیا، اور اس کے آگے اور پیچھے کی عبارتیں پڑھ ڈالیں، عبداللہ بن سلام نے کہا کہ ''ذرا اپنا ہاتھ تو اٹھا'' اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے، آیتِ رجم موجود تھی، تو یہود نے کہا ''اے محمدؐ! عبداللہ بن سلام نے سچ کہا، اس (تورات) میں آیتِ رجم ہے'' پھر رسول اللہؐ نے ان دونوں کے بارے میں حکم دیا، اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا، میں نے دیکھا کہ (دورانِ رجم) مرد، عورت پر جھک جھک پڑتا تھا کہ اسے پتھروں کی ضرب سے بچائے رکھے۔

اس واقعہ میں، صریح طور پر، نبی اکرمؐ نے، زناکار یہودی مرد و زن کو حکم رجم دیا، اور یہ سزا ان پر نافذ کر دی گئی، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہودی مجرموں پر یہ سزا، یہودی شریعت کے مطابق نافذ کی تھی، نہ کہ قرآنی شریعت کے مطابق، یہ بات، نہ صرف یہ کہ امرِ واقعہ کے خلاف ہے، بلکہ نبی اکرمؐ پر بہتان عظیم بھی ہے، کہ آپؐ نے اس وحی کو چھوڑ کر، جو خود آپ پر نازل کی گئی تھی، الٹا، اس وحی پر عمل کیا، جو آپؐ پر نازل نہیں کی گئی تھی، بلکہ آپؐ سے متقدم انبیاء پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے، جس وحی کی پیروی کا آپؐ کو حکم دے رکھا تھا، وہ صرف وہ وحی تھی، جو ''آپ کی طرف'' یا ''آپ پر نازل'' کی گئی تھی، چند آیات ملاحظہ فرمائیے:

۱ --- ﴿ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ (الانعام — ۱۰۶)

تو اس وحی کا اتباع کر، جو تیرے رب کی طرف سے تیری طرف (اِلَیْكَ)

Marfat.com

نازل کی گئی ہے۔

۲ --- ﴿ وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ ﴾ (یونس - ۱۰۹)

اور تو اسی وحی کا اتباع کر، جو تیری طرف (الیك) نازل کی جاتی ہے۔

۳ --- ﴿ وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ (الاحزاب - ۲)

اور تو اسی وحی کا اتباع کر، جو تیرے رب کی طرف سے، تیری طرف (الیك) نازل کی جاتی ہے۔

ان تینوں آیات میں، اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مطلق وحی کی پیروی کا حکم نہیں دیا، بلکہ صرف اس وحی کی پیروی کا حکم دیا ہے، جو آپ کی طرف یا تو نازل کی جا چکی ہے یا اتاری جا رہی ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے ان صریح احکام کی موجودگی میں، رسول اللہ ﷺ نے، واقعتاً اس وحی کی پیروی کر ڈالی، جو فی الواقع آپ کی طرف نازل نہیں کی گئی تھی؟ اور اس وحی کی پیروی ترک کر دی تھی، جو آپ کی طرف کی گئی تھی؟ قرآن اس سوال کا جواب بلسانِ نبیؐ یہ دیتا ہے۔

۱ --- ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحٰى اِلَيَّ ﴾ (الانعام - ۵۰)

میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

۲ --- ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوحٰى اِلَيَّ مِن رَّبِّي ﴾ (الاعراف - ۲۰۷)

آپ کہہ دیجیے، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

۳ --- ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحٰى اِلَيَّ ﴾ (یونس - ۱۵)

میں تو صرف، اسی کی پیروی کرتا ہوں، جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

یہ آیات، واضح کرتی ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ کا رجم کرنا، اتباعِ تورات کی بناء پر نہ تھا، بلکہ صرف اس وحی کی بناء پر تھا، جو آپ ہی کی طرف نازل کی گئی تھی، اگر کسی کو حکمِ رجم، قرآنی وحی میں دکھائی نہیں دیتا، تو صاف ظاہر ہے، کہ پھر یہ حکم، اس وحی پر مبنی ہے، جو پیغمبر کو

Marfat.com

قرآن کے علاوہ بھی کی جاتی تھی، جسے تفصیلی انداز میں ''وحی'' کے زیرِ عنوان، ''تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ'' میں بیان کیا جا چکا ہے اور ماسوائے قرآن، وحی کا ثبوت، کتبِ پرویز سے بھی دیا جا چکا ہے۔ اب اس کے بعد، چوتھی حدیث، ملاحظہ فرمائیے، جو شادی شدہ زانی کے لیے، سزائے رجم کی وضاحت کرتی ہے:

۴ --- عن ابی امامة بن سهل بن حنيف ان عثمان بن عفان اشرف يوم الدار فقال انشدكم بالله اتعلمون ان رسول الله ﷺ قال لا يحل دم امرء مسلم الا باحدى ثلاث زنىً بعد احصان وارتداد بعد اسلام وقتل نفس بغير حق فقتل به فوالله مازنيت فى جاهلية ولا فى اسلام ولا ارتددت منذ بايعت رسول الله ﷺ ولا قتلت النفس التى حرم الله فبم تقتلوننى [1]

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ حضرت عثمان ابن عفان نے محاصرے کے دن (لوگوں پر) اوپر سے نگاہ ڈالی اور فرمایا، ''میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، مگر تین میں سے کسی ایک صورت میں، شادی شدہ ہونے کے بعد، زنا کا مرتکب ہو، یا اسلام لانے کے بعد، مرتد ہو جائے، یا کسی کو ناحق قتل کر ڈالے، تو اس کے بدلہ میں وہ قتل کیا جائے، خدا کی قسم، میں نے نہ تو کبھی جاہلیت میں زنا کیا اور نہ ہی اسلام میں، اور نہ میں نے کبھی اسلام سے ارتداد اختیار کیا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے، اور نہ ہی میں نے کسی ایسی جان کو قتل کیا جسے قتل کرنا، اللہ نے حرام قرار دیا ہے پھر تم کیوں میرے قتل کے درپے ہو''۔

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء لا تحل دم امرء مسلم الا باحدىٰ ثلاث + سنن ابن ماجه، صفحه ۱۸۵ + مستدرك حاكم، جلد٤، صفحه ۳۵۰ + سنن نسائى، جلد۲، صفحه ۱٦٥

Marfat.com

حضرت عثمانؓ نے کثیر التعداد لوگوں پر اوپر سے جھانکتے ہوئے، دورانِ محاصرہ، یہ ارشادِ نبوی پیش کیا تھا، جس کی رو سے کسی مسلمان کا خون بہانا، جن صورتوں میں جائز ہے، ان میں ایک صورت، شادی شدہ زانی کے سنگسار کی ہے، کسی شخص نے بھی نہ تو اس کے فرمانِ نبوی ہونے سے انکار کیا، اور نہ ہی کسی صورت کو "خلافِ قرآن" قرار دیا تھا، اور اپنے مخالفین کے بیجا فتنہ پر، اسی حدیث سے ان کے خلاف حجت پیش کی تھی۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے علاوہ، اس فرمانِ رسولؐ سے ملتا جلتا ارشادِ پیغمبرؐ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے بھی مروی ہے۔

۵ --- عن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ لایحل دم امرء مسلم یشهدان لااله الاالله وانی رسول الله الاباحدی ثلاث، الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کسی بھی ایسے مردِ مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے جو لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہے اور اس بات پر بھی گواہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مگر یہ کہ تین میں سے کوئی ایک صورت ہو (۱) شادی شدہ زانی ہو (۲) اور قتل کر چکا ہو کہ قتل کا بدلہ قتل لیا جا سکے اور (۳) دینِ اسلام کا تارک ہو جماعت اہل ایمان سے الگ ہونے والا ہو۔

٦ --- عن علقمة بن وائل عن ابیه ان امرئة خرجت علی عهدالنبی ﷺ تریدالصلوة فتلقاها رجل فتجللها فقضی

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب القسامة، باب مایباح به دم المسلم + صحیح بخاری، جلد۲، صفحه ۱۰۰۸ + موطا مالك، صفحه ۳٤۹ + سنن ابی داؤد، صفحه ٦٦۰ + سنن نسائی، جلد۲، صفحه۳۰۸ + جامع ترمذی، جلد۱، صفحه ۱۷۲ + سنن ابن ماجه، صفحه ۱۸٦

Marfat.com

حاجته منهافصاحت وانطلق ومرعليهارجل فقالت ان ذالك فعل بی کذاو کذاومرت عصابة من المهاجرین فقالت ان ذالک الرجل فعل بی کذا و کذا فانطلقوا واخذوا الرجل الذی ظنت انه وقع علیهافاتوهابه فقالت نعم هوهذافاتوابه رسول الله ﷺ فلما امربه قام صاحبهاالذی وقع علیهافقال یارسول الله اناصاحبهافقال لهااذهبی فقدغفرالله لك وقال للرجل قولاحسناقال ابوداؤد یعنی الرجل الماخوذفقال للرجل الذی وقع علیها ارجموه فقال لقد تاب توبة لوتا بها اهل المدینة لقبل منهم [1]

علقمہ بن وائل، اپنے باپ (وائل) سے روایت کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں ایک عورت، نماز کے ارادہ سے نکلی، اسے ایک آدمی ملا جس نے اسے (اپنی چادر سے) ڈھانپ لیا، اور اپنی (جنسی) حاجت پوری کر لی، وہ عورت چیختی رہی اور وہ شخص (اپنی حاجت پورا کرتے ہی) چلا گیا، ایک اور شخص، عورت کے پاس سے گزرا تو اس نے (گمانا) یہ کہا کہ یہی شخص ہے جس نے میرے ساتھ یہ اور یہ حرکت کی ہے، اور عورت پر سے صحابہ مہاجرینؓ کی ایک جماعت گزری تو عورت نے ان سے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میرے ساتھ یہ اور یہ حرکت کی ہے، وہ چلے اور اس شخص کو پکڑا جس کے بارے میں عورت نے گمان کیا تھا کہ اس نے اس سے بدکاری کی تھی، عورت نے کہا ''ہاں یہ وہی شخص ہے''، لوگ اسے پکڑ کر، خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، جب آپ حکم (دینے کے قریب تھے یا) دے چکے، تو اصل آدمی اٹھا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول، میں ہی دراصل وہ شخص ہوں، جس نے اس عورت سے زیادتی کی ہے، آپؐ نے

---

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الحدود، باب صاحب الحدیجی فیقّر + مشکوٰة، صفحہ ۳۱۱

عورت سے فرمایا "تم جاؤ، اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے" پھر آپؐ نے اس شخص کے بارے میں کلمہ تحسین ارشاد فرمایا جسے (خواہ مخواہ) پکڑا گیا تھا، اور اصل آدمی کے حق میں فرمایا کہ اسے سنگسار کر دو، پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص نے (خود کو ندامت کے ساتھ، سزا کے لیے پیش کر کے) ایسی توبہ کی ہے کہ تمام شہر والے ایسی توبہ کرتے تو ان کی (بخشش ہو جاتی اور) توبہ شرف قبولیت پا جاتی۔

ساتویں حدیث، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے فیصلہ کو پیش کرتی ہے، جس میں آپؐ نے، اس شخص کے لیے سزائے رجم بیان کی جس نے خود، اپنی لونڈی کی بجائے، اپنی بیوی کی کنیز کو، قضاءِ شہوت کے لیے استعمال کیا تھا، اس طرح کا واقعہ، اس دور میں دوبارہ پیش آیا جبکہ حضرت نعمان بن بشیرؓ گورنرِ کوفہ تھے، انہوں نے اپنے فیصلہ کی بنیاد، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے، اس قضیہ پر رکھی تھی:

۷ --- عن حبیب بن سالم ان رجلایقال له عبدالرحمن بن حنین وقع علی جاریةامرئته فرفع الی النعمان ابن بشیر وھو امیر علی الکوفةفقال لاقضین فیك بقضیةرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان كانت احلتها لك جلدتك مائة، وان لم تكن احلتها لك رجمتك بالحجارة، فوجدوه قد احلتها له فجلده مائة [1]

حبیب بن سالم سے روایت ہے کہ ایک شخص، جس کا نام عبدالرحمٰن بن حنین تھا، اپنی بیوی کی لونڈی سے ہم بستر ہوا، مقدمہ نعمان بن بشیر کے پاس لے جایا گیا، جو کوفہ پر حکمران تھے، تو انہوں نے فرمایا، میں تیرے معاملہ میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا، اگر تیری بیوی نے، اپنی لونڈی کو تیرے

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی الرجل یزنی بجاریة امرء ته

Marfat.com

لیے حلال قرار دیا ہے تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا، اور اگر اس نے تیرے لیے، اسے حلال قرار نہیں دیا تو پھر میں تجھے پتھر سے سنگسار کر دوں گا (تحقیق پر پتہ چلا تو) لوگوں نے یہ پایا کہ اس کی بیوی نے شوہر کے لیے، ایسا کرنے کی اجازت دیدی تھی، پس حکمران نے اسے سو کوڑے لگائے۔

آٹھویں حدیث میں، ایک ایسا واقعہ مذکور ہے جس میں صراحتاً رجم کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

۸ --- عن القاسم بن محمد قال قال عبدالله بن شداد وذكر المتلاعنان عند ابن عباس فقال ابن شداد اهما اللذان قال النبي ﷺ لو كنت راجما احدا بغير بينة لرجمتها فقال ابن عباس لا، تلك امرءة اعلنت[۱]

قاسم بن محمد سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن شداد نے بیان کیا کہ ابن عباس کے ہاں، دو ایسے افراد کا ذکر کیا گیا جن میں لعان کی کارروائی ہوئی تھی، تو عبداللہ بن شداد نے کہا، کیا یہی وہ دونوں افراد تھے، جن (میں سے عورت) کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کو بغیر دلیل (گواہی) کے رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا، تو ابن عباس نے فرمایا، نہیں، وہ عورت تو اپنی برائی کی بابت بہت کھلی ہوئی تھی۔

یہ حدیث، اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ، سزائے رجم دیا کرتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا، تو وہ کبھی، یہ الفاظ اپنی زبان سے نہ نکالتے کہ لو كنت راجماً (اگر میں کسی کو رجم کرتا تو......)، جس سے یہ بات واضح ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے سزائے رجم، اس معاشرے کا قانونِ عقوبت تھی، جو عہدِ نبوی میں، حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں، وحی کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا اور کسی صحابیؓ نے اسے ''خلافِ قرآن'' سزا نہ سمجھا، حتی کہ اُس رفیقِ رسولؐ نے بھی اسے ''خلافِ قرآن'' نہ قرار دیا، جس کے بارے میں یہ جھوٹا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ

---

[۱] صحیح مسلم، كتاب اللعان (فيه باب واحد)

Marfat.com

''منکرِ حدیث'' تھے اور ''حسبنا کتاب اللہ ان کا مسلک تھا۔

اس سوال کا جواب، یقیناً، اثبات میں ہونا چاہیے بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف، عمرؓ کی روح کو لیکر آگے بڑھے، وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے بڑا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے، وہ جسے رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں، یہ کہنے کی جرات نصیب ہوئی کہ حسبنا کتاب اللہ، ہمارے لیے، خدا کی کتاب کافی ہے۔ [1]

یہ عبارت پڑھ کر، قاری کے ذہن میں پہلا تاثر جو ابھرتا ہے، وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں پر (معاذ اللہ) نہایت جابرانہ اور قاہرانہ نظام مسلط کر رکھا تھا، حکومت کا جبر و استبداد، انتہائی شدید تھا، حضورِ اکرمؐ خود ایسے سخت گیر حکمران و فرمانروا تھے، کہ کسی کو لب کشائی کی مجال نہ تھی، لوگ، اپنی زبانوں پر کوئی تنقیدی کلمہ نہیں لا سکتے تھے، جسم ہی نہیں بلکہ دلوں پر بھی حکمرانوں کے جابرانہ دباؤ کا شکنجہ کسا ہوا تھا، کسی کو بھی تابِ گویائی اور مجالِ دم زدن نہ تھی، ایسے قاہرانہ اور مستبدانہ ماحول میں، صرف عمرؓ ہی ''تنقیدی اور حریت پسند قلب'' رکھتا تھا، اور اسی میں یہ ''جرأت'' تھی کہ رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں، حدیث کے خلاف، اور قرآن کی حمایت میں حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بلند کرتا، باقی صحابہؓ تو سب کے سب گویا جرأت و ہمت سے عاری تھے۔ (معاذ اللہ) یہ ہے وہ عہدِ نبوی کا نقشہ، جو ''مفکرِ قرآن'' کے قلم نے خود پیش کیا ہے، یا کسی اور مصنف سے یہ عبارت لے کر بلا سوچے سمجھے نقل کر دیا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ، نہ صرف یہ کہ، قرآن کے ساتھ حدیث وسنتِ رسول کو بھی ماخذِ قانون سمجھتے تھے، بلکہ عملاً مکمل طور پر متبعِ سنت تھے، اور سزائے رجم کے متعلق، وہ برملا اپنے خطبہ میں اعلان کیا کرتے تھے کہ:

---

[1] طلوعِ اسلام، جون ۱۹۸۳ء، صفحہ ۲۱

Marfat.com

فرجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده ؎۱

رسول خدا نے رجم کیا اور ان کے بعد ہم نے بھی یہی سزا دی

نواں واقعہ، جو رجم کی سزا کو، سنتِ رسول قرار دیتا ہے، وہ حضرت علیؓ کی یہ روایت ہے۔

۹ --- حدثنا سلمة ابن كهيل قال سمعت الشعبى يحدث عن على حين رجم المرءة يوم الجمعة وقال قد رجمتها بسنة رسول الله ﷺ ؎۲

ہم سے سلمہ بن کہیل نے بیان کیا، کہا کہ میں نے امام شعبی سے حضرت علیؓ کی یہ حدیث سنی جبکہ انہوں نے (حضرت علیؓ نے) ایک عورت کو جمعہ کے دن سزائے رجم دی اور فرمایا کہ میں نے اسے سنتِ رسول کے مطابق رجم کیا ہے۔

دسویں حدیث، حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ کی یہ حدیث ہے جس میں صراحتاً سزائے رجم مذکور ہے۔

۱۰ --- عن الشيبانى سالت عبدالله ابن ابى اوفى هل رجم رسول الله ﷺ قال نعم قلت قبل سورة النور ام بعد قال لاادرى ؎۳

(سلیمان) شیبانی سے روایت ہے کہ کہا میں نے حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی سے سوال کیا، کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، انہوں نے کہا ''ہاں'' پھر میں نے پوچھا سورۃ النور کے نزول سے قبل یا بعد؟ اس نے کہا ''میں نہیں جانتا''۔

؎۱ صحيح بخارى، كتاب المحاربين ......، باب رجم الحبلى من الزنا ...... + صحيح مسلم، جلد۲، صفحه٦٥ + جامع ترمذى، جلد۱، صفحه ۱۷۲ + سنن ابى داؤد، صفحه ٦٠٦ + مؤطا مالك، صفحه ۳٤۹ + سنن ابن ماجه، صفحه ۱۸٦

؎۲ صحيح بخارى، كتاب المحاربين ......، باب رجم المحصن ...... + مشكوٰة، جلد۱، صفحه ۱۱۲

؎۳ صحيح بخارى، كتاب المحاربين ......، باب رجم المحصن + صحيح مسلم، جلد۲، صفحه ۷۰

Marfat.com

حدیث ابن ابی اوفیؓ سے عثمانی صاحب کا استدلال......ابن ابی اوفی کی اس حدیث سے، منکرین حدیث، جو استدلال کرتے ہیں، اسے پیش کرنے سے قبل، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ، آپؓ، حدیبیہ سے قبل (۶ھ میں) مشرف بالاسلام ہوئے تھے، انہی کے متعلق، آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی، کہ صلی اللہ علی آل ابی اوفی (ابواوفی کی اولاد یعنی حضرت عبداللہ پر اللہ رحمتیں نازل فرمائے) ان کا علمی پایہ، ان کے معاصرین میں مسلم تھا، لوگ مختلف فیہ مسائل میں، تحقیق کے لیے، ان سے رجوع کیا کرتے تھے، منکرین حدیث میں سے ''مفکر قرآن'' کے ایک فکری ہمنوا، مولانا عمر احمد عثمانی، نے، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے

> ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ جیسے پایہ کا صحابی، یہ بتانے سے قاصر ہے کہ سورۃ النور کے نازل ہونے کے بعد بھی، آنحضرت ﷺ نے کسی کو سنگسار فرمایا تھا یا نہیں، لہٰذا ماننا پڑے گا، کہ سورۃ النور کا حکم نازل ہونے کے بعد، کسی کا سنگسار ہو جانا قطعاً مشکوک ہے، ورنہ حضرات صحابہؓ کو ضرور معلوم ہوتا۔
> ظاہر ہے کہ آپؐ نے سورۃ النور کے بعد کسی کو سنگسار نہیں فرمایا ہوگا۔ [۱]

واقعات رجم، سورۃ نور سے قبل یا بعد؟......کتنی عجیب بات ہے کہ اگر ایک معاملے کا علم، ایک صحابی کو نہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ جملہ صحابہؓ کو بھی اس کا علم نہیں تھا، اور پھر اس معاملہ کو مشکوک قرار دیکر، جملہ صحابہؓ کے علم کی یہ کہہ کر نفی کر ڈالی جائے کہ --- ''ورنہ صحابہؓ کو ضرور معلوم ہوتا'' --- چنانچہ آگے چل کر، عثمانی صاحب، یہ موقف اختیار کرتے ہیں، کہ رجم ہے تو سنت رسول، مگر رجم کے جملہ واقعات، سورۃ النور سے قبل کے واقعات ہیں، اس سورہ کے نزول کے بعد، آپؐ نے کسی کو رجم نہیں کیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> رجم کی تمام روایات، سورۃ النور کے نازل ہونے سے پہلے کی ہیں۔ [۲]

حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال قطعی غلط ہے کہ واقعاتِ رجم، سورۃ النور (کی آیات ۲/۲۴)

---

[۱] رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۰ [۲] رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۲

کے نزول سے قبل کے واقعات ہیں، اور اس آیت نے رجم کی سزا کو منسوخ کر کے، ہر قسم کے زنا کاروں کے لیے، سو کوڑوں کی سزا طے کر دی ہے، یہ آیت (۲۴/۲)، واقعۂ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی، اور واقعہ افک، غزوہ بنی مصطلق میں پیش آیا تھا، جو شعبان ۶ ھ میں واقع ہوا تھا، لہٰذا نزولِ آیات کو جتنا بھی موخر کیا جائے، وہ ۶ ھ تک ہی ممکن ہے جبکہ رجم کے تقریباً تمام واقعات، ۶ ھ کے بعد کے ہیں، اس لیے کہ متعدد واقعاتِ رجم ایسے ہیں جن کا مشاہدہ ان صحابہؓ نے کیا تھا جو ۶ ھ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، مثلاً حضرت ابو ھریرہؓ جو غزوہ خیبر کے موقع پر (۷ ھ) میں اسلام لائے تھے، وہ خود واقعہ عسیف کے وقت (دورانِ مقدمہ) خدمت نبویؐ میں موجود تھے، وہ فرماتے ہیں کہ:

کنا عند النبی ﷺ ہم حضور اکرمؐ کے پاس موجود تھے۔ [1]

اسی طرح، البزاز اور طبرانی کی روایات کے مطابق، حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء، یہودیوں کے واقعۂ رجم میں موجود تھے، ان کا فرمان ہے کہ کنت فیمن رجمهما ''میں ان لوگوں میں موجود تھا، جنہوں نے دو یہود زنا کاروں کو رجم کیا تھا'' (دیکھیے، الھیثمی کی مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۱ دار الکتاب، البیروت ۱۹۶۷ء)، یہ عبداللہ، اپنے والد کے ساتھ، فتح مکہ (۸ ھ) کے بعد اسلام لائے، جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔

ففی حدیث عبد اللہ ابن الحارث بن جزء انه حضر ذلك وعبداللہ انما قدم مع ابیه مسلما بعد فتح مكة [2]

پھر عبداللہ بن الحارث بن جزء کی حدیث میں ہے کہ وہ اس واقعہ میں موجود تھے، اور عبداللہ، اپنے باپ کے ساتھ فتح مکہ کے بعد، ہی آیا تھا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ رجم کے واقعات، فتح مکہ کے بعد ہوئے ہیں، یعنی سورۃ النور کے نازل ہونے کے کم از کم دو سال بعد، لہٰذا، اگر سورۃ النور کا حکم، ہر قسم کے زانی کے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المحاربین ......، باب الاعتراف بالزنا

[2] فتح الباری، جلد ۱۲، صفحہ ۱۷۱

Marfat.com

لیے ہوتا، تو آپؐ، اس کے نزولؓ کے بعد، کسی کو رجم نہ فرماتے، اس آیت (۲۴/۲) کے نازل ہونے کے بعد بھی، آپؐ کا رجم فرمائے چلے جانا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سورۃ النور کا حکم، غیر شادی شدہ زنا کاروں کے لیے مخصوص ہے، رہے شادی شدہ زناۃ وزوانی، تو ان کی سزا رجم ہے۔

کیا سورۂ نور ۹ ہجری میں نازل ہوئی؟...... منکرین حدیث نے جب یہ محسوس کیا کہ رجم کی روایات میں مذکور واقعات کو، سورۃ النور کے نزول سے قبل کے واقعات، قرار دینا، انتہائی کمزور موقف ہے، تو انہوں نے پینترا بدل کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ سورۃ النور کا نزول ہی ۶ ھ کو نہیں ہوا تھا بلکہ ۹ ھ کو ہوا تھا، تا کہ، ۶ ھ کے بعد کے ان واقعات کو، سورۃ النور کے نزول سے قبل کے واقعات، قرار دیا جا سکے، چنانچہ عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ سورۃ النور ۹ ھ کی شروع میں نازل ہوئی تھی، نہ کہ ۴، ۵، ۶ ھ میں۔ [1]

اس کے بعد قدرے آگے چل کر، وہ مدنی سورتوں کی ترتیبِ نزولی، یوں پیش کرتے ہیں:

پہلے سورۃ البقرہ نازل ہوئی، پھر انفال، پھر الاحزاب، پھر الممتحنہ، پھر النسآء، پھر اذا زلزلت الارض، پھر الحدید، پھر محمد (ﷺ)، پھر الرعد، پھر الرحمٰن، پھر الدھر، پھر الطلاق، پھر لم یکن، پھر الحشر، پھر الناس، پھر اذا جآء نصر اللہ، پھر النور، پھر الحج، پھر المنافقون، پھر المجادلہ، پھر الحجرات، پھر التحریم، پھر الصف، پھر الجمعۃ، پھر التغابن، پھر الفتح، پھر التوبہ، پھر المائدہ، (ماخوذ از نظرات فی القرآن للشیخ محمد الغزالی طبع دوم مصر ص ۲۵۸)۔ [2]

اس ترتیب کو بیان کرنے کے بعد، وہ تقریرِ استدلال، بایں الفاظ پیش فرماتے ہیں:

بہرحال، اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ مدنی سورتوں کے نزول کے اعتبار سے سورۃ النور کا نمبر (۱۹) ہے، اور وہ اذا جاء نصر اللہ کے بعد، اور سورۃ الحج سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ حج

---

[1] رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۴ [2] رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۵

Marfat.com

۹ھ میں فرض ہوا ہے، اور فتح مکہ ۸ھ میں ہوئی ہے، اذا جاء نصر اللہ والفتح کا نزول بھی متفقہ طور پر، فتح مکہ کے بعد ہی ہوا ہے کیونکہ اس میں فتح مکہ اور اہل عرب کے اسلام میں فوج درفوج داخل ہونے کو بیان کیا گیا ہے، جو ۸ھ اور اس کے بعد ہی ہوا ہے بلکہ بخاری کی ایک روایت سے تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ سورہ اذا جاء نصر اللہ کا نزول، ۹ھ ہی کا ہے...... (اس کے بعد بخاری کی روایت دی گئی ہے جس میں سورۃ النصر کے نزول کا مفہوم، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، کے نزدیک، یہ ہے کہ حضور اکرم کو، ان کی وفات کی پیشگی اطلاع دی جائے تب اس کے بعد، وہ اپنے استدلال کو یوں آگے بڑھاتے ہیں)...... ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو آپ کی وفات کی اطلاع، آپ کی وفات سے، کچھ ہی پہلے دی گئی ہوگی جس کا امکان یقینی طور پر، سورہ حج کے نزول سے ذرا پہلے ہی ہوسکتا ہے، اور سورۃ النور تو اذا جآء نصر اللہ کے بھی بعد نازل ہوئی ہے، لہٰذا اس کا نزول ۹ھ میں ہی ہوسکتا ہے، خواہ مخواہ ۵، ۶، ۷ھ میں، اس کا نزول قرار دینا، زبردستی ہے۔ [1]

عثمانی صاحب کے استدلال کی، تمام تر، بنیاد، مدنی سورتوں کی وہ نزولی ترتیب ہے، جسے خود انہوں نے اوپر پیش کیا ہے، اور جس کے متعلق، یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ:

ہمارے علماءِ تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کی، جو ترتیبِ نزول تحریر فرمائی ہے (جس میں مجھے کوئی اختلاف نظر نہیں آتا، لہٰذا اس ترتیب کو متفقہ سمجھنا چاہیے) وہ تفصیل کے ساتھ ہماری کتب تفسیر میں مذکور ہے۔ [2]

ذرا آگے چل کر، وہ مدنی سورتوں کی نزولی ترتیب کے متعلق فرماتے ہیں:

غالب گمان یہی ہے کہ ان کی نزول کی ترتیب میں بھی کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ

---

1. رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۶ تا صفحہ ۸۹
2. رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۴

Marfat.com

اس کے خلاف، مجھے کوئی قول نہیں ملا۔[1]

جو شخص مطلب جویانہ ذہنیت کے ساتھ، مطالعہ کرنے کا عادی ہو، اسے اپنے مطلب کے خلاف کوئی چیز نہیں ملا کرتی، لیکن جس شخص کا مطلوب و مقصد محض بے لاگ تحقیق ہو، اسے ہر قسم کے مواد سے سابقہ پڑتا ہے، اور وہ، اس میں سے، اقرب الی الصحت چیز کو، دلائل کی بناء پر، اختیار کر لیتا ہے۔

مکی، مدنی اور مختلف فیہ سورتیں......حقیقت یہ ہے کہ مدنی سورتوں کی، وہ ترتیب نزول ہی غلط ہے جسے عثمانی صاحب نے پیش کر کے، اس پر اپنا فلک بوس قصرِ استدلال استوار کیا ہے، اس ترتیب میں، بارہ ان سورتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، جنکے متعلق، علماء مختلف الرائے ہیں کہ وہ مکی سورتیں ہی یا مدنی۔ اس طرح بیس متفقہ مدنی سورتوں میں، بارہ مختلف فیہ سورتیں شامل کر کے، سورۃ النور کے زمانۂ نزول کو، مدنی دور کے تقریباً وسط کی بجائے، آخری دور ظاہر کیا گیا ہے تاکہ کسی طرح رجم کے واقعات کو، سورۃ النور کے نزول سے پہلے کے واقعات قرار دیا جا سکے۔ قبل اس کے کہ صحیح ترتیب نزول پیش کی جائے، اس امر کا واضح کیا جانا ضروری ہے کہ کون سی سورتیں مکی ہیں اور کون سی مدنی، اور کون سی مختلف فیہا ہیں، درج ذیل اقتباس، اس امر کو واضح کر دیتا ہے۔

ان العلماء اتفقوا علی مدنیة عشرین سورة وھی: البقرہ، وال عمران، والنساء، المائدة، والانفال، والتوبة، والنور، ولاحزاب، ومحمد، والفتح، والحجرات، والحدید، والمجادلہ، والحشر، والممتحنة، والجمعة، واالمنافقون، والطلاق، والتحریم، والنصر. واختلفوا فی اثنی عشرة سورة تعددت فیھا الروایات وھی: الفاتحة، والرعد، والرحمن، والصف، والتغابن، والتطفیف، والقدر، ولم یکن، واذا زلزلت،

---

[1] رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۵

Marfat.com

والاخلاص، والفلق،والناس. وماسوى ذلك فهو مكى باتفاق (انظر الاتقان ج ا ص ۱۷،وقداثبت السيوطى هناالابيات التى نظمهاابن الحصار) وعلى ذلك يكون عدد السور المكية اثنتين وثمانين سورة،لان تعدادالقرآن كله مئةواربع عشرة سورة.[1]

بلاشبہ علماء کا بیس سورتوں پر،ان کے مدنی ہونے پر اتفاق ہے ،اوروہ یہ ہیں: البقرہ،ال عمران،النساء،المائدۃ، الانفال، التوبۃ، النور، الاحزاب، محمد، الفتح، الحجرات، الحدید ، المجادلہ، الحشر،الممتحنۃ، الجمعۃ، المنافقون، الطلاق، التحریم، النصر، اور بارہ سورتوں (کے مکی یامدنی ہونے) میں،متعددروایات کی بناء پر، علماء کااختلاف ہے ، اور وہ یہ ہیں: الفاتحۃ ،الرعد، الرحمٰن، الصّف، التغابن، التطفیف ،القدر،لم یکن،اذازلزلت، الاخلاص، الفلق ،الناس ۔ان کے سوا، جو کچھ (سورتیں) ہیں،وہ بالاتفاق مکی سورتیں ہیں ۔(دیکھئے الاتقان، ج۱، ص۱۷،سیوطی نے یہاں وہ اشعاربھی ثبت کیے ہیں جوابن الحصار نےنظم کیے ہیں)اس طرح مکی سورتوں کی تعداد،۸۲ ہے،کیونکہ پورے قرآن میں تعداد سور۱۱۴ہے۔

مکی اورمدنی اورمختلف فیہ سورکی تعداد،اس اقتباس میں جوپیش کی گئی ہے،وہی تمام علماء کے ہاں مسلم ہے،صرف ایک اقتباس اورملاحظہ فرمایئے۔

نقل السيوطى فى الاتقان اقوالاكثيرة فى تعيين السورالمكيةوالمدنية،ومن اوفقهاماذكره ابوالحسن الحصار فى كتابه الناسخ والمنسوخ اذيقول :

"المدنى باتفاق عشرون سورة،والمختلف فيه اثنتاعشرة

---

[1] مباحث فی علوم القرآن، للدکتورصُبحی صالح، صفحہ۸۰

Marfat.com

سورة، وماعدیٰ ذلك مکی باتفاق" ثم نظم فی ذلك ابیاتا رقیقة جامعة، وهو یرید بالسور العشرین المدنیة بالاتفاق: سورة البقرة، اٰل عمران، والنساء، والمائدة، والانفال، والتوبة، والنور، والاحزاب، ومحمد، والفتح، والحجرات، والحدید، والمجادلة، والحشر، والممتحنة، والجمعة، والمنافقین، والطلاق، والتحریم، والنصر.

ویرید بالسور الاثنی عشرة المختلف فیها: سورة الفاتحة، والرعد، والرحمن، والصف، والتغابن، والتطفیف، والقدر، ولم یکن، واذا زلزلت، والاخلاص، والمعوذتین.

ویرید بالسور المکیة باتفاق ماعدا ذلك وهی اثنتان وثمانون سورة، والی هذا القسم المکی یشیر فی منظومته بقوله.

وماسوی ذاك مکی تنزله
فلاتکن من خلاف الناس فی حصر
فلیس کل خلاف جاء معتبراً
الاخلاف له حظ من النظر

وقدجری هذاالبیت مجری الامثال عنداهل العلم[1]

سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں مکی اور مدنی سورتوں کے تعین میں، بہت سے اقوال نقل کیے ہیں، ان میں سے متفقہ ترین قول، وہ ہے جسے ابوالحسن الحصار نے، اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں، یہ کہتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ''بالاتفاق، مدنی سورتیں، بیس ہیں اور مختلف فیہا سورتیں بارہ ہیں، اس کے علاوہ سورتیں بالاتفاق، مکی سورتیں ہیں''۔

---

[1] مناهل العرفان فی علوم القرآن للشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی، جلد۱، صفحہ۱۹۱

Marfat.com

پھر اُس نے اس ضمن میں ہلکے پھلکے اور جامع اشعار نظم کیے ہیں، وہ بیس مدنی سورتیں، جن پر علماء کا اتفاق ہے، اُن سے اس کی مراد، یہ سورتیں ہیں۔ البقرہ، ال عمران، النساء، المائدہ، الانفال، التوبہ، النور، الاحزاب، محمد، الفتح، الحجرات، الحدید، المجادلہ، الحشر، الممتحنہ، الجمعۃ، المنافقین، الطلاق، التحریم، النصر۔

وہ بارہ سورتیں، جن کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ان سے اس کی مراد، الفاتحہ، الرعد، الرحمٰن، الصّف، التغابن، التطفیف، القدر، ولم یکن، واذا زلزلت، الاخلاص، المعوذتین۔

ان کے علاوہ، جن سورتوں کے مکی ہونے پر (علماء کا) اتفاق ہے، وہ بیاسی سورتیں ہیں، اوران مکی سورتوں کی قسم کے متعلق وہ اپنے ان اشعار میں، یہ کہتے ہوئے اشارہ کرتا ہے کہ:

اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اپنے نزول کے اعتبار سے مکی ہے
پس تم لوگوں کے اختلافات پر پریشان اور تنگدل نہ ہو
کیونکہ ہر اختلاف، جو (ہم تک) آن پہنچا ہے، معتبر نہیں ہے
قابلِ اعتبار صرف وہ اختلاف ہے جو (اہل نظر کی) نظروں میں جچتا ہو

پھر، یہ اشعار، لوگوں کے ہاں، بطور ضرب المثل، چل نکلے۔

الغرض، عثمانی صاحب نے، اپنے موقف کے ''اثبات'' کی دھن میں، دانستہ یا نادانستہ، جن اباطیل سے تمسک کیا ہے، وہ بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔

(۱) ----- عثمانی صاحب، اقوالِ متفرقہ میں سے، اپنے مطلب کا ایک قول لیکر، اسے علماء کا متفق علیہ قول قرار دیتے ہیں، اس بے اصل دعویٰ کیساتھ کہ

مدینہ منورہ میں آپؐ پر اکتیس (۳۱) سورتیں نازل ہوئی ہیں اور غالب گمان یہی ہے کہ ان کے نزول کی ترتیب میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ [1]

---

[1] رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۵

Marfat.com

حالانکہ جس ترتیب کو، انہوں نے مدنی سورتوں کی متفقہ ترتیبِ نزول قرار دیا ہے، وہ ہرگز متفقہ نہیں ہے بلکہ سراسر اختلافی اور نا قابلِ اعتناء ہے اور یہ کہنا کہ اس ترتیب میں کوئی اختلاف نہیں ہے "قطعی بے بنیاد اور بے اصل بات ہے۔

(۲) ----- پھر عثمانی صاحب کا یہ دعویٰ کرنا، کہ --- "اس ترتیب کے خلاف، مجھے کوئی قول نہیں ملا، لہٰذا یہ ترتیب متفقہ ہی سمجھنی چاہیے" --- ایک اور اکذوبہ ہے جس سے تمسک کیا گیا ہے، اگر بے لاگ تحقیق، ان کے پیشِ نظر ہوتی، تو یقیناً، انہیں کم از کم وہ دو قول ضرور مل جاتے جو اوپر پیش کیے جا چکے ہیں، کیونکہ ان میں سے ایک قول، امام سیوطی کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" سے ماخوذ ہے، جو ان کتابوں میں شامل ہے، جن سے حوالے اور اقتباسات لیکر، انہوں نے اپنی کتاب "رجم، اصل حد یا تعزیر؟" مرتب کی ہے۔

(۳) ----- جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے، علماءِ سلف وخلف کے ہاں متفقہ مدنی سورتوں کی تعداد بیس ہے، جبکہ مختلف فیھا سورتیں بارہ ہیں اور متفق علیھا مکی سورتیں بیاسی ہیں۔ اس طرح قرآنی سورتوں کی کل تعداد (۱۱۴) یکصد چودہ بنتی ہے، جبکہ عثمانی صاحب، علماءِ امت کے "اتفاق" سے نظریں چُرا کر، جس چیز پر "متفقہ" ہونے کا لیبل چسپاں کرتے ہیں، وہ درجِ ذیل عبارت سے عیاں ہے۔

> سورۃ الفاتحہ کے متعلق، علماءِ مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا نزول، کئی مرتبہ ہوا، مکہ میں بھی، اور مدینہ منورہ میں بھی۔ اس طرح قرآن کریم کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہوگئیں، ۸۳ مکہ معظمہ میں، ۳۰ مدینہ منورہ میں، ایک مشترک۔ [۱]

مختلف فیہ سورتوں کا فیصلہ..... علماءِ امت کے نزدیک مختلف فیھا بارہ سورتوں میں سے تین سورتیں (سورۃ التطفیف، سورۃ القدر، اور سورۃ الاخلاص) ایسی ہیں، جنہیں خود عثمانی صاحب نے مکی تسلیم کیا ہے، کیونکہ ان کو، خود انہوں نے اپنی مدنی سورتوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا، اور ایک سورۃ (سورۃ الفاتحہ) مکی اور مدنی ہونے میں مشترک قرار دیا ہے، بقیہ آٹھ

۱۔ رجم، اصل حد ہے یا تعزیر؟، صفحہ ۸۶

Marfat.com

سورتیں، ایسی ہیں جو انہوں نے مدنی سورتوں میں شامل کی ہیں۔ وہ یہ ہیں زلزال، رعد، رحمٰن البینۃ، الفلق، الناس، الصّف، التغابن۔ اس کے علاوہ الدھر کو بھی اسی فہرست میں شامل کیا گیا ہے جس کا مضمون، خود اپنی اندرونی شہادت کی بناء، اس کے مکی ہونے پر شاہد ہے، نیز سورۃ الحج کو بھی داخلِ فہرست کیا گیا ہے، جس کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو تقریروں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک تقریر ہجرت سے قبل، مکی دور میں، اور دوسری بعد از ہجرت، مدنی دور کی ابتداء میں نازل ہوئی تھی۔

اب رہیں، وہ آٹھ سورتیں، جن کو عثمانی صاحب نے مدنی سورتوں کی فہرست میں شامل کیا ہے، تو ان میں سے صرف ایک سورت (سورۃ الصّف) ہی ایسی صورت ہے، جو فی الواقعہ مدنی سورت ہے، سورۃ التغابن میں پہلی تیرہ آیات مکی ہیں جبکہ آخری پانچ آیات مدنی ہیں، چونکہ اس کا غالب حصہ مکی آیات پر مشتمل ہے، اس لیے، اسے مکی سورتوں میں شامل ہونا چاہیے۔

بقیہ چھ سورتوں میں سے، تحقیق کی روشنی میں کوئی بھی مدنی سورت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ان کا مکی سورتیں ہونا ہی واضح ہوتا ہے، کچھ وہ ہیں، جو مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں ہیں مثلاً سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الزلزال۔ کچھ وہ ہیں جو شدید مخالفت کے ماحول میں، مکہ میں اتری تھیں، مثلاً سورۃ الفلق اور سورۃ الناس، جنہیں معوذتین بھی کہا جاتا ہے۔ سورۃ الرعد، آخری دورِ مکہ میں اتری تھی۔ باقی رہ گئی، البینۃ، تو اس کے مکی یا مدنی ہونے کے دلائل تقریباً ہم وزن ہیں اس لیے، اسے بھی سورۃ الفاتحہ کی طرح مشترک ہی قرار پانا چاہیے۔ اس طرح، صرف یہ بیس سورتیں، عثمانی صاحب کی فہرست میں سے فی الواقعہ مدنی سورتیں قرار پاتی ہیں:

البقرہ، الانفال، ال عمران، احزاب، ممتحنہ، النساء، حدید، محمد، طلاق، حشر، نصر، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، جمعہ، فتح، توبہ، مائدہ۔ النور۔

ان سورتوں کی نزولی ترتیب درجِ ذیل ہے جو کسی بھی قرآن مجید میں سے، جس میں ترتیب جمع اور ترتیب نزول مذکور ہو، دیکھی جا سکتی ہے، ترتیبِ نزول کا نمبر بھی درج ہے۔

۱-البقرہ ۸۷	۸-محمد ۹۵	۱۵-التحریم ۱۰۷

۲-الانفال ۸۸
۳-ال عمران ۸۹
۴-احزاب ۹۰
۵-الممتحنۃ ۹۱
۶-النساء ۹۲
۷-الحدید ۹۴
۹-الطلاق ۹۹
۱۰-الحشر ۱۰۱
۱۱-النور ۱۰۲
۱۲-المنافقون ۱۰۴
۱۳-المجادلہ ۱۰۵
۱۴-الحجرات ۱۰۶
۱۶-الجمعہ
۱۷-الفتح ۱۰۲
۱۸-المائدہ ۱۱۲
۱۹-التوبہ
۲۰-النصر ۱۱۴

سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ النصر کو اوپر اٹھا کر، جس مصلحت کے تحت، سورۃ النور کے نزول کو، اول الذکر سورہ کے نزول سے مؤخر قرار دیا گیا ہے، اسے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ ہیں، وہ حیلے اور ہتھکنڈے، جن کی مدد سے، جمیع علماءِ سلف وخلف کی مخالفت کرتے ہوئے، راہِ شذوذ اختیار کی جاتی ہے، تاکہ یہ ''ثابت'' کیا جا سکے کہ رجم کے تمام واقعات، سورۃ النور کے نزول سے پہلے کے واقعات ہیں۔

بحکمِ رسولؐ، نفاذِ سزائے رجم......لیکن حقیقت یہ ہے کہ رجم کے تقریباً جملہ واقعات، سورۃ النور کے نزول کے بعد ہی کے واقعات ہیں۔ سورۃ النور کو، خواہ کتنا ہی مؤخر قرار دیا جائے، واقعاتِ رجم کا اس کے بعد بھی، وقوع پذیر ہونا، ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، کیونکہ یہ سزا، صرف عہدِ نبوی ہی نہیں، بلکہ خلفاءِ راشدین کے دور کا بھی قانونِ عقوبت تھا، جس پر جملہ خلفاء عمل پیرا تھے، اور یہ بات پہلے ثابت کی جا چکی ہے کہ یہودی جوڑے کا رجم کیا جانا، اور واقعۂ عسیف میں، خاتون کو سزائے رجم کا ملنا، سورۃ النور کے نزول کے بعد کے واقعات ہیں، ان کے علاوہ بھی، بہت سے مقدماتِ زنا میں، حضرت نبی اکرم ﷺ نے، شادی شدہ مجرموں کو یہی سزا دی ہے۔ چند مزید واقعات، درج ذیل ہیں۔

۱ ——— عن جابر ان رجلا زنی بامرءۃ فامربہ رسول اللہ ﷺ فجلد الحدثم اخبر انہ محصن فامربہ فرجم [۱]

---

[۱] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعزبن مالك

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور اس پر حدِ تازیانہ جاری کی گئی پھر خبر ملی کہ وہ شادی شدہ ہے، تو آپ نے حکم دیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔

اس روایت میں اس امر کی صراحت ہے کہ کنوارے زانی کی سزا، تازیانہ مارنا ہے، اور یہی سزا، مجرم کو دی گئی، لیکن جب پتہ چلا کہ مجرم، شادی شدہ ہے، تو اس پر سزائے رجم جاری کی گئی۔ اس کے علاوہ، درج ذیل، حدیث بھی، جس کے راوی، حضرت لجلاجؓ ہیں، شادی شدہ مجرم کی یہی سزا واضح کرتی ہے۔

۲ --- ان خالد بن اللجلاج حدثه ان اللجلاج اباه اخبره انه كان قاعداً يعتمل في السوق فمرّت امرءة تحمل صبيّاً فثار الناس معها وثرت فيمن ثار وانتهيت الى النبي ﷺ وهو يقول من ابو هذا معك فسكتت فقال شابّ حذوها انا ابوه يا رسول الله فاقبل عليها فقال من ابو هذا معك فقال الفتى انا ابوه يا رسول الله فنظر رسول الله الى بعض من حوله يسائهم عنه فقالوا ما علمنا الاخيرا فقال له النبي احصنت قال نعم فامربه فرجم۔[1]

خالد بن لجلاج نے بتایا کہ ان کے باپ لجلاج نے اسے یہ خبر دی کہ وہ بازار میں اپنے کام میں لگے ہوئے تھے کہ ایک عورت، اپنے بچے کو اٹھائے ہوئے گزری، لوگ شور وغل میں اس کے ساتھ ہو گئے، میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا، وہ عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچی، آپ دریافت فرما رہے تھے، ''تیرے ساتھ، اس بچے کا باپ کون ہے؟'' عورت خاموش رہی، مگر ایک نوجوان، جو اس کے برابر کھڑا تھا، بول اٹھا، ''اے اللہ کے رسول! میں اس کا

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک

Marfat.com

باپ ہوں''۔ حضورؐ پھر، عورت پر متوجہ ہوئے اور پوچھا ''تیرے ساتھ بچے کا باپ کون ہے؟'' نوجوان پھر بول اٹھا ''اے اللہ کے رسول! میں اس کا باپ ہوں'' حضورؐ نے اردگرد، لوگوں کو دیکھا اور اس کے (عقل وخرد، اور جنون و سودا کے) متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا ''ہم نے اس میں صحت اور بھلائی ہی کو پایا ہے''، پھر حضورؐ نے اس (نوجوان) سے پوچھا ''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' اس نے جوابدیا ''جی ہاں''۔ تب آپؐ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور وہ سنگسار کردیا گیا۔

تیسری حدیث جس میں، حضور اکرمؐ کے ہاتھوں، سزائے رجم کا نفاذ ہوا، درج ذیل ہے۔

۳ ـــــ نا عبدالله بن بريدة عن ابيه .... قال فجاء ت الغامدية فقالت يا رسول الله انی قد زينت فطهّرنی و انه ردّها فلما كان الغد قالت يا رسول الله لم تردنی لعلك ان تردنی كما رددت ما عزاً فوالله انی للحبلی، قال امالا فاذهبی حتی تلدی قال فلما ولدت اتته بالصبی فی خرقة قالت هذا قدولدته قال اذهبی فارضعيه حتی تفطميه فلما فطمته اتته بالصبی فی يده كسرة خبز فقالت هذا يا نبی الله قد فطمته وقد اكل الطعام فدفع الصبی الی رجل من المسليمن ثم امربها فحفر لها الی صدرها وامر الناس فرجموها فيقبل خالد بن الوليد بحجر فرمی راسها فتنضح الدم علی وجه خالد فسبها فسمع نبی الله ﷺ سبه اياها فقال مهلاً يا خالد فوالذی نفسی بيده لقد تابت توبة لوتا بها صاحب مكس لغفرلهٗ ثم امربها فصلی عليها و دفنت[۱]۔

---

[۱] صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الزنا.

Marfat.com

عبداللہ بن بریدہ نے اپنے باپ (بریدہ) سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے (بریدہ نے) کہا کہ قبیلہ غامدیہ کی ایک خاتون آئی اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! میں زنا کر چکی ہوں، آپ مجھے پاک کر دیجیے'' لیکن حضورؐ نے اسے واپس بھیج دیا، اگلی صبح، اس نے پھر آ کر عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! آپؐ مجھے کیوں واپس بھیج دیتے ہیں، شاید آپ مجھے اسی طرح لوٹانا چاہتے ہیں جیسے آپؐ نے ماعز بن مالک کو لوٹایا تھا، حالانکہ بخدا میں حاملہ (ہو چکی) ہوں''، حضورؐ نے فرمایا، ''خیر اس وقت تو نہیں، اب تو چلی جا، یہاں تک کہ تو بچے کو جنم دے لے'' جب اس نے بچہ جنا تو اسے ایک کپڑے میں (لپیٹے ہوئے) خدمتِ نبویؐ میں آئی، اور عرض کیا ''یہ رہا بچہ، میں اسے جنم دے چکی ہوں'' تو حضورؐ نے فرمایا ''اب تو جا اور بچے کو دودھ پلاتی رہ، یہاں تک کہ تو اس سے فارغ ہو جائے'' جب عورت نے دودھ چھڑایا، تو بچے کو اس حال میں لیکر حاضرِ خدمت ہوئی کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑہ تھا، اور عرض کیا ''اے اللہ کے نبی! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے''، پس بچہ، اہلِ اسلام میں سے ایک مسلمان کے سپرد ہوا، پھر حضورؐ نے عورت کے بارے میں حکم دیا اور سینے تک گڑھا کھودا گیا، تب آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے رجم کر ڈالا، حضرت خالد بن ولید، پتھر کے ساتھ، اس پر متوجہ ہوئے اور اس کے سر پر دے مارا، خون کے چھینٹے، ان کے چہرے پر پڑے، تو خالد نے اُسے بُرا بھلا کہا، حضورؐ نے اس کے یہ کلمات سن لیے، تو آپؐ نے فرمایا ''ٹھہریے، اے خالد! اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی ناجائز چونگی خور (یا ٹیکس چور) بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کی مغفرت ہو جاتی، پھر حضورؐ نے حکم دیا تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور اسے دفن کر دیا گیا۔

Marfat.com

سزائے رجم، خلافتِ راشدہ میں بھی ...... یہ عہدِ نبوی کے واقعاتِ رجم ہیں، لیکن رجم کی سزا، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر خلفاءِ راشدین نے بھی، زانی مجرموں پر جاری کی ہے۔ نفسِ رجم میں تو کبھی بھی اختلاف نہیں رہا، اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ آیا حدِ رجم کے ساتھ، کوڑوں کی سزا کو تعزیراً جمع کرنا چاہیے یا نہیں۔ بعض خلفاء نے حد و تعزیر کو جمع کیا اور بعض نے ایسا نہیں کیا (لیکن یہ بات، بہرحال، ہمیشہ شک وشبہ سے بالاتر رہی کہ شادی شدہ مرتکبِ زنا کی حد، رجم ہے) مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے رجم کی ہی سزا دی اور اس کے ساتھ سزائے تازیانہ نہیں دی۔

عن الزهری ان ابابکرؓ و عمرؓ: رجما ولم یجلدا [۱]

امام زہری سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے رجم کیا مگر کوڑے نہیں مارے۔

ایک مقام پر، تنہا حضرت عمرؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ انہوں نے حدّ رجم کے ساتھ، کوڑوں کی تعزیر کو جمع نہیں کیا۔

عن نافع عن ابن عمر قال: ان عمر رجم ولم یجلد [۲]

نافع، ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ نے رجم تو کیا، مگر کوڑے نہیں مارے۔

چنانچہ رجم کے ساتھ، سزائے تازیانہ کو جمع نہ کرنے کا موقف، امام اوزاعیؒ، امام سفیانؒ ثوری، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابوثورؒ، اور امام احمدؒ بن حنبل اور ان کے اصحاب نے اپنایا ہے، جبکہ حدِ رجم کے ساتھ، سزائے تازیانہ کو جمع کرنے کا موقف، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حسنؒ بن حی، ابن راہویہؒ، اور ابوسلیمانؒ کا مسلک ہے۔

عن القاسم بن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود بن ابیه قال: رءیت علی ابن ابی طالب دعا بشر احة فجلدها یوم الخمیس

---

[۱] + [۲] المحلّی لابن حزم، جلد۱۲، صفحه ۱۷٤

Marfat.com

و رجمها یوم الجمعة، فقال : جلدتها بکتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله ﷺ [۱]

قاسم بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن مسعود، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے علی ابن ابی طالب کو دیکھا کہ انہوں نے شراحہ (نامی عورت) کو بلایا، جمعرات کے روز اسے کوڑے مارے اور جمعہ کے دن، اسے رجم کیا، تو علیؓ نے فرمایا کہ میں نے کتاب اللہ کے مطابق، اسے کوڑے مارے ہیں اور سنتِ رسول کے مطابق، اسے رجم کیا ہے۔

رجم - خلافِ قرآن، یا زائد از قرآن، یا مطابق قرآن؟......الغرض سزائے رجم کا دیا جانا، خود رسول اکرم ﷺ سے بھی ثابت ہے اور خلفاءِ راشدین سے بھی ثابت ہے، ''مفکرِ قرآن'' اس سزا کو ''خلافِ قرآن'' کہتے ہیں جبکہ علماءِ کرام، اسے ''زائد از قرآن'' کہتے ہیں کیونکہ الفاظِ قرآن میں، یہ بالتصریح مذکور نہیں ہے، لیکن خود نبی آخر الزماں ﷺ اسے ''مطابقِ قرآن'' ہی قرار دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث متعلقہ واقعہ عسیف میں مذکور ہے۔

فقال رسول الله ﷺ اما والذی نفسی بیده لا قضین بینکما بکتاب الله اما غنمك وجاریتك فرد علیك واما ابنك فعلیه جلد مائة وتغریب عام واما انت یا انیس ! فاغدالی امرئة هذا فان اعترفت فارجمها فاعترفت فرجمها متفق علیه [۲]

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا ''سنو! قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان ''کتاب اللہ کے مطابق'' فیصلہ کروں گا (اور وہ یہ ہے) کہ تیری بکریاں اور تیری لونڈی تجھے واپس، اور تیرے بیٹے پر

---

[۱] المحلی لابن حزم، جلد۱۲، صفحه ۱۷٤

[۲] صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا + صحیح البخاری، کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا

Marfat.com

سو کوڑوں کی سزا اور سال بھر کی جلاوطنی، اور ہاں اے انیس! تو اس (شخص) کی بیوی کے پاس جا، اگر وہ اعتراف کرے تو اسے رجم کر دے، عورت نے اعتراف کیا اور انیس نے اسے رجم کر دیا۔

اس حدیث میں، رسول خدا نے سزائے رجم کو حلفاً ''کتاب اللہ کے مطابق'' قرار دیا ہے، کتاب اللہ سے مراد، اگر قرآن ہو، تب بھی حضورؐ کا یہ سزا دینا، اور پھر اسے قرآن کی طرف منسوب کرنا، اس اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ آپ کا کوئی فعل، خلافِ قرآن نہ تھا، اگر خلافِ قرآن ہوتا، تو خدا ضرور وحی کے ذریعہ، آپؐ کی اس ناروا سزا پر، مداخلت کر کے، آپ کو روک دیتا، اور اگر کتاب اللہ سے مراد، قانونِ خداوندی لیا جائے، تب بھی یہ بجا اور صحیح ہے کہ آپؐ کا ہر فیصلہ، خدا کے قانون ہی کے مطابق تھا، آپؐ، بال برابر بھی قانونِ الٰہی سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کے مجاز و مختار نہ تھے، اگر آپؐ ایسا کرتے تو دنیا و آخرت میں، دوہری سزا کے مستحق قرار پاتے۔

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل - ۷۴، ۷۵)

اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے، تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے، اگر ایسا ہو جاتا، تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے، اور آخرت میں بھی، پھر ہمارے مقابلے میں، تم کوئی مددگار نہ پاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''مفکر قرآن'' کا سزائے رجم کو ''خلافِ قرآن'' کہنا، رسولِ خدا کے مقابلہ میں، بیجا سینہ زوری ہے جس کی توقع، ایک مومن و مسلم سے نہیں کی جا سکتی۔ اسے زیادہ سے زیادہ ''زائد از قرآن'' کہا جا سکتا ہے، اور یہ امر بدیہیات میں سے ہے کہ ہر ''زائد از قرآن'' چیز، ''خلافِ قرآن'' نہیں ہوتی، اس لیے، اگر رجم کو ''زائد از قرآن'' سزا ہونے کے باوجود، حضور اکرمؐ نے اسے ''مطابقِ قرآن'' قرار دیا ہے، تو

اسے ایسا سمجھنا، تقاضائے ایمان ہے۔

آج کے منکرین حدیث کی طرح، ماضی کے چند معتزلہ نے بھی، رجم کا انکار کیا تھا، اور ان کا یہ انکار بھی اس بناء پر نہ تھا کہ وہ حضور کی طرف سے رجم کی سزا کے نفاذ میں، کوئی کمزوری پاتے تھے، بلکہ انہوں نے بھی، قرآن مجید کو، اسوۂ صاحبِ قرآن سے جدا کر کے، جب اس کا مطالعہ کیا، تو رجم انہیں ''خلافِ قرآن'' محسوس ہوا، حالانکہ یہ ان کی غلطی تھی، کیونکہ انسانی ہدایت کے لیے، تنہا کتابِ اللہ نہیں آئی بلکہ وہ، رسول اللہ کے ساتھ آئی تھی، کتاب اللہ کو رسول اللہ سے، اور رسول اللہ کو کتاب اللہ سے الگ الگ کر کے، ہدایت مل ہی نہیں سکتی، بلکہ اگر ذرا غور و تعمق سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ دنیا میں، کوئی کتاب بھی، تنہا، آسمان سے اتر کر، زمین پر نہیں آئی، لیکن تنہا رسول، ممکن ہے کہ اپنی پیغمبرانہ زندگی کے کسی حصہ میں، کتاب کے بغیر بھی، ہادی و رہنما بن کر آیا ہو، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال سے واضح ہے۔

بہر حال، رجم کو ''خلافِ قرآن'' قرار دینے کی جو غلطی، دورِ ماضی کے معتزلہ نے کی تھی، وہی غلطی، آج کے منکرینِ حدیث کر رہے ہیں، جیسا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے۔

> امت کی پوری تاریخ میں، بجز خوارج اور معتزلہ کے کسی نے بھی، اس سے انکار نہیں کیا ہے، اور ان کے انکار کی بنیاد بھی یہ نہیں تھی کہ نبی ﷺ سے اس حکم کے ثبوت میں، وہ کسی کمزوری کی نشان دہی کر سکے ہوں، بلکہ وہ، اسے ''قرآن کے خلاف'' قرار دیتے تھے، حالانکہ یہ ان کے اپنے فہم کا قصور تھا۔ وہ کہتے تھے کہ قرآن الزانیۃ والزانی کے مطلق الفاظ استعمال کر کے، اس کی سزا سو کوڑے بیان کرتا ہے، لہٰذا، قرآن کی رو سے، ہر قسم کے زانی اور زانیہ کی سزا یہی ہے، اور اس سے زانی محصن کو الگ کر کے، اس کی کوئی اور سزا تجویز کرنا، قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی ہے، مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ،

جو قانونی وزن رکھتے ہیں، وہی قانونی وزن، ان کی اس تشریح کا بھی ہے جو نبی ﷺ نے کی، بشرطیکہ وہ آپؐ سے ثابت ہو، قرآن نے ایسے ہی مطلق الفاظ میں السارق والسارقة کا حکم بھی قطع ید بیان کیا ہے، اس حکم کو اگر ان تشریحات سے مقید نہ کیا جائے، جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں تو اس کے الفاظ کی عمومیت کا تقاضا ہے کہ آپ، ایک سوئی اور ایک بیر کی چوری پر بھی، آدمی کو سارق قرار دیں اور پھر پکڑ کر اس کا ہاتھ شانے کے پاس سے کاٹ دیں، دوسری طرف، لاکھوں کی چوری کرنے والا بھی، اگر گرفتار ہوتے ہی کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کی اصلاح کر لی ہے، اور اب میں، چوری سے توبہ کرتا ہوں، تو آپ کو اسے چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله یتوب علیه (۵/ ۳۹). اس طرح، قرآن صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرتا ہے، رضاعی بیٹی کی حرمت، اس استدلال کی رو سے، قرآن کے خلاف ہونی چاہیے، قرآن، صرف دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع کرتا ہے، خالہ اور بھانجی، نیز پھوپھی اور بھتیجی کو جمع کرنے کو، جو شخص حرام کہے، اس پر قرآن کے خلاف، حکم لگانے کا الزام عائد ہونا چاہیے۔ قرآن، صرف اس حالت میں سوتیلی بیٹی کو حرام کرتا ہے کہ جبکہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر میں پرورش پائی ہو، مطلقاً اس کی حرمت، خلافِ قرآن قرار پانی چاہیے۔ قرآن صرف اس وقت رہن کی اجازت دیتا ہے جبکہ آدمی، سفر میں ہو، اور قرض کی دستاویز لکھنے والا کاتب میسر نہ آئے، حضر میں اور کاتب کے قابلِ حصول ہونے کی صورت میں، رہن کا جواز، قرآن کے خلاف ہونا چاہیے۔ قرآن، عام لفظوں میں حکم دیتا ہے واشھدوا اذا تبایعتم (۲/ ۲۸۲) ''گواہ بناؤ جبکہ تم آپس میں خرید و فروخت کرو''۔ اب وہ تمام خرید و فروخت، ناجائز ہونی چاہیے، جو ہماری دکانوں پر، گواہی کے بغیر ہو

Marfat.com

رہی ہے۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں، جن پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی، ان لوگوں کے استدلال کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے جو رجم کے حکم کو "خلافِ قرآن" کہتے ہیں۔ نظامِ شریعت میں، نبی کا یہ منصب، نا قابلِ انکار ہے کہ وہ خدا کا پیغام پہنچانے کے بعد، ہمیں بتائے کہ اس حکم کا منشا کیا ہے، اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے، کن معاملات پر، اس کا اطلاق ہوگا، اور کن معاملات کے لیے دوسرا حکم ہے، اس منصب کا انکار، صرف اصولِ دین ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس سے اتنی عملی قباحتیں لازم آتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص، دامنِ رسالت کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ تا ہے، وہ دامنِ قرآن سے بھی متمسک نہیں ہوسکتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی "وابستگیٔ قرآن" کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے، وہ اگر نبیؐ کی تشریحات کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، تو اسے لازماً، یا خود قرآن کی تشریحات کرنی ہوں گی، یا کسی غیر نبی کی تشریحات کو قبول کرنا ہوگا۔ وہ زبان سے خواہ کتنا ہی قرآن کے تفصیلاً لکل شیٔ ہونے کا دم بھرے، لیکن عملاً وہ مجبور ہوگا کہ "قرآن کا نام" لے کر، نبیؐ کے منصب پر براجمان ہوکر قرآن کی تشریحات پیش کرے (جیسا کہ مرزا غلام احمد نے دعوائے نبوت کے ساتھ ایسا کیا) یا پھر، نبوت کا دعویٰ کیے بغیر، وہ اپنی تشریحات پیش کرتا چلا جائے، اور جو کام، خود نبی نے مامور من اللہ ہوکر کیا، وہ اسی کام کو مامور من اللہ ہوئے بغیر، محض سینہ زوری سے، معارضہ و مقابلۂ رسول میں کرتا رہے، پرویز صاحب اور جملہ منکرینِ حدیث کی فی الواقع، یہی پوزیشن ہے، جو انکارِ حدیث کے نتیجہ میں وہ اختیار کر چکے ہیں۔

آیت ۴/۲۵ سے غلط استدلال اور اس کا جائزہ...... بعض ہم مشربانِ پرویز، اپنے موقف کی حمایت میں، آیت (۴/۲۵) سے استدلال کرتے ہوئے، کہتے ہیں کہ آیت (۴/۲۵) میں، چونکہ لونڈی کی سزائے زنا، آزاد عورت کی نسبت، نصف بیان کی گئی ہے، لہٰذا،

---

[1] تفہیم القرآن، جلد۳، صفحہ ۳۲۷

آزاد عورت کی سزا، رجم نہیں ہو سکتی، کیونکہ رجم، نا قابلِ تنصیف ہے، لہٰذا، یہ سزا سو تازیانہ ہی ہو سکتی ہے، جس کی تنصیف ممکن ہے، آیت (۴/۲۵) کو اگر ابتداء سے انتہاء تک دیکھا جائے، تو اس استدلال کی کمزوری بلکہ غلطی واضح ہو جاتی ہے۔

﴿ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصِنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِن بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ، ذَالِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (النساء - ۲۵)

جو کوئی ''صاحب ایمان محصنات'' سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، تو وہ مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کر لے، اللہ تمہارے ایمانوں سے واقف ہے، تم سب ایک دوسرے سے وابستہ ہو، پس تم ان لونڈیوں سے، ان کے مالکوں کی اجازت سے، انہیں، ان کے حق مہر دیتے ہوئے، اس طرح نکاح کر لو کہ وہ ''محصنات'' ہو کر رہیں، بدکاری کرنے والی نہ رہیں، اور نہ ہی خفیہ آشنائیاں کرتی پھریں، پھر جب وہ نکاح میں آ جانے کے بعد، ارتکابِ زنا کریں، تو ان پر ''محصنات'' کی زنا سے نصف سزا عائد ہوگی، یہ (رعایتِ نکاح) اس شخص کے لیے ہے جس پر عدم نکاح گراں گزر رہا ہے، اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں ''محصنات'' کا لفظ، تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں، اس لفظ کے تین معانی ہیں۔

(۱) شادی شدہ عورتیں (خواہ آزاد ہوں یا غلام)

Marfat.com

(۲) آزاد کنواری عورتیں

(۳) پاک دامن اور پاکباز عورتیں

خود، پرویز صاحب نے بھی اپنی لغات القرآن میں، ان تین معانی کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

المحصنات شادی شدہ عورتوں کو کہتے ہیں۔ احصن کے معنٰی ہیں شادی کرنا، لیکن تاج العروس میں (جوہری اور ثعلب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پاک دامن عورت کے لیے محصِنة اور محصَنة دونوں الفاظ آتے ہیں، لیکن شادی شدہ کے لیے محصَنة آتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں پاک دامن، عورتوں کے لیے، المحصنات آیا ہے (۲۴/۴)، جس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا جہاں محصنة آئے گا، وہاں سیاق وسباق کی رو سے دیکھنا ہوگا کہ اس میں مطلب، غیر شادی شدہ پاکدامن عورت ہے یا شادی شدہ۔

قرآن میں یہ لفظ پاکدامن کے معنوں میں (۵/۵، ۲۴/۴، ۲۴/۲۳، ۲۴/۲۴) میں آیا ہے، سورۃ نساء میں (۴/۲۵ میں) یہ لفظ فتیات کے مقابلہ میں آیا ہے، جہاں اس کے معنٰی آزاد عورتوں کے ہیں (بمقابلہ لونڈیوں کے)۔ [1]

الغرض، پرویز صاحب کو بھی، اس امر کا اعتراف ہے کہ محصنات کا لفظ، ان ہی تینوں معانی میں استعمال ہوتا ہے، جو اوپر بیان کیے جا چکے ہیں، قرآن کریم میں، تینوں معانی میں، یہ لفظ مختلف مقامات پر آیا ہے۔

آیت (۴/۲۵) میں، (جو اس وقت زیرِ بحث ہے) یہ لفظ تین بار آیا ہے۔ پہلی بار ان ینکح المحصنات میں، جہاں خود پرویز صاحب کے مطابق، محصنات کے معنٰی ''آزاد عورتیں'' ہیں، کیونکہ یہ لفظ یہاں بمقابلہ لونڈیوں کے، مستعمل ہے، چونکہ ان عورتوں سے نکاح

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۵۱۸ تا صفحہ ۵۱۹

Marfat.com

کرنے کی اجازت دی جارہی ہے، اس لیے، یہ کنواری عورتیں ہیں، اگر شادی شدہ ہوتیں، تو ان سے نکاح کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس لیے یہاں ''محصنات'' کا لفظ محض ''آزاد عورتوں'' کے معنیٰ میں ہی نہیں بلکہ ''آزاد کنواری عورتوں'' کے معنیٰ میں ہے۔

دوسری مرتبہ، ''محصنات'' کا لفظ، وسطِ آیت میں محصنات غیر مسافحات کے ٹکڑہ میں آیا ہے، اور انہی کے متعلق، آگے چل کر، فاذا احصن (جب وہ قید نکاح میں آجائیں) کہا گیا ہے۔ یعنی آیت میں، ایسی لونڈیوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے، جو قیدِ نکاح میں، آنے کے بعد، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی (محصنات) بن کر رہیں، نہ کہ بدکاری میں ملوث ہونے والی (غیر مسافحات)، بالفاظِ دیگر، لونڈیاں، جب تک بے شوہر تھیں، وہ محصنات نہ تھیں، قیدِ نکاح میں آجانے کے بعد، وہ ''محصنات'' یعنی شوہر والی قرار پائیں۔

تیسری مرتبہ، یہ لفظ ما علی المحصنات من العذاب میں وارد ہوا ہے۔ اس جگہ، یہ لفظ، اُن ہی محصنات کے بارہ میں ہے، جو آیت کے ابتدائی ٹکڑے میں، ''آزاد کنواری عورتوں'' کے مفہوم میں واقع ہوا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتداءِ آیت میں ان ینکح المحصنات میں الف لام، تخصیص کے لیے ہے، نہ کہ تعمیم واستغراق کے لیے، جس کا تقاضا ہے کہ المحصنات سے مراد، خاص قسم کی عورتیں لی جائیں، یعنی آزاد کنواری عورتیں۔ اگر یہاں الف لام کو تعمیم واستغراق کے لیے مانا جائے، تو پھر اس میں ہر قسم کی ''محصنات'' --- (خواہ وہ شادی شدہ عورتیں ہوں قطع نظر اس کے وہ آزاد ہوں یا غلام، یا (ii) آزاد کنواری عورتیں ہوں، یا (iii) پاک دامن و پاکباز عورتیں ہوں) --- مراد ہوں گی، ایسی صورت میں، فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب کا معنیٰ ہوگا کہ --- ''منکوحہ لونڈیوں پر ارتکابِ زنا کی صورت میں، اس سزا کی نصف سزا عائد ہوگی، جو شادی شدہ خواتین کی سزا ہے، قطع نظر اس کے یہ خواتین آزاد ہوں یا غلام'' --- یا ''جو پاکدامن عورتوں کی سزا ہے، اس کا نصف، زنا کار منکوحہ لونڈیوں پر عائد ہوگا'' اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں

Marfat.com

معنٰی لغو، باطل، اور بے معنٰی ہیں۔ ٹھیک معنٰی جو یہاں نصب ہو کر راست مفہوم کا حامل بنتا ہے، وہ یہی ہے کہ --- "منکوحہ لونڈیوں پر، ارتکابِ زنا کی صورت میں، اس سزا کا نصف عائد ہوگا، جو آزاد کنواری خواتین کی سزا ہے" --- اور ظاہر ہے کہ یہی وہ سزا ہے، جو سورۃ النور کی دوسری آیت میں مذکور ہے۔ جس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس سزا کے بیان کے متصل بعد ہی، کنوارے زنا کاروں کے لیے شادی کا ایک ضابطہ بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔

﴿ اَلزَّانِی لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْمُشْرِکَةً وَالزَّانِیَةُ لَایَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (النور – ۳)

زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ، اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک۔ اور یہ اہلِ ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے۔

اب، خواہ، ان قرآنی قرائن و اشارات کو لیا جائے، یا صاحبِ قرآن کی تشریحی اور تشریعی فرمودات کو، آیت (۲۴/۲) میں مذکور سزا، کنوارے اور آزاد زناۃ و زوانی کے ساتھ ہی مخصوص قرار پاتی ہے۔ رہے شادی شدہ، آزاد زنا کار افراد، تو اُنکی سزا نبی اکرم ﷺ کی قولی، اور عملی سنتِ ثابتہ کی بناء پر، رجم ہی قرار پاتی ہے، جسے، خود، رسول اللہ ﷺ نے مطابقِ قرآن قرار دیا ہے۔

الغرض، نبی اکرم ﷺ ہوں یا صحابہؓ کرام، خلفاءؓ راشدین ہوں، یا آئمہؒ فقہ، علماءؒ حدیث ہوں یا علماءِ تفسیر، ان سب کے ہاں سے شادی شدہ زنا کاروں کے لیے رجم کی سزا (قطع نظر اس کی تفصیلات و جزئیات کے) بجائے خود، اسی طرح متواترات میں شامل ہے، جس طرح، حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت ہم تک تواتر سے پہنچی ہے۔

رجم کا ثبوت کتبِ پرویز سے ...... رجم کی سنتِ ثابتہ سے، خود حضرت عمرؓ نے، ایک ایسا اجتہاد کیا ہے، جو اس سنتِ ثابتہ کے سوا کسی اور بنیاد پر استوار ہی نہیں ہو سکتا، اور لطف یہ کہ خود "مفکرِ قرآن" کی بصیرت کی کسوٹی پر، پورا اتر کر، ان کی کتب میں ثبت ہو چکا ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب، حلالہ پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس حلالہ کرنے والا، اور جس کے لیے حلالہ کیا جانا مقصود ہو، لایا گیا تو میں، دونوں کو رجم (سنگسار) کی سزا دوں گا، حتّٰی کہ آپ نے، ایک واقعہ میں، اس عورت کو بھی سزا دی، جو اس فعلِ شنیع میں واسطہ (دلالہ) بن رہی تھی۔ ۱؎

اس کے علاوہ، طلوعِ اسلام میں، یہ عبارت بھی مذکور ہے۔

اس حیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مطلقہ بیوی کا نکاح، کسی سکھائے پڑھائے آدمی سے کر دیا پھر اس سے طلاق دلوا کر، دوبارہ شادی کر لی۔ جب حضرت عمرؓ کو اس مکروہ صورت کا علم ہوا تو آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ لااوتی المحلل والمحلل لهٗ الارجمتها ''میں حلالہ کرنے والے، اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے گا، دونوں کو سنگسار کر دوں گا۔ ۲؎

حضرت عمرؓ کا یہ اجتہاد اور ان کا یہ اعلان، سزائے رجم کی سنتِ ثابتہ کی نصوص پر ہی استوار ہے، لیکن طلوع اسلام، اس واضح حقیقت سے اعراض کرتے ہوئے، سزائے رجم کو اس کی بنیاد قرار دینے کی بجائے، حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کو قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ

آپ نے یہ حکم اس لیے دیا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیا تھا، ترمذی شریف میں، ابنِ مسعود سے روایت ہے: ان النبی ﷺ لعن المحلل و المحلل له ''رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے، دونوں کو ملعون قرار دیا۔ ۳؎

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا محلل اور محلل له دونوں کو رجم کرنے کا اجتہاد، شادی شدہ زناکاروں کی اس سزائے رجم پر اساس پذیر ہے، جو رسول اللہ کی سنتِ ثابتہ ہے۔ اگر طلوع اسلام کا مؤقف تسلیم کر لیا جائے، تو پھر ہر اس فعل کی سزا سنگسار کرنا قرار پائے گا جس

۱؎ شاہکارِ رسالت، صفحہ ۹۶ ۲؎ طلوعِ اسلام، اگست ستمبر ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۰۲

۳؎ طلوعِ اسلام، اگست ستمبر ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۰۲

Marfat.com

پر آپؐ نے لعنت فرمائی، مثلاً احتکار کرنے والا، سود کھانے والا، سود کھلانے والا، سود کی دستاویز لکھنے والا، اور اس پر گواہی دینے والا، عورت سے اس کی دبر میں جماع کرنے والا، شراب نچوڑنے والا، شراب بنانے والا، شراب پینے والا، اسے پلانے والا، اس کو لاد لاد کر لانے والا، جس کے لیے شراب لائی جا رہی ہے، شراب کا خریدنے والا، اس کو فروخت کرنے والا، اس کو ہبہ کرنے والا، اور شراب کی آمدنی کھانے والا وغیرہ وغیرہ۔ پھر اگر وہ لوگ، جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، مستحقِ رجم قرار پاتے ہیں تو پھر وہ لوگ، تو اور بھی زیادہ سنگسار کیے جانے کے مستحق ہیں، جن پر خود خدا نے لعنت فرمائی ہے، مثلاً خدا کی نازل کردہ ہدایت اور واضح دلائل کو چھپانے والے (البقرہ - ۱۵۹) بھولی بھالی پاکدامن مومنات پر تہمت لگانے والے (النور-۲۳)، دنیا کا ہر فردِ کافر (الاحزاب - ۶۴)، ہر وہ شخص جو جھوٹ بولتا ہو (آل عمران-۶۱)، ہر وہ شخص، جو ظالم ہو (ہود- ۱۸)، مقدمہ لعان کا وہ فریق، جو جھوٹا ہونے کی بناء پر، خود اپنے اوپر لعنت بھیجتا ہے (النور- ۷)، افواہیں پھیلانے والے اور باپردہ خواتین سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے (الاحزاب-۶۰، ۶۱) وغیرہ۔

دو قابلِ غور امور...... فی الحال، اس بات کو چھوڑ یئے کہ حضرت عمرؓ کا محلل اور محلل لہ کو رجم کرنے کا اجتہاد، کس حدیث یا کس سنتِ ثابتہ پر مبنی ہے؟ بہر حال، اس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔

اولاً ----- یہ کہ فاروقی اجتہاد کی بنیاد، اگر واقعی، قرآن کی نص نہیں ہے، بلکہ وہ ارشادِ نبوی ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے محلل اور محلل لہ پر لعنت فرمائی ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک، ماخذِ قانون، صرف قرآن ہی نہیں، بلکہ سنتِ رسول بھی تھی۔ وہ، اگر لاکھ مرتبہ بھی حسبنا کتاب اللہ کہتے، تو بہر حال، ان کا تصورِ قرآن، صاحبِ قرآن اور سنت نبوی سے منقطع نہ تھا، اور وہ حلِ مسائل کے لیے، صرف قرآن ہی کی طرف نہیں، بلکہ سنتِ نبوی اور احادیث و آثارِ رسول کی طرف بھی راجع ہوا کرتے تھے۔

ثانیاً ----- یہ کہ فاروقِ اعظمؓ کے اس اجتہاد اور پھر اس کے برملا اعلان سے یہ سوال

پیدا ہوتا ہے کہ حلالہ کرنے اور کروانے والے کو سزائے رجم دینا ''خلافِ قرآن'' ہے یا ''مطابقِ قرآن'' ہے؟ ان کا یہ استنباط، قرآن کریم کی کس نص پر مبنی ہے؟ اور اگر یہ ''خلافِ قرآن'' ہے تو قرآن کی کون سی آیت، اس کی مخالفت میں ہے؟ پھر اگر حلالہ کرنے اور کروانے والے کی سزائے رجم، ''مطابقِ قرآن'' ہے، تو شادی شدہ زنا کاروں کی یہی سزا، کیوں ''مطابقِ قرآن'' نہیں ہے؟ حالانکہ یہ سزا، خود معصوم پیغمبرؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہے جبکہ حلالہ کرنے اور کروانے والے کی سزا کا اعلان، ایک ایسے شخص کی زبان سے ہوا ہے، جو معصوم نہیں ہے؟

جوازِ رجم، ایک اور پہلو سے

''شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ'' --- کے زیرِ عنوان طلوعِ اسلام نے ایک خاتون کا خط شائع کیا، جس میں ایک معاشرتی برائی کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے۔

......اس وقت، آپ کی توجہ، معاشرہ کی ایک ایسی خرابی کی طرف دلانا چاہتی ہوں، جس نے ان بیچاریوں کے لیے، ایک اور مصیبت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں نے زندگی کی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلنا شروع کیا ہے۔ ان کی بچیاں سکول جاتی ہیں۔ بڑی لڑکیاں کالجوں میں جاتی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ہمارے نوجوان لڑکوں میں بدتمیزی کی ایسی لہر پیدا ہو گئی ہے کہ ان عورتوں، لڑکیوں اور بچیوں کو چھیڑنے اور ستانے میں بڑی لذت لیتے اور فخر محسوس کرتے ہیں، اور حیرت اس پر ہے کہ یہ حرکات، ایسے گھرانوں کے نوجوانوں کی طرف سے سرزد ہوتی ہیں جن کی اپنی مائیں، بہنیں، اسی زمرہ میں آتی ہیں، جنہیں اس طرح تنگ کیا جاتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ کوئی شریف زادی، گھر سے باہر نکل کر، اپنے آپ کو محفوظ تصور نہیں کر سکتی، بچیاں سکول جانے سے گھبراتی ہیں، لڑکیاں کالج جانے سے ڈرتی ہیں اور بڑی عورتیں، کام کاج کے لیے باہر نکلنے سے جھجھکتی ہیں۔ آپ غور کیجئے کہ جس معاشرہ میں حالت یہ ہو جائے کہ

Marfat.com

اس کی آدھی آبادی، اپنے آپ کو ہر وقت غیر محفوظ پائے، اس معاشرہ کا زندہ قوموں میں مقام کیا ہوسکتا ہے، اور آدھی آبادی، وہ ہو جس کی گود میں آنے والی نسلوں کو پرورش پانا اور تربیت حاصل کرنا ہو، جس ماں کا دل، ہر وقت، خوف اور ہراس سے کانپتا رہے، جسے ہر مرد سے ہر وقت ڈر محسوس ہوتا رہے، جو اپنے آپ کو کبھی محفوظ تصور نہ کرے، جو بچہ اس کی گود میں پرورش پائے گا، اس کی نفسیاتی کیفیت کیا ہوگی؟ اور آگے چل کر، اس کا کریکٹر کس قسم کا بنے گا؟ حالت اس وقت یہ ہو چکی ہے کہ بچیاں، اسکولوں اور کالجوں میں جاتی ہیں تو جب تک وہ خیریت سے واپس گھر نہ آ جائیں، دل دھڑکتا رہتا ہے، وہ واپس آتی ہیں تو ڈری اور سہی ہوئی۔ جب وہ بتاتی ہیں کہ راستوں میں بدتمیز لڑکوں نے کس طرح، انہیں تنگ کیا تو خون کھولنے لگ جاتا ہے، لیکن کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس کا علاج کیا کیا جائے ...... [۱]

اس موضوع پر، یہ ایک طویل خط ہے، جس میں سے چند جملے، اظہارِ مدعا کے لیے کافی ہیں، نامہ نویس نے آگے چل کر، ان لوگوں کے بارے میں، جو یہ صورتحال، ایک ''سوچی سمجھی اسکیم کے تحت''، پیدا کر رہے ہیں، بدگمانیوں کا ایک قصر ایستادہ کیا ہے، اس پر، ماسواء اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

ع اندھے کو اندھیرے میں، بہت دور کی سوجھی

اب اس خرابی پر ''مفکر قرآن'' جو کچھ فرماتے ہیں، اسے بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔

ہماری محترمہ بہن نے جس خرابی کی طرف، ہماری توجہ مبذول کروائی ہے، اس کا ہمیں بھی شدت سے احساس ہے آئے دن، اس قسم کی شکایات، ہم تک پہنچتی رہتی ہیں، قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب مسلمانوں کی جماعت ہجرت کے بعد، مدینہ پہنچی ہے تو اسے وہاں، اسی قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا، وہاں کا

---

[۱] قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۴۷۱ تا ۴۷۲

Marfat.com

اوباش طبقہ، مسلمان شریف زادیوں کو راستوں میں تنگ کرتا تھا، اور جب ان سے باز پرس کی جاتی تو وہ یہ کہہ دیتا کہ ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ شریف عورتیں ہیں۔ ان کی اتمام حجت کے لیے، قرآنِ کریم نے یہ حکم دیا کہ یاایھا النبی قل لا زواجك و بناتك ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالك ادنی ان یعرفن فلایؤذین . وکان اللہ غفورا رحیما (۳۳/۵۹) ''اے نبی! تم اپنی عورتوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ باہر نکلتے وقت، اپنے جلباب اوڑھ لیا کریں، یہ اس لیے مناسب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور شریر طبقہ انہیں تنگ نہ کرے''۔ (جلباب) اوور کوٹ کی قسم کا کپڑا ہوتا ہے جسے عام لباس کے اوپر پہن لیا جاتا ہے جیسے آجکل نرسیں یا ڈاکٹر (Doctors) پہنتے ہیں، یہ حفاظتی تدبیر تھی، جسے قرآن نے اس ہنگامی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تجویز کیا، لیکن اگر وہ لوگ، اس پر بھی عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئیں تو پھر کیا کیا جائے؟ قرآن کریم نے کہا یہ سوال ایسا نہیں جسے اسی طرح چھوڑ دیا جائے، یہ معاشرہ کا بیحد اہم سوال ہے اور اس کا مؤثر حل بہت ضروری ہے، فرمایا لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینة اگر مدینہ کے منافق --- یعنی وہ لوگ، جو بظاہر بڑے شریف نظر آتے ہیں لیکن ان کی نیتیں سخت خراب ہیں، ان کے دلوں میں روگ ہے، وہ شریف زادیوں کو تنگ کرتے ہیں، اور پھر ان کے متعلق ایسی افواہیں پھیلاتے ہیں جن سے ان کی عزت پر حرف آجائے، اگر یہ لوگ اس حفاظتی تدبیر کے باوجود، اپنی حرکات سے باز نہ آئیں---تو--- لنغرینك بھم --- یہ نہیں کہ انہی کھلی چھٹی دے دی جائے، کہ وہ جو جی میں آئے کرتے پھریں، بالکل نہیں، اس طرح تو یہ لوگ، شریف زادیوں کا باہر نکلنا محال کر دیں گے، تو اٹھو اور اس طرح، ان کے پیچھے لگ جاؤ کہ ان کا اس شہر میں رہنا محال ہو جائے۔ ثم لا یجاورو نك فیھا الا قلیلا یا تو یہ، اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، اور

Marfat.com

اگر یہاں رہیں تو انہیں حقوقِ شہریت سے محروم کر دیا جائے (ملعونین)، اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئیں، تو اینما ثقفوا اخذوا وہ جہاں بھی ہوں، انہیں گرفتار کیا جائے، وقتلوا تقتیلاً (۶۰،۶۱،۳۳)، اور ان کا خوب قتل کیا جائے۔

آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم نے، شریف زادیوں کو تنگ کرنے اور ان کے متعلق افواہیں پھیلانے کو کس قدر سنگین جرم قرار دیا ہے، اس نے سزائے موت، یا تو جرمِ قتلِ عمد کے لیے مقرر کی ہے، اور یا مملکت کے خلاف بغاوت کے لیے۔ لیکن یہاں اس نے وقتلوا تقتیلا کہہ کر، اس جرم کو، ان جرائم سے بھی زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ ¹

''مفکر قرآن'' نے ہمیشہ ''عقل و دانش'' ہی کو اپنا اولین مسلک قرار دے کر، قرآن کی تشریح و توضیح اور تفصیل و تفسیر پیش کی ہے اور اپنی ''عقل و دانش'' کے مقابلہ میں فرمانِ نبیؐ اور عملِ رسولؐ کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی، چنانچہ وہ خدا کے متعلق فرماتے ہیں کہ

اس نے یہ کہا ہے کہ تم یہ نہ دیکھو کہ پرویز کیا کہتا ہے، اور نہ یہ کہ مودودی کیا کہتا ہے؟ میری کتاب ''گیت ودیا'' نہیں کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے، تم اس کتاب کو عقل و فکر کی رو سے دیکھو اور سمجھو، بات صاف ہو جائے گی۔ ²

''مفکر قرآن'' نے، عمر بھر کتاب اللہ کو عقل و فکر ہی کی رو سے دیکھا اور سمجھا اور (قرآنِ مبین کی) ''غیر صاف'' باتوں کو ''صاف'' کر کے رہے، چنانچہ یہاں بھی انہوں نے یوں ''بات صاف'' کی کہ (i) اگر کوئی شخص، شریف زادیوں کی عفت و عصمت کی بابت افواہ پھیلا دے، تو اس پر جرمِ قذف میں اسی کوڑوں کی سزا عائد ہوگی، لیکن (ii) اگر وہ شریف زادیوں سے صرف چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، تو اس کا یہ جرم، قتلِ عمد اور مملکت کے خلاف بغاوت سے زیادہ سنگین جرم ہے، لہٰذا، اسے وقتلوا تقتیلا کے تحت قتل کیا جائے گا، لیکن (iii) اگر وہ چھیڑ چھاڑ سے بھی آگے بڑھ کر، اس کی آبروریزی اور عصمت دری کرتا ہے، اور جبراً اسے اپنی جنسی ہوس کا

---

¹ قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۴۷۲ تا ۴۷۳ ² قرآنی فیصلے، ج ۱، صفحہ ۳۹۷

Marfat.com

نشانہ بناتا ہے، تو اس کا جرم، ''چھیڑ چھاڑ کے جرم'' سے ہلکا ہو جاتا ہے، لہٰذا اسے قتل سے کمتر ٹھہرا دے کر، سو کوڑے مارے جائیں گے۔ یوں ''مفکر قرآن'' نے عقل و فکر کی رو سے، مجرمانِ زنا کے لیے بات صاف کر دی کہ بیوقوف بن کر محض چھیڑ چھاڑ تک اکتفاء نہ کرو، ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے، آگے بڑھو، اور ارتکابِ زنا تک کر ڈالو، رہی اسی کوڑوں کی سزا، تو یہ تو ''لطف زندگی'' اور ''لذتِ جسمانی'' کی قیمت ہے، اور پھر چھیڑ چھاڑ کے مقابلہ میں، جس کی شدید سنگین قتل (قتلوا تقتیلا) ہے، ارتکابِ زنا کا یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ پس اے مجرمانِ زنا! تم خدا کی اس ''رعایت و تخفیف'' پر شکر بجالاؤ، جس پر ملاں نے ''عجمی سازش'' کے تحت، پردہ ڈالے رکھا، یہاں تک کہ ''مفکر قرآن'' نے، چودہ سو سال کے بعد، اس پردے کو چاک کر کے، ''قرآن کریم کو عقل و فکر کی رو سے دیکھا، اور سمجھا اور پھر بات صاف کر دی''۔

☆..........☆..........☆

Marfat.com

باب ششم

حد قذف

ایک زمانہ تھا کہ ''مفکر قرآن'' صاحب، جرمِ قذف کے لیے، محض ''تہمت طرازی'' یا ''تہمتِ بیجا'' جیسے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، جس سے یہ بات، واضح نہیں ہوتی تھی کہ تہمت سے مراد مطلق تہمت ہے، یا وہ خاص تہمت، جو کسی کی عصمت و آبرو پر حملہ قرار پائے، اور اس کی پاک دامنی کی مخالف ہو، چنانچہ وہ اس کا ذکر، یوں کیا کرتے تھے:

> قرآن نے کسی شریف عورت کے بارے میں، تہمت طرازی کو اتنا شدید جرم قرار دیا ہے کہ اس کے لیے اسی دروں کی سزا مقرر کی گئی۔ [1]

پھر، وہ جرمِ قذف کی وضاحت میں، ایسی تہمت کو صراحتاً بیان کرنے لگ گئے، جو منافیٔ عصمت ہو، مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ:

> اس کے نزدیک، شریف عورتوں کے خلاف، تہمتِ بیجا بھی سنگین جرم ہے، جس کی سزا اسی کوڑے ہے، (۲۴/۴) اس لیے کہ، اس سے بھی، ان کی عصمت پر حرف آتا ہے۔ [2]

پھر، علماءِ امت کی سی صراحت کے ساتھ، جرمِ قذف کی وضاحت، بایں الفاظ کرنے لگ گئے:

> قرآن نے پاک دامن عورتوں کے خلاف، الزام تراشی کی سزا، اسی کوڑے مقرر کی ہے۔ [3]

اس کے بعد، پھر، ان کا ذہن اور قلم، قذف کی حقیقت کے بارے میں، واضح ہی رہا، اور علماءِ امت اور ان کے درمیان، کم از کم حقیقتِ قذف کے بارے میں، مجھے کوئی اختلاف محسوس نہیں ہوا۔ البتہ وہ ''قذف'' کی اصطلاح استعمال کرنے سے بہت حد تک گریزاں رہے، چنانچہ وہ --- ''قرآنی قوانین'' --- میں قذف کی معروف اصطلاح کو چھوڑ کر، ''تہمت تراشی'' کا عنوان قائم کر کے، لکھتے ہیں کہ:

> پاک دامن، عورتوں کے خلاف، تہمت لگانے والے کے لیے ضرور ہے کہ وہ چار گواہ

---

[1] طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۶۲ء، صفحہ ۳۳ [2] طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۶۳ء، صفحہ ۳۰

[3] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۶۴ء، صفحہ ۶۱

Marfat.com

لائے، اگر جرم ثابت نہ ہو، تو تہمت لگانے والے کی سزا، اسی کوڑے ہے۔ [1]

چونکہ علماءِ امت اور پرویز صاحب کے درمیان، حقیقتِ قذف اور سزائے قذف اب بمقابلہٗ ماضی، ایک متفق علیہ امر ہے، لہٰذا، اس میں موازنہ ومحاکمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے، اسی پر اکتفا کرتے ہوئے، بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔

خلاصہٗ بحث...... عقوباتِ قرآنیہ پر یہ پوری بحث، اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ جب کوئی شخص، ذہناً اور قلباً، قرآنی افکار ونظریات سے منحرف ہو چکا ہو، اور کسی دوسری تہذیب کے اصول ومبادی پر ایمان لا چکا ہو، اور اس کے ساتھ ہی اس کی اخلاقی نامردی کا یہ عالم ہو کہ نہ تو وہ قرآن کو برملا چھوڑ دینے کی جرأت رکھتا ہو اور نہ ہی وہ اپنے جدید افکار وعقائد کے اظہار کا حوصلہ پاتا ہو، تو وہ، اپنے مختار وپسندیدہ نظریات میں اور قرآنی عقائد وایمانیات میں ہم آہنگی پیدا کرنے پر جُت جایا کرتا ہے۔ ایسا شخص، قرآن کریم کا مطالعہ، اس عینک کے ساتھ کرتا ہے، جو اسلام کی نہیں، بلکہ غیر اسلام کی فراہم کردہ ہے، اسے اسلام کے اساسی عقائد ہی سے نہیں بلکہ پورے نظامِ حیات سے اختلاف ہوتا ہے، وہ قرآنی تعلیمات کو، اپنے ذہنی معتقدات کے سانچے کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہر حربہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اسے ہر حال میں محبوب وعزیز تو وہ نظریات ومعتقدات ہوتے ہیں جو کسی تہذیب کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں مبتلا ہو کر، اپنا چکا ہوتا ہے، لیکن نام وہ قرآن ہی کا لیا کرتا ہے، یہ منافقانہ روش، اسے اس امر پر اکسائے رکھتی ہے کہ وہ خدع وفریب، قطع وبرید، کتر بیونت، اور اختلاق وتحریفِ قرآن کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر، اجتہاد کے نام پر، قرآنی تعالیم کو اپنی مشق آزمائی کا نشانہ بنائے اور ساتھ ہی اپنے قارئین ومعتقدین کو یہ یقین دلائے رکھے کہ زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگی کے پیشِ نظر، قرآن کی ''تعبیرِ نو'' پیش کی جارہی ہے، ورنہ یہ خطرہ تھا کہ اس ''ترقی کے دور'' میں، ازمنۂ مظلمہ میں نازل ہونے والی، یہ کتاب اللہ، اپنی ''رجعت پسندانہ تعلیمات'' کے باعث، آثارِ قدیمہ کی ایک یادگار بن کر رہ جاتی۔

قرآن مجید کو دورِ جدید (Modern Age) کے قابل بنانے کے لیے ''مفکر قرآن''

---

[1] قرآنی قوانین، صفحہ ۱۰۴

نے اسلامی تعزیرات وعقوبات کو جس طرح اپنی مشقِ تحریف کا نشانہ بنایا ہے، اُس سے اُن کی تحریفی صلاحیتوں کی ''نابغیت'' اظہر من الشمس ہوگئی ہے۔ مقدماتِ قتل میں، قصاص کے لغوی مفہوم میں تحریف، ولیٔ مقتول کے سہ گونہ اختیارات کا انکار، تاریخی حقائق کی تقلیب اور حدِ سرقہ میں، قطع ید کی واحد سزا سے جان چھڑانے کے لیے، ایک سے ایک بڑھ کر، رکیک تاویلات، ''مفکرِ قرآن'' کی ''جودتِ فکر اور ندرتِ نگاہ'' کا منہ بولتا ثبوت ہیں، سزائے قطع ید ہو، یا تقطیع ایدی وارجل ہو، ان کی بھونڈی تاویلات، ان کے اُس قلبی تضیق کو واضح کردیتی ہیں جو قرآن میں پائی جانے والی، اِن ''وحشیانہ'' سزاؤں پر، انہیں لاحق ہوتا ہے اور یہ پیچ وتاب، ان عقوبات کو ''مہذب'' تعزیرات کے دائرے میں لانے کے لیے انہیں اکساتا ہے۔ پھر ''مفکرِ قرآن'' کی یہ ''فقاہتِ عبقریت'' بھی قابلِ داد وتحسین ہے، جس کی رو سے، وہ، جرمِ ارتداد اور جرمِ بغاوت کو، اس طرح، باہم دگر لازم وملزوم سمجھتے ہیں کہ جرمِ ارتداد، بغیر جرمِ بغاوت کے وقوع پذیر نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ بھی عجیب طرفہ تماشا ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' صاحب، اسلامی عقائد واساسیات کے خلاف کچھ کہنے کو، جرمِ ارتداد کہنے کی بجائے، (جس کی سزا، قتل ہے) بغاوت قرار دیتے ہیں۔ اور پھر جرمِ بغاوت کی سزا، قتل بیان کرتے ہیں۔ گویا علماء، اسلامی عقائد واساسیات کی جس مخالفت کو جرمِ ارتداد (موجبِ سزائے قتل) قرار دیتے ہیں، اسے ہمارے ''مفکرِ قرآن'' صاحب، براہِ راست ماننے کی بجائے، پھیر کا راستہ اختیار کر کے، تسلیم کرتے ہیں۔ رہی حدِ زنا، تو اس میں بھی، ''مفکرِ قرآن'' نے ''خلافِ قرآن'' اور ''زائد از قرآن'' امر میں، خلط مبحث سے کام لے کر، اپنی ''مفکرانہ بصیرت'' اور ''فقیہانہ فراست'' کا بھانڈا، عین چوراہے میں پھوڑ دیا ہے، اور اپنی عقل ودانش کی میزان میں تول کر، جس ''گوہرِ حکمت'' کو پیش کیا ہے، اس کے مطابق، عورتوں سے ''محض چھیڑ چھاڑ'' کی سزا تو، سنگین قتل (قتلوا تقتیلا) ہے، لیکن اگر ''چھیڑ چھاڑ سے آگے بڑھ کر''، عملاً ارتکابِ زنا تک کر ڈالا جائے تو اس کی سزا، نہ رجم ہے اور نہ ہی قتل۔ فطوبیٰ للزناۃ والزوانی۔ دورِ حاضر میں، امتِ مسلمہ پر کتنی بڑی یہ دو نعمتیں ہیں۔

ذاتِ ''مفکرِ قرآن'' اور تفسیر مطالب الفرقان   فبای اٰلاء ربکما تکذبان

Marfat.com

کتابیات

الف۔ قرآن اور تفاسیر قرآن

۱۔ قرآنِ مجید

۲۔ پرویز، غلام احمد۔ تفسیر مطالب الفرقان ج ۳۔ ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵۔ بی گلبرگ، لاہور۔ نومبر ۱۹۷۹ء

۳۔ پرویز، غلام احمد۔ تفسیر مطالب الفرقان ج ۴۔ ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵۔ بی گلبرگ، لاہور۔ نومبر ۱۹۸۱ء

۴۔ پرویز، غلام احمد۔ تفسیر مطالب الفرقان ج ۷۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ، ۲۵۔ بی گلبرگ، لاہور۔ نومبر ۱۹۹۵ء

۵۔ شفیع۔ مفتی محمد شفیع۔ تفسیر معارف القرآن ۳۔ ادارۃ المعارف، کراچی نمبر ۱۴۔

۶۔ مودودی۔ سید ابوالاعلیٰ۔ تفسیر تفہیم القرآن۔ ج ۱۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۸ء

۷۔ مودودی۔ سید ابوالاعلیٰ۔ تفسیر تفہیم القرآن۔ ج ۲۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔

(ب) کتب احادیث وشروح احادیث

۸۔ ابن حجر العسقلانی۔ تلخیص الحبیر۔ المکتبۃ الاثریہ۔ جامع اہل حدیث، باغ والی، سانگلہ ہل شیخوپورہ۔

۹۔ ابن حجر العسقلانی۔ فتح الباری۔ المکتبۃ السلفیہ

۱۰۔ ابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ۔ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی۔ ادب منزل۔ پاکستان چوک۔ کراچی۔

۱۱۔ ابوالحسین مسلم بن حجاج۔ جامع صحیح مسلم۔

۱۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث۔ سنن ابی داؤد۔

۱۳۔ ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ نشر السنۃ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔

۱۴۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب۔ سنن نسائی۔

۱۵۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل۔ جامع صحیح بخاری۔

۱۶۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سودہ۔ جامع ترمذی۔

۱۷۔ حنیف، مولانا عطاء اللہ۔ التعلیقات السلفیہ شرح سنن نسائی۔ المکتبۃ السلفیہ، لاہور، پاکستان۔

۱۸۔ سلفی، محمد اسماعیل، مولانا۔ شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ ادارہ احیاء السنۃ۔ گرجاکھ، گوجرانوالہ۔

۱۹۔ عبدالرحمٰن، مبارکپوری۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی۔ ضیاء السنۃ۔ ادرۃ الترجمہ والتالیف، احمد آباد، فیصل آباد۔

Marfat.com

۲۰۔ مالک بن انس۔موطا امام مالک۔ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی،ادب منزل،پاکستان چوک،کراچی۔

۲۱۔ نووی،امام۔الکامل شرح صحیح مسلم۔قدیمی کتب خانہ،مقابل آرام باغ،کراچی۔

(ج) کتب لغات

۲۲۔ المعجم الوسیط۔انتشارات ناصر خسرو،طہران،ایران۔

۲۳۔ ابن منظور۔لسان العرب۔نشر الادب الحوزہ،قم،ایران۔محرم ۱۴۰۵ھ

۲۴۔ پرویز،غلام احمد۔لغات القرآن جلد اوّل۔ادارہ طلوعِ اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔مارچ ۱۹۶۰ء

۲۵۔ پرویز،غلام احمد۔لغات القرآن جلد دوم۔ادارہ طلوع اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔اکتوبر ۱۹۶۰ء

۲۶۔ پرویز،غلام احمد۔لغات القرآن جلد سوم۔ادارہ طلوع اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔جنوری ۱۹۶۱ء

۲۷۔ پرویز،غلام احمد۔لغات القرآن جلد چہارم۔ادارہ طلوع اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔اپریل ۱۹۶۱ء

۲۸۔ ثعالبی۔فقہ اللغۃ۔شرکہ مکتبہ مطبعہ،مصطفیٰ البابی،الحلبی،واولادہ،مصر۔

۲۹۔ راغب اصفہانی۔المفردات۔نور محمد اصح المطابع،کارخانہ باتجارتِ کتب،آرام باغ،کراچی۔

(د) متفرقات

۳۰۔ ابن تیمیہ۔الصارم المسلول علی شاتم الرسول۔نشر السنۃ،ملتان،پاکستان۔

۳۱۔ ابن حزم۔المحلی۔دار الکتب العلمیہ،بیروت،لبنان۔۱۹۸۸ء

۳۲۔ ابن خلدون۔تاریخ ابن خلدون۔

۳۳۔ ابن عبدالبر۔جامع بیان العلم وفضلہ۔دار الکتب العلمیہ،بیروت،لبنان۔۱۹۸۸ء

۳۴۔ اسلم،محمد جیراجپوری۔تاریخ الامت جلد دوم۔میزان پبلی کیشنز لمیٹڈ،۲۷بی شاہ عالم مارکیٹ،لاہور۔

۳۵۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔اسلامی معاشرت۔طلوع اسلام ٹرسٹ،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔۱۹۹۷ء

۳۶۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔برق طور۔طلوع اسلام ٹرسٹ،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔۱۹۹۳ء

۳۷۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔دو اہم مسائل۔میزان پبلی کیشنز لمیٹڈ،شاہ عالم مارکیٹ،لاہور۔۱۹۶۲ء

۳۸۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔ شاہکار رسالت۔ادارہ طلوع اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔۱۹۸۷ء

۳۹۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔ قرآنی فیصلے حصہ اوّل۔طلوع اسلام ٹرسٹ،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔

۴۰۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔ قرآنی فیصلے حصہ دوم۔ادارہ طلوع اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔

۴۱۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔ قرآنی قوانین۔ادارہ طلوع اسلام،۲۵بی گلبرگ،لاہور۔

۴۲۔ پرویز،غلام احمد چوہدری۔ معارف القرآن ج۱۔ادارہ طلوع اسلام دہلی۔

Marfat.com

۴۳۔ پرویز، غلام احمد چوہدری۔ معارف القرآن ج ۳۔ معارف القرآن ۲۷ ترکمان روڈ، نئی دہلی۔
۴۴۔ پرویز، غلام احمد چوہدری۔ معارف القران ج ۴۔ ادارہ طلوع اسلام، کراچی۔
۴۵۔ پرویز، غلام احمد چوہدری۔ معراجِ انسانیت۔ ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور۔
۴۶۔ پرویز، غلام احمد چوہدری۔ مفہوم القرآن، جلد ا۔ ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور۔
۴۷۔ پرویز، غلام احمد چوہدری۔ مقامِ حدیث۔ ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور۔ ۱۹۹۲ء
۴۸۔ پرویز، غلام احمد چوہدری۔ من ویزداں۔ ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور۔
۴۹۔ زرقانی، عبدالعظیم مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ داراحیاء الکتب العربیہ، عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاءۃ۔
۵۰۔ سعید، مولانا، احمد۔ اکبرآبادی۔ صدیق اکبر۔ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ریلوے روڈ، لاہور
۵۱۔ صبحی صالح۔ مباحث فی علوم القرآن۔ منشوراتِ رضی۔ قم۔ منشوراتِ دارالکتاب الاسلامی۔ ۱۳۶۳ھ
۵۲۔ عثمانی، عمر احمد، مولانا۔ رجم۔ اصل حد یا تعزیر؟۔ ادارہ فکر اسلامی، کاشانہ حفیظ الیسر داس روڈ، کراچی نمبر ۳ اکتوبر ۱۹۸۱ء
۵۳۔ فارق، خورشید احمد۔ تاریخ الردہ۔ معہد الدراسات الاسلامیہ۔ دہلی الجدیدہ۔ ایشیاء پبلشنگ ہاؤس، بمبئی۔
۵۴۔ مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ۔ سیرت سرورِ عالم۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ فروری ۱۹۸۳ء

(ر) رسائل و مجلّات

۵۵۔ (i) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔
۵۶۔ (ii) ماہنامہ طلوعِ اسلام، دہلی، کراچی، لاہور۔ غلام احمد پرویز۔
۵۷۔ (iii) ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ، انڈیا)۔ سیّد سلیمان ندوی۔

☆..........☆..........☆

Marfat.com

ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی

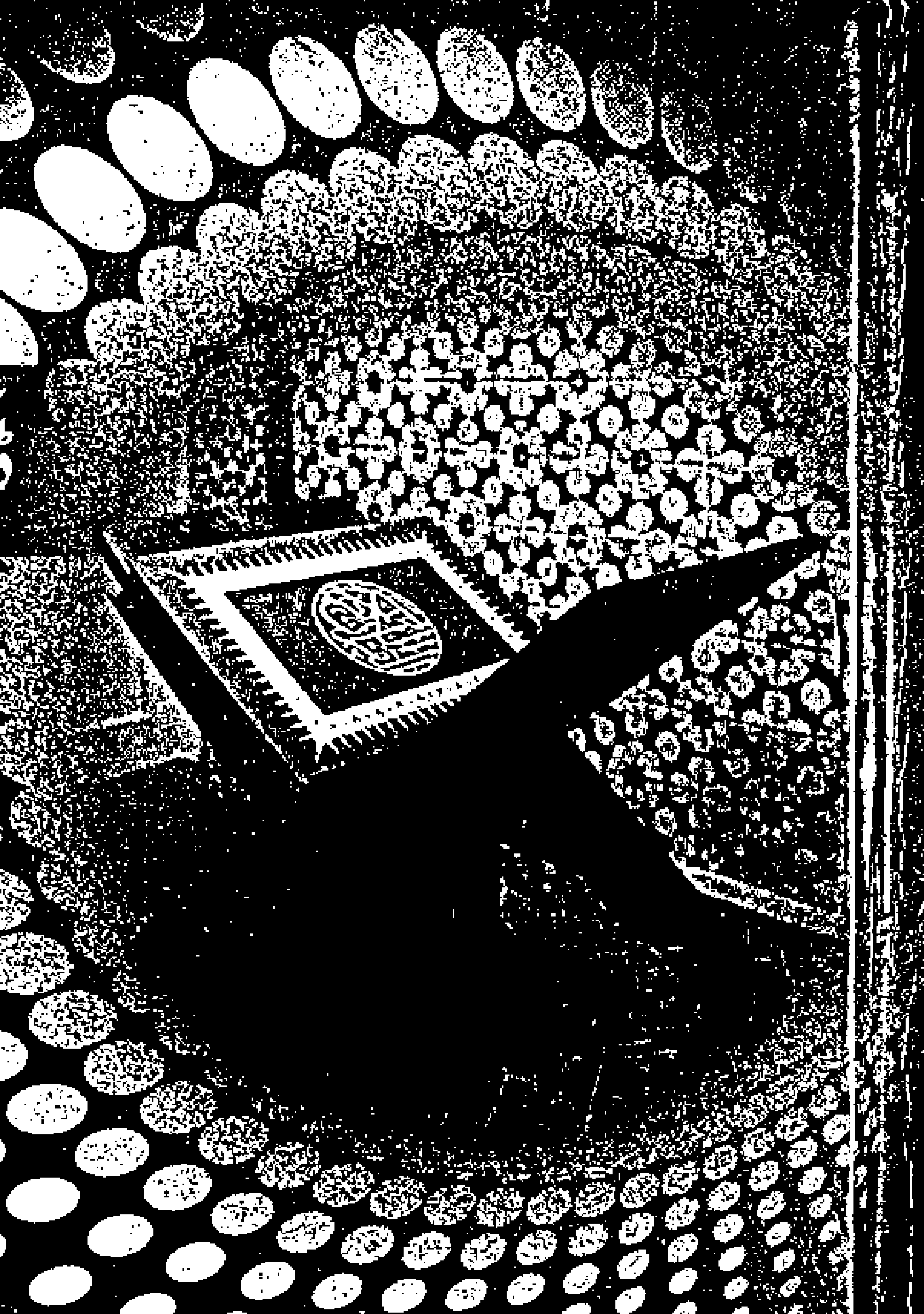

عقوباتِ قرآن
اور
مفکرِ قرآن

جناب غلام احمد پرویز